كتاب العقائد لأهل السنة والجماعة

المعروف

عقائد اہلِ سنت وجماعت

قرآن وحدیث کی روشنی میں

ناشر و مشول

سُنی سنٹر حیدرآباد

نزد فائر اسٹیشن، مغل پورہ، حیدرآباد اے پی، انڈیا

Ph : 040-2452 0228, 90597 34116

نام کتاب:	عقائد اہل سنت
مصنف:	مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی
زیر نگرانی:	علامہ مولانا قمر احمد اشرفی، بانی وڈائرکٹر: سنی سنٹر حیدرآباد
کمپوزنگ:	محمد انجم راہی: 9705768531 e-mail:manjumrahi@gmail.com
صفحات:	458
پہلا ایڈیشن:	جنوری 2011
تعداد:	2000
قیمت:	200/-
ناشر و مسئول	سنی سنٹر حیدرآباد

ملنے کے پتے:

(۱)......سنی سنٹر حیدرآباد، فون نمبر 040-24520228

(۲)......مکتبہ اہلسنت، چوک، حیدرآباد، موبائل 09966387400

(۳)......عرشی کتاب گھر، میر عالم منڈی، حیدرآباد، موبائل 09440068759

(۴)......دار العلوم اہلسنت انوار الحرمین، بی بی کا چشمہ، حیدرآباد

(۵)......مکتبہ انوار مصطفےٰ، مغل پورہ، حیدرآباد موبائل 09966352740

(۶)......مکتبہ نوری، تالاب کٹہ، حیدرآباد موبائل 08801803000

کتاب ''عقائد اہلسنت قرآن وحدیث کی روشنی میں'' حضرت مولانا مفتی رضاء الحق اشرفی صاحب نے سنی سنٹر حیدرآباد میں اپنی گراں قدر خدمات کے دوران تصنیف فرمائی۔

فہرست شمولات

کتاب کیوں لکھی گئی؟؟؟

حضور نبی اکرم رحمت عالم ﷺ نے پہلے اس غیب کی خبر دی ہے کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور امت مسلمہ تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ہر فرقہ جہنمی ہوگا مگر ایک جنتی ہوگا۔ صحابۂ کرام نے پوچھا: وہ جنتی فرقہ کون ہوگا یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: وہ فرقہ وہی ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے اسی جماعت کو سواد اعظم فرمایا ہے اور اسی کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص سواد اعظم سے الگ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں تین قسم کے لوگ تھے۔ مومنِ مخلص، کھلے کافر و مشرک اور منافق۔ مومنِ مخلص رب تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے اور کافر و مشرک اور منافقین قرآن وحدیث کے مطابق ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ نبی پاک ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کرنے والے مومن بندے صحابی کہلائے، قرآن وحدیث میں ان کے بہت فضائل ذکر ہوئے ہیں۔ کوئی غیر صحابی ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ میرے صحابہ سب عادل ہیں ــ وہ آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں، تم ان کی پیروی کروگے تو ہدایت پاؤگےـــ

صحابۂ کرام بلا واسطہ نورِ نبوت سے اکتساب فیض کرنے والے تھے اس لئے ان کے دلوں میں بدعقیدگی و گمراہی کی ظلمت نہیں رہی۔ لیکن جیسے جیسے نبوت کا زمانہ لوگوں سے دور ہوتا گیا، آنے والے لوگوں کے عقیدے اور اعمال میں بھی بدلاؤ آنے لگا ـــ چنانچہ جب حضرتِ مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو کلمہ گو مسلمانوں میں ایک گروہ پیدا ہوا جسے ''خوارج'' کا نام دیا گیا۔ اس گروہ نے حضرت علی، حضرت امیر معاویہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (جو حضرت علی اور امیر معاویہ کے معاملے کے تصفیہ کے لئے ''حکم'' بنانے سے راضی تھے) کو کافر و مشرک قرار دیا۔ اس وقت جنہوں نے خوارج کے خلاف صحابۂ کرام کا ساتھ دیا تھا وہ گروہ اہل حق میں سے تھے ـــ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر خوارج سے جنگ کی تھی، اس لئے انہیں ''محبان علی'' یا ''شیعان علی'' کہا جاتا تھا۔ بعد میں ان میں سے کچھ لوگوں نے حضرت علی کی محبت میں غلو کیا۔ بعض نے انہیں خلیفۂ اول مانا اور معاذ اللہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کا غاصب قرار دیا۔ بعض نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کیا۔ بعض نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کو گالیاں دینے کو نیکی تصور کیا۔ بعض نے محبت کے غلو میں حضرت علی کو اِلٰہ (معبود) تک کہہ دیا۔ اس گروہ کو ''رافضی'' کہا گیا۔ بعد میں اس کی کئی شاخیں ہوئیں اور انکے مختلف نام ہوئے۔ اُس وقت بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے راستے پر وہی گروہ تھا جو رافضیوں کے خلاف تھا اور خلفاءِ راشدینؓ کو ماننے والا تھا۔ پھر فرقۂ معتزلہ، مرجئہ، جبریہ، جہمیہ، باطنیہ وغیرہ مختلف نام سے مختلف فرقے وجود میں آئے۔ ہر نیا فرقہ سوادِ اعظم (اہل سنت و جماعت) سے عقائد میں اختلاف کر کے الگ فرقہ بنا ہے ـــ اہل سنت و جماعت کوئی نیا فرقہ یا نیا گروہ نہیں، بلکہ مسلمانوں میں جتنے مذہبی فرقے بنے ہیں، سب اہل سنت و جماعت سے علیحدہ ہو کر بنے ہیں۔ امام مسلم نے مقدمۂ صحیح مسلم میں حضرت محمد بن سیرین تابعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ جب صحابہ کا پاکیزہ دور تھا اور کوئی شخص حدیث رسول سناتا تھا تو ہم بغیر چھان بین کے اس سے حدیث سنتے تھے۔ لیکن جب باطل فرقے پیدا ہوئے تو حدیثِ رسول سننے میں ہم چھان بین کرنے لگے۔ اگر حدیث بیان کرنے والا اہل سنت میں سے ہوتا تھا تو ہم اس سے حدیث

سنتے تھے اور اگر گمراہ فرقے سے تعلق رکھتا تھا تو اس کی حدیث نہیں سنتے تھے۔

بعض فرقے اپنے نام کے ساتھ مٹ گئے اور بعض کے نام بدل گئے اور الگ الگ زمانے میں اس کا نام بدلتا رہا، اور بعض نئے فرقے وجود میں آئے ـــ اِس وقت بنام مسلمان چند فرقے موجود ہیں:

۱) وہابی:- یہ فرقہ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ کے عقائد ونظریات کو ماننے والا ہے۔ یہ فرقہ صرف اپنے آپ کو موحد کہتا ہے، باقی تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دیتا ہے۔ ہندوستان میں انگریزی دورِ حکومت میں اس فرقہ نے حکومت سے درخواست منظور کرواکر اپنا نام ''اہل حدیث'' رکھا ہےـــ

۲) دیوبندی:- یہ فرقہ بعض عقائد میں محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کا پیروکار ہے۔ لیکن وہابی (اہل حدیث) کی طرح ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک نہیں کہتا، بلکہ کسی ایک امام کی تقلید کرتا ہے۔ اکثر امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ یہ وہابیوں کی طرح اولیاء وانبیاء سے استمداد واستغاثہ کو شرک کہتا ہے اور صالحین کی قبروں کی زیارت، قیام میلاد النبی ﷺ وغیرہ کو بدعت کہتا ہے۔ یہ فرقہ اپنے آپ کو اہل سنت کہتا ہے۔ اس فرقے کے زیادہ تر علماء کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہوتا ہے، اس لئے اسے دیوبندی کہا جاتا ہےـــ اس فرقے کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی ہیں۔ اس فرقے کے بانیان نے اپنی کتابوں میں نبی پاک ﷺ کے علم کو چوپایوں اور پاگلوں کے علم کی طرح لکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے علم سے زیادہ علم شیطان کا لکھا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بھی اگر کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گاـــ اس فرقے کے عقائد کو جاننے کے لئے کتاب ''عقائد علماء دیوبند'' مصنف حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا مطالعہ کیجئے۔

۳) جماعت اسلامی:- اس فرقے کا بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی ہے۔ بانی فرقہ کے نقطۂ نظر سے اللہ کے نبی ﷺ کی حیثیت محض ایک اعلیٰ حاکم ومثالی فرماں رواں کی تھی، اور اسلام ایک نظام حکومت تھا جو نبی ﷺ نے نافذ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نبی کو بھی خطا بلکہ گناہ کا مرتکب مانتے ہیں اور

صحابہ کرام کو ہدایت کے لئے آئیڈیل نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک چونکہ اسلام ایک نظام حکومت ہے اس لئے بس پوری دنیا میں اسی نظام کو نافذ کرنے کے لئے مسلمانوں کو اپنی طاقت کا استعمال کرنا چاہئے۔ ''جماعت اسلامی'' کے بانی خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کو چونکہ حکام کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اس لئے وہ ان کی شان میں بھی تنقید کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اس جماعت کو'' مودودی'' بھی کہا جاتا ہے۔۔۔

۴) اہل قرآن (چکڑالوی):۔ اس فرقے کا بانی عبداللہ چکڑالوی ہے۔ اس فرقے کا کہنا ہے کہ اسلام میں قرآن کے علاوہ کسی کتاب کا اعتبار نہیں۔ یہ فرقہ کتب احادیث کو غیر معتبر مانتا ہے اور اپنی عربی دانی کی بنیاد پر از خود جو کچھ قرآن کے معانی سمجھتا ہے، بس اسے ہی اسلام سمجھتا ہے۔ اس فرقے کے مطابق قرآن میں نام لے کر ۵ وقت کی نماز کا ذکر نہیں، اس لئے پانچ وقت کی نماز فرض نہیں۔ یہ فرقہ اس طرح کے اور بھی غیر اسلامی نظریات رکھتا ہے۔۔۔

۵) قادیانی:۔ اس فرقے کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ یہ فرقہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا ہے اور اسلام کا بنیادی عقیدہ ''عقیدۂ ختم رسالت'' (سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی کسی بھی معنی میں نہیں آسکتا) کا انکار کرتا ہے۔ اس فرقے کو مرزائی بھی کہتے ہیں۔ یہ فرقہ نہیں بلکہ درحقیقت نیا مذہب ہے اور بالاجماع خارج از اسلام ہے۔۔۔

ان کے علاوہ روافض، شیعہ، مہدویہ، بوہرہ وغیرہ بنام اسلام کئی فرقے موجود ہیں اور ہر ایک اپنے آپ کو اہل حق کہتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق اہل حق وہی گروہ ہے جو نبی پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ کے عقائد پر ہیں۔۔ وہ ہے سواد اعظم (اہل سنت و جماعت)۔

عقائدِ اہل سنت و جماعت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔ اس لئے اس کے کسی عقیدے کو باطل نہیں کہا جاسکتا۔ ماضی میں عقائد اہل سنت و جماعت پر علماء نے کتابیں لکھی ہیں اور مستقبل میں بھی کتابیں ان شاء اللہ تعالیٰ لکھی جائیں گی اور ان سے عقائد کی اصلاح ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی۔۔۔

لیکن جو کتاب آپ کے مطالعہ کی میز پر ہے، اس کو لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ

عموماً عقائدِ اہل سنت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں عقائد کے ساتھ معمولاتِ اہل سنت کو بھی شامل کر دیا گیا ہے اور بعض کتابوں میں نقلی دلائل کے مقابلے میں عقلی دلائل زیادہ ہیں۔ کتابوں کے حوالے اجمالی ہیں اور بعض کتابوں میں ہر عقیدے سے متعلق اہل سنت کے موقف کو پورے طور پر واضح نہیں کیا گیا ہے۔۔۔ زیرِ نظر کتاب میں چند ضروری باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہر عقیدہ سے متعلق اہل سنت کے موقف کی وضاحت ہے۔ عقلی دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے قرآنی آیات واحادیث واقوالِ سَلَف کو زیادہ سے زیادہ پیش کیا گیا ہے۔ توحید وشرک وبدعت سے متعلق عقیدے کی پوری وضاحت کے ساتھ اس سے متعلقہ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ کتابوں کے حوالے تفصیلی ہیں۔ قرآنی آیات کو سورہ کے نام اور آیات کے نمبروں کی وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ احادیث کے اسماء کتب کے ساتھ ساتھ باب اور حدیث نمبر کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اسلوب اور انداز بیان کو سہل اور سادہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز الزامی جوابات سے احتراز کیا گیا ہے۔۔۔

الغرض بنیادی عقائد اور ان کے متعلقات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سے ذہنوں میں عقائد اہل سنت سے متعلق پڑے ہوئے گرد وغبار چھٹ جائیں گے، ذہنی تزلزل دور ہوگا اور کتاب ہٰذا مخالفین اہل سنت کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنے گی۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ وَمِنْہُ التَّوْفِیْقُ!

مولانا قمر احمد اشرفی

بانی و ڈائرکٹر

سنی سنٹر حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَكْمَلِ الرُّسُلِ سَيِّدِنَا وَشَفِيْعِنَا وَحَبِيْبِنَا سَيِّدِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ وَجَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔

وَلَهُ الْحَمْدُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَنْ فَتَحَ لِأَوْلِيَائِهٖ طُرُقَ الْهُدٰى وَأَجْرٰى عَلٰى أَيْدِيْهِمُ الْخَيْرَاتِ وَنَجَّاهُمْ مِنَ الرَّدٰى فَمَنِ اقْتَدٰى بِهِمُ انْتَصَرَ وَاهْتَدٰى وَمَنْ عَرَجَ عَنْ طَرِيْقَتِهِمُ انْتَكَسَ وَتَرَدّٰى وَنَفَعَنَا اللّٰهُ بِعُلُوْمِهِمْ وَبَرَكَاتِهِمْ أَجْمَعِيْنَ آمِيْن۔

اَللّٰهُمَّ بِحَمْدِكَ لِنَفْسِكَ نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ وَبِشَأْنِكَ لِذَاتِكَ نُثْنِيْ عَلَيْكَ وَلَا نُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ وَنُصَلِّيْ عَلٰى نَبِيِّكَ الْمُؤَيَّدِ مِنْ عِنْدِكَ لِتَبْلِيْغِ سَرَائِرِ حِكَمِكَ وَأَحْكَامِكَ إِلٰى خُلَّصِ عِبَادِكَ وَنَتَضَرَّعُ إِلَيْكَ أَنْ لَا تُزِيْغَ قُلُوْبَنَا بَعْدَ أَنْ هَدَيْتَ إِذْ بِيَدِكَ أَزِمَّةُ الْأُمُوْرِ وَبِمَشِيْئَتِكَ يَجْرِيْ مَا فِي الصُّدُوْرِ۔ أَمَّا بَعْدُ:

توحید کا بیان

توحید کا معنی

لغوی اعتبار سے توحید کا معنی ہے ''ایک بنانا''۔ لیکن شرعی اعتبار سے توحید کا معنی ہے اللہ کو واحد حقیقی ماننا۔ یعنی یہ یقین دل میں جمالینا کہ اللہ اپنی ذات واسماء وصفات وافعال میں یکتا، بے مثل ہے۔ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی جز ہو یا وہ کسی کا جز ہو یا اس کا کوئی ہمسر یا مقابل ہو۔

﴿۱﴾ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

وَاللّٰهُ تَعَالٰى وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيْقِ الْعَدَدِ وَلٰكِنْ مِنْ طَرِيْقِ اَنَّهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ. لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنَ الْاَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ وَلَا يُشْبِهُهُ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهٖ، لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِاَسْمَاءِهٖ وَصِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ. اَمَّا الذَّاتِيَّةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْاِرَادَةُ، وَاَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيْقُ وَالتَّرْزِيْقُ وَالْاِنْشَاءُ وَالْاِبْدَاعُ وَالصُّنْعُ وَغَيْرُ ذَالِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ لَمْ يُحْدِثْ لَهُ اِسْمٌ وَلَا صِفَةٌ لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِعِلْمِهٖ وَالْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ قَادِرًا بِقُدْرَتِهٖ وَالْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ وَمُتَكَلِّمًا بِكَلَامِهٖ وَالْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ وَخَالِقًا بِتَخْلِيْقِهٖ وَالتَّخْلِيْقُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ وَفَاعِلًا بِفِعْلِهٖ، وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ وَالْمَفْعُوْلُ مَخْلُوْقٌ، وَفِعْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَصِفَاتُهُ فِي الْاَزَلِ غَيْرُ مُحْدَثَةٍ وَلَا مَخْلُوْقَةٍ، فَمَنْ قَالَ: اِنَّهَا مَخْلُوْقَةٌ اَوْ مُحْدَثَةٌ، اَوْ وَقَفَ، اَوْ شَكَّ فِيْهِمَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللّٰهِ تَعَالٰى.

(الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری، ص: ۳۰ تا ۳۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایک ہے، لیکن عددی اعتبار سے نہیں، بلکہ اس کے ایک ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، کیوں کہ اللہ نے فرمایا: اے نبی آپ فرمایئے کہ اللہ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا اور اس کا کوئی شریک ، ہمسر، مدمقابل نہیں۔ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں اور کوئی مخلوق اس کی مشابہ نہیں ۔وہ ازل سے موجود ہے اپنے اسماء اور صفاتِ ذاتیہ وفعلیہ کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کی صفات ذاتیہ یہ ہیں: حیات، قدرت، علم، کلام، سننا، دیکھنا، ارادہ۔ اس کی صفات فعلیہ یہ ہیں: پیدا کرنا، رزق دینا، صورت بنانا وغیرہ، صفاتِ فعل ہیں۔ وہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ ازل سے ہے اور رہے گا۔ اس کا کوئی اسم حادث نہیں اور نہ کوئی صفت حادث ہے۔ وہ ازل سے علم والا ہے۔ علم، اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ اپنی قدرت کے ساتھ ازل سے ہے اور رہے گا۔ اپنے کلام کے ساتھ ازل سے متکلم ہے اور کلام اس کی صفت ازلی ہے۔ وہ خالق ہے اپنی تخلیق کے ساتھ اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ فاعل ہے اپنے فعل کے ساتھ اور فعل اس کی ازلی صفت ہے۔ فاعل اللہ ہے اور مفعول مخلوق۔ اللہ کا فعل غیر مخلوق ہے اور اس کی صفات ازلی ہیں، حادث ومخلوق نہیں۔ جو شخص کہے کہ اللہ کی صفات حادث ومخلوق ہیں یا ان کے غیر مخلوق ہونے میں توقف وتردد کرے یا شک کرے تو وہ کافر ہے۔

﴿۲﴾ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی متوفی ۳۲۱ھ نے توحید کا شرعی معنیٰ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

نقولُ فی توحیدِ اللّٰہ مُعتقدینَ بتوفیقِ اللّٰہِ: اِنَّ اللّٰہَ واحدٌ لَا شریکَ لہٗ ، ولا شیٌٔ مثلُہٗ ولا شَیٌٔ یُعْجِزُہٗ ولا الٰہ غیرُہٗ ، قدیمٌ بلا ابتداءٍ دائمٌ بلا انتہاءٍ. لَا یَفْنٰی وَلَا یَبِیْدُ، ولا یکونُ اِلَّا مایریدُہٗ، لَا تَبْلُغُہُ الأوہامُ وَلَا تُدرِکُہُ الأفہامُ. وَلَا یُشْبِہُہُ الأنامُ. حیٌّ لا یموتُ، قیومٌ لا ینامُ. خالقٌ بلا حاجۃٍ. رازقٌ بلامُؤْنَۃٍ، مُمِیتٌ بلا مَخافۃٍ، بَاعِثٌ بلا مَشَقَّۃٍ. مازال بصفاتہٖ قدیماً قبل خلقہٖ لم یَزْدَدْ بِکَوْنِہِمْ شیئاً لم یَکُنْ قبلَہُمْ من صفتہٖ. وکما کان بصفاتہٖ ازلیاً کذالک لا یَزَالُ علیہا أبدیاً، لیس بعد خلقِ الخلق استفادَ اِسمَ الخالقِ ولا بِاِحْدَاثِہِ البریَّۃَ اسْتَفَادَ اسمَ الباری، لہٗ معنی الربوبیۃِ ولا

مربوبَ، ومعنی الخالق ولا مخلوق، وکما انہٗ مُحیِ الموتیٰ بعد ما اَحیاا استحقَّ ھذا الاسمَ قبلَ اِحیائِھِمْ کذالک استحقَّ اسمَ الخالقِ قبلَ انشائِھِمْ. ذالک بأنہٗ علی کل شیٍٔ قدیرٌ وکلُّ شَیْءٍ اِلَیْہِ فَقِیْرٌ وَکُلُّ اَمْرٍ عَلَیْہِ یَسِیْرٌ لَایَحْتَاجُ اِلٰی شَیْءٍ، لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وھو السمیعُ البصیرُ. خلق الخلقَ بعلمہٖ وَقَدَّرَ لَھُمْ اَقْدَاراً وَضَرَبَ لَھُمْ اٰجَالًا، ولم یخفَ علیہِ شیءٌ قبلَ أن یخلُقَھم. وَعَلِمَ مَا ھُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَھُمْ. وَاَمَرَھُمْ بِطَاعَتِہٖ وَنَھَاھُمْ عَنْ مَعْصِیَتِہٖ، وکلُّ شیءٍ یَجْرِیْ بِتَقْدِیرِہٖ وَمَشِیْئَتِہٖ، وَمَشِیْئَتُہٗ تَنفُذُ، لَا مَشِیئَۃَ للعبادِ اِلَّا مَاشَاءَ لَھُمْ، فَمَا شَاءَ لَھُمْ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَالَمْ یَکُنْ. یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ وَیَعْصِمُ وَیُعَافِی فَضْلًا، وَیُضِلُّ من یشآءُ ویخذلُ وَیَبْتَلِی عدلاً. وکلھم یَتَقَلَّبُوْنَ فِی مَشِیْئَتِہٖ بَیْنَ فضلہٖ وَعدلہٖ. (ابوجعفر الطحاوی، العقیدہ الطحاویۃ: ص ۹۱ تا ۸۹ مع شرح علی بن العزّ الحنفی دارالغد الجدید القاھرۃ)

’’ہم اللہ رب العزت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے اُسی کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و یگانہ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شے اس کی مثل نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو کمزور اور عاجز نہیں کرسکتی۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ قدیم ہے، جس کے وجود کے لئے کوئی ابتداء نہیں، وہ بلا انتہا ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُس کی ذات کو فنا اور زوال نہیں۔ اُس کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اُس کی حقیقت فکرِ انسانی کی رسائی سے بلند ہے اور انسانی عقل وفہم اُس کے ادراک سے قاصر ہے۔ وہ مخلوق کے مشابہ نہیں۔ وہ زندہ ہے جسے موت نہیں۔ ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔ اسے نیند محال ہے۔ وہ بغیر کسی حاجت کے خالق ہے، وہ بغیر کسی محنت کے رازق ہے۔ بغیر کسی خوف وخطر کے وہ موت دینے والا ہے۔ وہ بغیر کسی مشقت کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنی صفاتِ کاملہ سے ہمیشہ سے متصف ہے۔ اُس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہیں کی جو اُسے پہلے سے حاصل نہ تھی۔ جس طرح ازل میں وہ صفاتِ اُلوہیت سے متصف تھا اُسی طرح ابد تک بنا کسی کمی وبیشی کے اِن سے متصف رہے گا۔ اُس نے اپنے لئے خالق اور باری کا نام مخلوقات اور کائنات کی پیدائش کے بعد حاصل نہیں

کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ربوبیت کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی جب کوئی مربوب یعنی پرورش پانے والا نہ تھا اور اُسے خالق کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی جب کسی مخلوق کا وجود ہی نہ تھا۔ جس طرح وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا، انہیں زندہ کرنے کے بعد ہے، وہ انہیں زندہ کرنے سے پہلے بھی اِس نام کا مستحق تھا اُسی طرح مخلوق کی ایجاد سے پہلے بھی وہ خالق کے نام کا مستحق تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ہر چیز اُس کی محتاج ہے۔ ہر امر کا کرنا اس پر آسان ہے اور وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس نے مخلوق کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے۔ اُس نے مخلوق کے لئے ہر ضروری چیز کا اندازہ اور مقدار پہلے سے مقرر اور متعین کر دی ہے اور اُس نے اُن کی موت کے اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اُس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں تھی۔ اُسے ان کی تخلیق سے قبل ہی علم تھا کہ یہ لوگ (پیدا ہونے کے بعد) کیا کریں گے۔ اُس نے انہیں اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی و سرکشی سے منع کیا۔ ہر چیز اُس کی مشیت اور تقدیر کے مطابق چلتی ہے اور اسی کی مشیت و ارادہ نافذ ہوتا ہے۔ بندوں کی (اپنی) کوئی مشیت و ارادہ نہیں ہوتا مگر جو وہ ان کے لئے چاہے، پس جو وہ ان کے لئے چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے نہیں ہوتا۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت کی توفیق دیتا ہے، نافرمانی سے بچاتا ہے اور معاف کرتا ہے اور وہ جسے چاہے اپنے عدل کی بناء پر گمراہ کرتا ہے، رسوا ٹھہراتا ہے اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ تمام لوگ اُس کی مشیت کے اندر، اُس کے فضل اور عدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی اُس کا مدِ مقابل ہے اور نہ کوئی شریک۔ اُس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ اُس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں اور کوئی اس کے امر پر غالب آنے والا نہیں۔ ہم اِن تمام باتوں پر ایمان لا چکے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُس کی طرف سے ہے۔

﴿۳﴾ امام ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) توحید کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المتفرد بالتوحید، المتمَجِّد بالتَّمجِیدِ الذی لا تَبلُغُه صفاتُ العَبیدِ، ولیس له مثلٌ

ولا نديدٌ، وهو المبدئُ المُعيدُ، الفعّالُ لما يُريدُ، جلّ عن اتِّخاذِ الصَّاحِبةِ والأبناءِ، وتقدّسَ عن مُلامسةِ النساءِ، فليستْ له عثرةٌ تُقالُ، ولا حدٌّ يُضرَبُ له فيه المثالُ، لم يَزَلْ بصفاته أولاً قديراً، ولا يَزَال عالماً خبيراً، سبق الأشياءَ عِلمُهُ، ونفذتْ فيها ارادتهُ، ولم تعزُبْ عنهُ خفيّاتُ الأمورِ، ولم تُغيّرهُ سوالفُ صروفِ الدهورِ، ولم يلحقْهُ في خلقِ شيءٍ مما خلقَ كلالٌ ولا تعبٌ، ولا مسّهُ لُغوبٌ ولا نَصَبٌ، خلَقَ الأشياءَ بقدرته، ودبّرها بمشيئتهِ، وقهرها بجبروتهِ، وذلّلها بعزتهِ، فذلّ لعظمتهِ المتكبرون، واستكانَ لعزّ ربوبيته المتعظِّمونَ، وانقطع دون الرسوخِ في علمه المُمْترون، وذلّت له الرقابُ، وحارَتْ في ملكوتِهِ فِطَنُ ذَوِي الألبابِ، وقامتْ بكلمته السمواتُ السَّبْعُ، واستقرّتِ الأرضُ المِهادُ، وثبتتِ الجبالُ الرواسِي، وجرتِ الرياحُ اللواقحُ، وَسَارَفي جوّالسّماءِ السحابُ، وقامت على حدودهاالبحارُ، وهوالله الواحدُ القهّار يخضعُ له المتعزّزون، و يخشع له المترفّعون، ويدين طوعاً و كرهًا له العَالَمُوْنَ. (ابوالحسن الاشعری، الابانۃ عن اصول الدّیَانَۃ: ۷)

''اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ذات ہے جو توحید کے اعتبار سے یکتا ہے، وہ بے حساب تعریف کے قابل ہے۔ اس ذات تک بندوں کی صفات کی رسائی نہیں ہوسکتی، اس کا کوئی مثل اور نظیر نہیں، وہی ہر چیز کو پہلے پیدا کرنے والا پھر اس کو اصل حالت پر لوٹانے والا ہے، وہ جو ارادہ فرمائے اسے کردینے والا ہے، وہ بیوی اور بیٹے رکھنے سے بلند وبرتر ہے، وہ عورتوں کے میل ملاپ سے پاک ہے۔ اس کی کوئی لغزش نہیں جسے ختم کیا جائے (یعنی اس کے تمام افعال لغزشوں سے پاک ہیں) اور نہ ہی اس کی کوئی حد ہے جس کی مثال دی جاسکے، وہ اپنی صفات کے ساتھ اوّل سے ہی قادر ہے، وہ ہمیشہ سے عالم اور خبیر ہے، اس کا علم کل اشیاء سے پہلے ہے اور اس کا ارادہ اُن میں نافذ ہے۔ پوشیدہ امور میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں، گردشِ زمانہ نے ان میں کچھ تغیر نہیں کیا، کسی چیز کو پیدا کرنے میں اسے مشقت اور تھکان نہیں ہوئی، نہ ہی اسے کوئی کمزوری اور تکلیف پہنچی، اس نے تمام اشیاء کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی مشیت سے ان کی تدبیر کی، اپنی طاقت سے ان پر غالب رہا۔ اپنی قوت سے ان کو تابع کیا، پس متکبرین

اس کی عظمت کے سامنے جھک گئے، اس کی ربوبیت کی عزت کے سامنے بڑے بڑے عاجز ہوئے، اس کے علمِ راسخ کے آگے شک کرنے والے ختم ہوگئے، اس کے لئے گردنیں خم ہوگئیں، عقلمندوں کی عقل ودانش اس کی بادشاہی میں متحیر ہوگئیں، اس کے کلمہ (کُن) سے ساتوں آسمان قائم ہوئے، فرشِ زمین نے قرار پایا، بلند وبالا پہاڑ وجود میں آئے، آندھیاں چلیں، آسمانی فضا میں بادل چلنے لگے، سمندر اپنی حدود میں قائم ہوئے، وہی اللہ واحد ویکتا ہے، زبردست ہے، جس کے سامنے طاقتور جھکتے اور بلند رتبہ رکھنے والے انکساری کرتے ہیں اور عالم چاروناچار اس کی اطاعت اختیار کرتے ہیں"۔

﴿۴﴾ امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) عقیدۂ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انه فی ذاته واحدٌ لا شریکَ لهٗ، فردٌ لا مَثِیلَ له، صمدٌ لا ضدَّ له، منفردٌ لا ندَّله، وانه واحدٌ قدیمٌ لا اولَ لهٗ، أزلیٌّ لا بدایَةَ له، مُسْتَمِرُّ الوجُودِلا آخرَ له، أبدَیٌّ لا نهایَةَ له، قَیُّومٌ لا انْقِطاعَ له، دائمٌ لا انْصَرَامَ له، لم یزلْ موصوفاً بنعوتِ الجلالِ، لا یُقْضَی علیهِ بالانقضاءِ والانفصالِ، بتَصَرُّمِ الآبادِ وانقِرَاضِ الآجالِ، بل هوالأوّلُ والآخِرُ، والظاهرُ والباطنُ، وهو بکل شیءٍ عَلِیْمٌ.

﴿۱﴾ التنزیه: وانه لیس بجسمٍ مُصوَّرٍ، ولا جوهرٍ محدودٍ مقدرٍ، وانه لا یُماثل الأجسامَ، لا فی التقدیرِ ولا قبولِ الانقسامِ، وانه لیس بجوهر ولا تحلُّه الجواهرُ، ولا بِعَرَضٍ ولا تَحلُّهُ الأعراضُ، بل لایُمَاثِلُ مَوْجُوْدًاوَلَایُمَاثِلُهٗ مَوْجُوْدٌ لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ وَلَا هُوَمِثْلُ شیءٍ، وانّه لا یحدُّهُ المقدارُ، ولا تَحْویه الأقطارُ، ولا تُحِیْطُ به الجِهاتُ، ولا تکتنفُه الأرضُوْنَ ولا السمواتُ، وانّه مُستَوی علی العرش علی الوجه الذی قالَه، وبالمعنی الذی أرادهُ، استواءً منزّهاًعن المُمَاسَّةِ والاستقرارِوالتَّمَکُّنِ والحُلُوْلِ والانتِقال، لا یَحملُه العرشُ، بل العرشُ وحَمَلَتُهٗ محمولونَ بلطفِ قدرتهِ، ومقهورون فی قبضته، وهو فوق العرش والسَّماءِ، وفوق کل شیءٍ اِلی تُخُومِ الثَّرَی، فوقیةً لا تزیدهٗ قُرْباً الی العرش والسماءِ، کما لا تزیدُهُ بُعداً عن الأرضِ والثری، بل هو رَفیعُ الدرجاتِ عن العرشِ والسماءِ، کما أنه رفیعُ الدرجاتِ عن الأرضِ والثَّرَی وهو مع ذلک قریبٌ من کلِّ موجودٍ، وهواقربُ الی

العبدِ من حَبْلِ الْوَرِيْدِ، وهو على كل شيء شهيدٌ، اِذلا يُماثِل قُرْبُه قُربَ الأجْسَامِ، كما لا تُماثِل ذَاتُهُ ذَوَاتِ الاجْسامِ، وانه لايحلُّ فى شيءٍ ولا يحلُّ فيه شيءٌ، تعالى عن اَنْ يُحوِيَهُ مكانٌ، كما تَقَدَّسَ عن أن يحدهُ زمانٌ، بل كانَ قبلَ ان خلقَ الزمانَ والمكانَ، وهو الآن على ما عَلَيه كانَ، وانه بائنٌ عن خلقهِ بصفاتِهِ، ليس فى ذاتِه سواهُ، ولا فى سواهُ ذاتُهُ، وانه مقدسٌ عن التّغييرِ والانتقالِ، لا تحله الحوادثُ، ولا تعتريهِ العوارضُ، بل لا يزالُ فى نعوت جلالِهِ منزهاً عن الزوالِ، وفى صفات كماله مُسْتَغْنِياً عن زيادةِ الاستكمالِ، وانه فى ذاته معلومُ الوجودِ بالعقولِ، مرئيُ الذَّاتِ بالأبصارِ، نعمةً منه ولطفاً بالأبرارِ فى دارِ القرارِ. واتماما منه للنَّعِيمِ بالنظرِالى وجْهِه الكريم. (غزالی، قواعد العقائد: ۵۰، ۵۲)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے اُس جیسا کوئی نہیں، بے نیاز ہے اس کا کوئی مقابل نہیں، منفرد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ایسا واحد اور قدیم ہے جس کا اوّل کوئی نہیں، وہ ازل سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کا کوئی آخر نہیں، وہ ابدی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہے جس کا کوئی خاتمہ نہیں، وہ جلالت کی صفت سے ہمیشہ سے متصف ہے، مدتوں کے خاتمہ اور زمانوں کے گزرنے کے باعث اس پر فنا کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، بلکہ وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

''بیشک وہ کوئی جسم نہیں جس کی تصویر کشی کی جائے (وہ جسم سے پاک ہے)، نہ ہی وہ جوہر ہے، جس کی حد و مقدار ہو۔ وہ اجسام سے مماثلت نہیں رکھتا، نہ ہی مقدار میں اور نہ ہی قبول تقسیم میں، وہ جوہر نہیں ہے اور نہ جواہر اس میں حلول کر سکتے ہیں۔ اور وہ عرض نہیں ہے نہ ہی اعراض اس میں حلول کر سکتے ہیں (وہ جوہر و عرض ہونے سے پاک ہے)، بلکہ وہ کسی موجود کے مماثل نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کے مثل ہے، مقدار اس کی حد بندی نہیں کر سکتی، اطراف اسے سمیٹ نہیں سکتے، (وہ مکان و جہت سے پاک ہے)، وہ اسی طرح اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا اس نے فرمایا، اس معنی کے ساتھ جس کا اس نے ارادہ کیا، اس کا یہ استواء فرمانا چھونے

سے، قرار پکڑنے، تمکن (جمنے) وحلول (Mixing) اور انتقال (Mobility) سے منزہ ہے، عرش اس کو نہیں اٹھاتا، بلکہ عرش اور اس کو اٹھانے والے (فرشتے) اس کی قدرت کی عنایت کے سبب اٹھے ہوئے ہیں (یعنی عرش اس کا مکان نہیں) اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ عرش اور آسمان سے بلند ہے اور تحت الثریٰ تک ہر چیز پر بلند اور برتر ہے، یہ بلندی اس کے عرش اور آسمان تک کے قرب میں کچھ اضافہ نہیں کرتی جس طرح وہ زمین و پاتال تک سے اُسے دور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ عرش و آسمان سے بلند مرتبہ ہے، جس طرح کہ وہ زمین اور پاتال سے بلند مرتبہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر موجود سے قریب ہے، وہ بندے کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، کیونکہ اس کا قرب اجسام کے قرب جیسا نہیں جس طرح کہ اس کی ذات اجسام کی ذاتوں جیسی نہیں، بے شک وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے۔ وہ اس سے بلند ہے کہ مکان اسے گھیر سکے، جس طرح وہ اس سے پاک ہے کہ زمانہ اس کا احاطہ کر سکے، بلکہ وہ زمان و مکان کی تخلیق سے پہلے تھا، وہ اب بھی اپنی اسی ازلی صفت پر قائم ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنی مخلوق سے اپنی صفات کے اعتبار سے جدا ہے، اس کی ذات میں اس کے علاوہ کوئی نہیں اور نہ اس کے غیر میں اس کی ذات ہے۔ نہ وہ کسی چیز کا محل ہے اور نہ اس کا کوئی محل، وہ تغیر و انتقال (Mobility) سے پاک ہے، حوادث (Vicissitudes of Life) اس میں داخل اور عوارض (Disease) اس کو لاحق نہیں ہو سکتے، بلکہ وہ اپنی صفاتِ جلال میں ہمیشہ سے فنا و زوال سے پاک ہے اور اپنی کمال کی صفات میں وہ قبول اضافہ سے مستغنی ہے، عقل و دانش کے ذریعہ اس کی ذات کا وجود معلوم ہے، آنکھوں سے دکھائی دینے والی ذات ہے، دارِ آخرت میں۔ یہ دیدار اس کی طرف سے نعمت اور نیکوکاروں کے لئے انعام ہوگا اور اس کی طرف سے اس نعمت کا اتمام و کمال اس کی بزرگ ذات کی زیارت پر ہوگا۔"

﴿۲﴾ الحیاۃ و القدرۃ: وانہ تعالیٰ حیٌّ قادرٌ، جبارٌ قاھرٌ لا یعتریہِ قصورٌ ولا عجزٌ، وَلَا تَاْخُذُہُ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ، ولا یعارضہُ فناءٌ ولا موتٌ، وانہ ذو الملکِ والملکوتِ

والعزةِ والجبروتِ، له السلطانُ والقهرُ والخلقُ والامرُ، والسموات مطويات بيمينه والخلائق مقهورونَ في قبضتهِ، وأنه المنفردُ بالخلقِ والاختراع المتوحدُ بالايجاد والإبداع،خلق الخلقَ واعمالَهُمْ وقدر أرزاقَهُمْ ولا تتَنَاهى معلوماتهُ.

(قواعد العقائد: ۵۰، ۵۴)

ترجمہ: ''اللہ کی صفات میں سے حیات اور قدرت ہیں۔ وہ حیات والا قدرت والا ہے۔ وہ غلبہ والا ہے۔ اسے کوتاہی اور عاجزی عارض نہیں ہوسکتی۔ اسے اونگھ اور نیند لاحق نہیں ہوسکتی۔ وہ فنا اور موت سے پاک ہے۔ وہ مُلک وملکوت (زمین وآسمان کی بادشاہت) کا مالک، عزت اور غلبہ والا ہے۔ غلبہ، قہر، خلق اور حکم اسی کے لئے ہے۔ تمام آسمان اس کے دست اختیار میں ہیں۔ تمام مخلوق اس کے قبضہ میں ہیں۔ وہ عالم کی تخلیق وایجاد میں یکتا وتنہا ہے۔ اس نے مخلوق اور اس کے اعمال کو پیدا کیا اور ان کے رزق اور عمر کو مقدر فرمایا۔ اس کے قبضہ قدرت سے کوئی مقدور باہر نہیں۔ امور کے تصرفات اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اس کی معلومات کا شمار ممکن نہیں۔''

﴿۳﴾العلم: وانه عالم بجميع المعلوماتِ محيطٌ علمهُ بما يجريُ في تخومِ الأرضينَ الى اعلى السمواتِ، لا يعزبُ عن علمهِ مثقالُ ذرة، في الارضِ ولا في السماءِ، بل يعلمُ دبيبَ النَّملةِ السوداءِ على الصخرةِ الصمّاءِ في الليةِ الظلماءِ ويدرك حركةَ الذرّ في جوّ الهواءِ، ويعلم السرَّ واخفىٰ ويطلعُ على هَوَاجِسِ الضَّمائرِ وحركاتِ السراءِ وَالْخواطرِ وخفياتِ السرائر بعلمٍ قديم أزلي لم يزل موصوفاً به في أزل الآزالِ، لابعلمٍ متجددٍ حاصلٍ في ذاتهِ بالحلولِ والانتقالِ. (ایضا)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمام معلومات کو جانتا ہے۔ زمین کی تہہ سے آسمان کی بلندی تک میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ کا علم اسے محیط ہے، آسمان وزمین میں ذرہ برابر کوئی شئی اس کے علم سے باہر نہیں، بلکہ تاریک رات میں ٹھوس پتھر پر سیاہ چیونٹی کی چال کو بھی جانتا ہے اور فضا میں تیرتے ہوئے ذرات کی حرکت کو بھی جانتا ہے۔ پوشیدہ سے پوشیدہ امر کو جانتا ہے اور دلوں کی دھڑکنوں اور ان کے خطرات کا علم رکھتا ہے اور دلوں کے بھید کو جانتا ہے، ایسے علم سے جو

قدیم، ازلی ہے (ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا)۔ وہ ازل سے علم سے متصف ہے۔ ایسے علم سے متصف نہیں جو اس کی ذات کو حاصل ہو تجدد (Novelty) یا حلول یا انتقال کے طور پر "۔

﴿۴﴾ الارادة: وأنه تعالیٰ مرید لِلْکائناتِ مدبرٌ للحادثاتِ فلا یجری فی الملکِ والملکوتِ قلیلٌ او کثیرٌ، صغیرٌ او کبیرٌ، خیرٌ او شرٌ، نفعٌ اوضرٌ، ایمانٌ او کفرٌ، عرفانٌ او نکرٌ، فوزٌ اوخسرانٌ، زیادةٌ او نقصانٌ، طاعةٌ او عصیانٌ الابقضائهِ وقدرهِ وحکمتهِ ومشیئتهِ، فما شاءَ کانَ ومالم یشالم یکن، لا یخرجُ عن مشیئتهِ لفتة ناظرٍ ولا فلتةُ خاطرٍ، بل هو المبدیُٔ المعیدُ الفعالُ لما یریدُ، لارادّ لحکمهِ ولا معقِّبَ لقضائهِ، ولا مهربَ لعبدٍ من معصیتهِ الا بتوفیقهِ ورحمتهِ، ولا قوّة له علی طاعته الا بمشیتهِ وارادتهِ، فلو اجتمع الانس والجن والملائکة والشیاطینُ علی ان یحرکوا فی العالم ذرةً او یُسکِنوها دون ارادته ومشیئته لعجزوا عن ذالک وان ارادته قائمة بذاته فی جملة صفاتهِ، لم یزل کذالک موصوفاً بها مریداً فی ازله لوجود الاشیاءِ فی أوقاتها التی قدرها فوجدت فی أوقاتها کما فی ازله من غیر تقدم ولا تاخرٍ، بل وقعت علی وفقِ علمهِ وإرادتهِ من غیرِ تبدُّلٍ ولا تغیُّرٍ، دبّرَالأمورَ لا بترتیب أفکارٍ ولا تربُّصِ زمانٍ فلذالکَ لم یشغَلُهُ شانٌ عن شانٍ.

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کائنات کا ارادہ فرمانے والا، موجودات کی تدبیر فرمانے والا ہے۔ اس کے ملک وملکوت (زمین وآسمان کی بادشاہت) میں تھوڑا، زیادہ، چھوٹا، بڑا، خیر وشر، نفع ونقصان، ایمان وکفر، عرفان وعدم عرفان، کامیابی وناکامی، زیادتی وکمی، فرماں برداری ونافرمانی، جو کچھ بھی ہوتا ہے اسی کی قضا وقدر وحکمت ومشیت سے ہوتا ہے۔ اس نے جو چاہا ہوا، جو نہیں چاہا نہ ہوا۔ کسی دیکھنے والے کی اُچٹتی نظر اور دل کا بے دھڑک خیال اس کی مشیت کے بغیر نہیں۔ وہی ابتداءً پیدا کرنے والا پھر دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔ جو ارادہ کرتا ہے وہ فعل ضرور ہوتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا اور اس کے فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ کوئی بندہ اس کی نافرمانی سے نہیں بچ سکتا، مگر اس کی توفیق اور رحمت سے۔ کسی میں اس کی اطاعت کی

قوت نہیں مگر اس کی مشیت اور ارادے سے۔ اگر سارے انسان، جن، ملائکہ، شیاطین مل کر عالم کے کسی ذرے کو حرکت دینا یا روکنا چاہیں بغیر اس کے ارادے اور مشیت کے، تو سب کے سب عاجز آ جائیں۔ اس کی تمام صفات کی طرح اس کا ارادہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ وہ ازل سے ارادے سے متصف ہے۔ چیزوں کے موجود ہونے کے لئے جو اوقات اس نے مقدر کئے ان اوقات میں وہ موجود ہوئیں، اسی طرح جس طرح ازل میں اس نے ارادہ کیا تھا۔ اس سے ذرا بھی آگے پیچھے نہیں ہوا۔ بلکہ تمام اشیاء اس کے علم و ارادے کے مطابق وجود میں آئیں، بغیر کسی تبدیلی اور تغیر کے۔ اس نے امور کی تدبیر فرمائی بغیر ترتیبِ افکار کے اور بغیر زمانے کے انتظار کے۔ اسی وجہ سے اس کا کوئی فعل اس کے کسی فعل سے اُسے غافل نہیں کرتا۔"

﴿۵﴾ السمعُ والبصرُ: وانہ تعالیٰ سمیعٌ بصیرٌ یسمعُ ویریٰ، لا یعزُبُ عن سمعہِ مسموعٌ وان خفیَ، ولا یغیبُ عن بصرہِ مرئیٌّ وان دقَّ، ولا یحجبُ سمعَہُ بُعْدٌ، ولا یدفعُ رؤیتہُ ظلامٌ، یریٰ من غیرِ حدقۃٍ وَجَفْنَۃٍ، ویسمع من غیر اَصْمِخَۃٍ وآذانٍ، کما یعلم بغیر قلبٍ، ویبطش بغیر جارحۃٍ، ویخلق بغیر آلۃٍ اِذ لا تُشْبَہُ صفاتہُ صفاتِ الخلقِ، کما لا تشبہُ ذاتُہُ ذواتِ الخلقِ. (ایضا)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ سنتا، دیکھتا ہے۔ اس کی صفتِ سمع (سننے) سے کوئی سنی جانے والی چیز باہر نہیں، اگرچہ وہ پوشیدہ ہو۔ اس کے دیکھنے سے کوئی دیکھی جانے والی چیز باہر نہیں، اگرچہ کتنی ہی باریک ہو۔ دوری اس کے سننے کی صفت کے لئے آڑ نہیں بن سکتی۔ اس کے دیکھنے کی صفت کے لئے تاریکی حجاب نہیں بن سکتی۔ وہ دیکھتا ہے بغیر آنکھ کی پتلی اور پپوٹے کے (اس کا دیکھنا بے مثال ہے) وہ سنتا ہے بغیر کان اور اس کے سوراخ کے (اس کا سننا مخلوق کے سننے کی مثل نہیں) ایسے ہی وہ بغیر قلب کے جانتا ہے اور بغیر ہاتھ کے پکڑتا ہے۔ بغیر آلہ کے پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں۔ جیسے اس کی ذات مخلوق کی ذات کی طرح نہیں۔"

﴿۵﴾ الکلام: وانہ تعالیٰ متکلمٌ آمرٌ ناہٍ واعدٌ متوعدٌ بکلامٍ ازلیٍ قدیمٍ قائمٍ بذاتہِ لا یشبہُ کلامَ الخلقِ، فلیس بصوتٍ یحدثُ مِن انسلالِ ہواءٍ او اصطکاکِ اجرامٍ،

ولا بحرفٍ ينقطعُ باطباقِ شفةٍ او تحريكِ لسانٍ، وان القرآنَ والتوراةَ والانجيلَ والزبورَ كُتُبُهُ المُنزّلةُ على رُسُلِهِ عليهم السلام، وان القرآن مقروءٌ بالْاَلْسِنَةِ مكتوبٌ فى المصاحفِ محفوظٌ فى القلوبِ، وانه مع ذالك قديمٌ قائمٌ بذات اللهِ تعالىٰ ،لا يَقْبَلُ الانفصالَ والافتراقَ بالانتقالِ الى القلوبِ والاوراقِ، وان موسىٰ عليه السلام سمعَ كلام اللهِ بغيرِ صوتٍ ولا حرفٍ، كمَا يرَى الابرارُ ذاتَ اللّٰهِ تعالىٰ فى الآخرةِ من غيرِ جوهرٍ ولا عرضٍ،واذا كانت له هٰذه الصفاتُ كان حيّاًعالماً قادراً مريداً سميعاً بصيراً متكلماً بالحياةِ والعلمِ والقدرةِ والارادةِ والسمعِ والبصرِ والكلامِ لا بمجردِ الذاتِ.(ایضا)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کلام فرمانے والا ہے۔حکم دینے والا،منع کرنے والا،وعدہ اور وعید والا ہے،ایسے کلام کے ساتھ جو ازلی قدیم ہے،اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔وہ مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں۔وہ آواز نہیں،جو منہ کے اندرونی حصوں کے باہمی ٹکراؤ سے ہوا کے نکلنے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔وہ حرف نہیں جو ہونٹوں کے باہم ملنے یا زبان کی حرکت سے نکلتا ہے۔ بے شک قرآن،تورات،انجیل،زبور اللہ کی کتابیں ہیں جو اس کے رسولوں پر نازل کی گئی ہیں۔ قرآن،زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔مصاحف میں لکھا ہوا ہے،دلوں میں محفوظ ہے،باوجود اس کے وہ قدیم ہے۔اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔دلوں اور اوراق میں منتقل ہونے کے سبب اللہ کی ذات سے وہ الگ اور جدا نہیں ہوا۔موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام بغیر آواز اور حروف کے سنا۔جیسا کہ نیکوں کو آخرت میں اللہ کی ذات کا دیدار ہوگا،نہ جوہر کے طور پر اور نہ عرض کے طور پر۔جب اللہ کی مذکورہ بالا صفات ہیں تو یقیناً وہ حیات والا،علم وقدرت والا ، سننے والا،دیکھنے والا،کلام والا ہے۔اپنی صفات علم،قدرت،ارادہ،سمع،بصر اور کلام کے ساتھ۔محض ذات نہیں۔''

﴿۶﴾الافعال:وانه سبحانه وتعالىٰ لا موجود سواه الا وهوحادثٌ بفعلهِ وفائضٌ من عدلهِ على احسنِ الوجوهِ واكملها واتمِّها واعدلِها،وانه حكيمٌ فى افعالهِ عادلٌ فى اَقْضِيَتهِ ولايقاس عدلُهُ بعدلِ العبادِ اذ العبدُ يُتصورُ منه الظلمُ بتصرفهِ فى مِلْكِ

غیرہِ ولا یُتَصوَّرُ الظلمُ من اللّٰہ تعالیٰ، فانہ لا یصادفُ لغیرہِ مِلْکاً حتی یکونَ تصرفہ فیہ ظلماً، فکل ماسواہُ من انسٍ وجنٍ وشیطانٍ وملکٍ وسماءٍ وارضٍ وحیوانٍ ونباتٍ وجوھرٍ وعرضٍ ومدرَکٍ ومحسوسٍ حادثٌ اخترعہُ بقدرتہِ بعد العدمِ اختراعاً، وانشاۂُ بعدَانْ لم یکن شیئاً ، اِذْ کان فی الازلِ موجوداً وحدہُ ولم یکن معہ غیرُہُ فاَحدَثَ الخَلْقَ بعدُ، اِظہاراً لقدرتہ وتحقیقاً لما سبقَ من اِرادتہِ وحقّ فی الازلِ کَلِمَتُہُ لا لافتقارہ الیہ وحاجتہِ ،وانہ تعالی متفضلٌ بالخلقِ والاختراعِ والتکلیفِ لا عن وجوبٍ، ومتطولٌ بالانعامِ والاصلاحِ لا عن لزومٍ،لہ الفضلُ والاحسانُ والنعمۃُ والامتنانُ، اذا کان قادراً علی ان یَصُبَّ علی عبادہِ انواعَ العذابِ ویبتلِیَھُمْ بضروبِ الآلامِ والأوصابِ، ولو فعلَ ذالک لکان منہ عدلاً ولم یکن قبیحاً ولا ظلماً، وانہ یثیبُ عبادہُ علی الطاعاتِ بحکمِ الکرمِ والوعدِ لا بحکمِ الاستحقاقِ واللزومِ اِذ لایجبُ علیہ فعلٌ ولا یتصورُ منہ ظلمٌ ولا یجبُ لأحد علیہ حقٌ، وان حقہ فی الطاعات وجب علی الخلقِ بایجابہِ علی لسانِ انبیائہِ لا بمجردِ العقلِ.(ایضاً)

ترجمہ: ''اللہ کے سواہر موجود اللہ کے فعل سے وجود میں آیا۔ اسی کے سب سے عمدہ اور کامل فیضانِ عدل سے حصہ پایا۔ وہ اپنے افعال میں حکمت والا اور اپنے فیصلوں میں عدل کرنے والا ہے۔ اس کے انصاف کو بندوں کے انصاف پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ بندے سے ظلم ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے بندہ دوسرے کے ملک میں تصرف کرے لیکن اللہ سے ظلم ممکن نہیں۔ کیوں کہ جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے تو اس میں اس کا تصرف کرنا ظلم نہیں۔

انسان، جن، شیطان، فرشتہ، آسمان، زمین، حیوان، پیڑپودے، جوہر، عرض، معقول، محسوس، سب کو اسی نے اپنی قدرت سے عدم سے وجود بخشا ہے اور ''کچھ نہیں'' سے ''کچھ ہے'' بنایا ہے۔ کیوں کہ ازل میں وہی موجود تھا اور دوسرا کچھ نہ تھا۔ اس نے اپنی قدرت کے اظہار اور اپنے ارادے کو نافذ کرنے کے لئے مخلوق کو پیدا کیا اور ازل ہی میں اس کا یہ ارادہ ثابت ہو چکا ہے۔ اس نے اس لئے مخلوق کو پیدا نہیں کیا کہ وہ اس کا محتاج ہے۔ مخلوق کو پیدا کرنا، انہیں احکام کا مکلف بنانا اس کے اوپر واجب نہیں، بلکہ اس نے اپنے فضل

واحسان سے ایسا کیا۔ اس پر فضل وانعام اور اصلاح واجب نہیں۔ فضل واحسان، نعمت وامتنان (نعمت پر احسان جتانا) اسی کے لئے ہے۔ وہ قادر ہے اس بات پر کہ اپنے بندوں کو قسم قسم کے عذاب، تکلیف و پریشانی میں مبتلا کرے۔ اگر ایسا کرے تو یہ اس کا عدل ہے، ظلم نہیں ، بُرا نہیں، مگر وہ اپنے کرم و وعدہ کے مطابق اپنے بندوں کو نیکیوں کا ثواب دیتا ہے۔ ایسا نہیں کہ بندوں کا یہ حق ہے جو اللہ پر لازم ہے۔ کیوں کہ اس پر کوئی کام واجب نہیں اور اس سے ظلم ناممکن ہے۔ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ بندوں پر اس کا یہ حق لازم ہے کہ وہ اللہ کی فرماں برداری کریں۔ اس چیز کو اللہ نے اپنے انبیاء کی زبان سے لازم فرمایا ہے۔ محض عقل سے یہ لازم نہیں۔"

﴿۵﴾ امام عمر بن محمد النسفی (۵۳۷ھ) مفہوم توحید کے بیان میں لکھتے ہیں:

والمحدث للعالم هو الله تعالىٰ الواحد القديم الحي القادر العليم السميع البصير الشائي المريد، ليس بِعَرَضٍ ولا جسم ولا جوهر ولا مصور، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعِّض ، ولا متجزٍ، ولا متركب، ولا متناه، ولا يوصف بالماهية، ولا بالكيفية، ولا يتمكن في مكان، ولا يجري عليه زمان ولا يشبهه شيء ، ولا يخرج عن علمه وقدرته شيء.

وله صفات ازلية قائمة بذاته .(نسفی،العقیدۃ النسفیہ:۲)

ترجمہ: "عالم کو عدم سے وجود عطا کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ وہ واحد ہے، قدیم ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے، جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، چاہنے والا ہے، ارادہ کرنے والا ہے، وہ عرض (جسم کو عارض ہونے والی چیز) نہیں ہے نہ جسم، نہ جوہر (Atom) ہے، نہ اس کی شکل وصورت، نہ محدود ہے نہ معدود (جس کو شمار کیا جاسکے)، نہ حصوں کی شکل میں ہے نہ جزء کی صورت میں، نہ مرکب ہے نہ اس کی انتہا ہے۔ نہ اسے ماہیت (Nature) کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے نہ ہی کیفیت (State) کے ساتھ۔ وہ نہ کسی مکان میں ٹھہرا ہوا ہے نہ ہی کوئی زمانہ اس پر جاری ہے، کوئی بھی چیز اس سے مشابہت نہیں رکھتی، اور کوئی بھی چیز اس کی قدرت اور اس

کے علم سے خارج نہیں (ہر چیز اس کے علم کے احاطے میں ہے، لیکن اس کی ذات ہر چیز سے ماوراہے)۔

اس کی صفات ازلی ہیں اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص کے زُہد وتقویٰ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی کہ ''وہ جانتا تک نہیں ہے کہ گناہ کیا ہے'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایسے آدمی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا امکان بہت زیادہ ہے۔''

چنانچہ ''تعرف الاشیاء باضدادھا'' (یعنی اشیاء کی صحیح معرفت اُن کی اضداد کی پہچان سے ہوتی ہے) کے اُصول کے تحت عقیدۂ توحید کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ شرک اور اُس کی جملہ اقسام کو سمجھا جائے۔ توحید خدائے واحد کو لاشریک اور یکتا و یگانہ ماننے کا نام ہے اور کسی کو اس کا ساجھی، حصہ دار یا برابر کا شریک ٹھہرانے کا نام شرک ہے۔

شرک کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ایک بار اللہ کی ذات وصفات سے متعلق عقائد کا خلاصہ ملاحظہ کر لیجئے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق عقائد کا خلاصہ

اللہ ایک ہے۔ اس کی ذات وصفات وافعال میں نہ کوئی اس کا مقابل ہے نہ مماثل، شریک ہے نہ برابر نہ بڑھ کر۔ وہ واجب الوجود ہے، یعنی اس کا وجود (موجود ہونا) ضروری اور عدم (موجود نہ ہونا) محال ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ اس کی ذات کو فنا نہیں۔ وہ خود سے موجود ہے اور اپنے وجود وبقا میں کسی کا محتاج نہیں۔ وہ پاک، بے عیب ہے۔ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے۔ سارے عالم کا وہی پیدا کرنے والا اور سب کا وہی مالکِ حقیقی ہے۔ وہ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔ سارا عالم ہر آن وہر لحہ اس کا محتاج ہے۔ وہ زندگی عطا فرمانے والا، موت دینے والا ہے۔ وہی روزی کا مالک ہے۔ سارے عالم کو وہی روزی دیتا ہے۔ وہ ازل سے علم، ارادہ اور قدرت اور کلام والا ہے۔ وہ سمیع وبصیر (سننے والا دیکھنے والا) ہے۔ اس کے جیسا سننے والا، دیکھنے والا کوئی نہیں۔ وہ ہر قریب وبعید، کھلی، چھپی چیز کو ہر لحہ دیکھتا، سنتا ہے۔ جو کچھ ہوا ہے، ہوگا، ہر ہونی، اَن ہونی کو جانتا ہے۔ اس کے علم سے کچھ بھی باہر نہیں۔ اس کے علم کی انتہا نہیں۔ سارا عالم اس کے بندے اس کی مخلوق ہیں۔ وہ اپنے بندوں پر بے حد وبے انتہا رحم فرمانے والا ہے۔ وہی گناہوں کا بخشنے والا، توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ اس کے ارادے کے بغیر ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ اس کی قدرت کی انتہا نہیں۔ اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ وہ پکڑنا چاہے تو اس کی پکڑ سے چھڑانے کی کسی میں طاقت نہیں۔ عزت وذلت اسی کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے۔ مال ودولت اور ساری نعمت اسی کے قبضہ واختیار میں ہے۔ جسے چاہے ہدایت دے، جسے چاہے ہدایت کی توفیق سے محروم کرے۔ ہدایت وگمراہی اسی کی طرف سے ہے۔ وہ جو کرتا ہے سراسر حکمت وانصاف ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہے، بندہ سمجھے یا نہ سمجھے۔ مسلمانوں کو وہ اپنی رحمت سے جنت عطا فرمائے گا اور کافروں کو عذاب دے گا، اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اس کے انعامات واحسانات کا شمار نا ممکن ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے اس کے سوا

کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اللہ کی ذات ازلی وابدی ہے اور اس کی صفات ازل سے اس کی ذات کے ساتھ لازم ہیں اور ابد تک رہیں گی۔ جو شخص اللہ اور اس کی صفات کے سوا کسی چیز کو ازلی وابدی مانے، کافر ہے۔ اللہ کی صفات کو جو شخص مخلوق وحادث مانے یا ان کے ازل سے ہونے میں شک یا تردد کرے وہ کافر ہے۔ (الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری ص ۴۷) اللہ ازل سے حی ہے، خود سے حیات والا ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی زندہ ہے، اللہ کی عطا کردہ زندگی سے زندہ ہے۔ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ اللہ نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا۔ نہ اس کے لئے بیوی ہے۔ باپ، بیٹا ہونا، بیوی والا ہونا مخلوق کی صفت ہے، اللہ اس سے پاک ہے۔ جو اللہ کو باپ کہے یا بیٹا بتائے یا اس کے لئے بیوی ثابت مانے وہ کافر ہے۔ اللہ تعالٰی تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ ظلم، جہل، فریب، دغا، غیبت، جھوٹ، بے حیائی وغیرہ سب عیوب، اللہ کی ذات کے لئے محال ہیں۔ جو شخص اللہ کو کسی عیب سے متصف مانے کافر ہے اور متصف نہ مانے، لیکن متصف ہونے کو ممکن جانے تو وہ بدترین گمراہ وبد دین ہے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے تو وہ بدترین گمراہ وبد دین ہے۔ شرح عقائد میں ہے: اللہ کے لئے کذب (جھوٹ) کے محال ہونے پر اجماع ہے۔ کیوں کہ جھوٹ عیب ہے اور اللہ تعالٰی کے لئے عیب محال۔ شرح عقائد جلالی میں ہے: کذب کمی ہے اور کمی اللہ کے لئے محال۔ اللہ تعالٰی جسم وجسمانیات، مکان ومکانیات، جہت، زمان، حد، شکل وصورت، حرکت وسکون اور مخلوق وحادث کے تمام خواص وعلامات سے پاک ہے۔ قرآن وحدیث میں اللہ کے لئے یَدْ، وَجہ، ضحک وغیرہ الفاظ آئے ہیں یہ اور اس طرح کے الفاظ، متشابہات میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں ہمیں یہ ایمان رکھنا ہے کہ ان کا جو معنی ظاہر ہے وہ اللہ کی مراد نہیں اور ان سے اللہ کی جو مراد ہے ہمیں معلوم نہیں۔ بلاضرورت ان کی مراد کی جستجو میں پڑنا یا بلاضرورت ان کی تاویل کرنا گمراہی ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن (گمراہی) ہے وہی قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور (بلاضرورت یا غیر مناسب) ان کی تاویل تلاش کرتے ہیں۔ (سورہ ال عمران:۷)

البتہ فلاسفہ، مجسمہ، مشبہہ (وہ گمراہ فرقے جو اللہ کو جسم یا جسم کی طرح مانتے ہیں) وغیرہ باطل فرقوں کے اعتراضات کے جوابات دینے کے لئے متشابہات میں مناسب تاویل کرنے کی

اجازت دی گئی ہے۔ جیسے یَـدٌ کا ظاہری معنی ہاتھ ہے، لیکن اللہ کیلئے اس کا معنی ''قدرت'' ہے۔ وَجْـهٌ کا ظاہری معنی چہرہ ہے۔ لیکن اللہ کیلئے اس کا معنی ''ذات'' ہے۔ اسی طرح لفظ اِسْتِوَاء جس کا ظاہری معنی، کسی چیز پر جم کر بیٹھنا ہے، اللہ کیلئے یہ معنی محال ہے، اس لئے اس لفظ سے ملک اور غلبہ مراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح ضِـحْـکٌ کا معنی ہنسنا ہے، لیکن اللہ کیلئے یہ معنی محال ہے، اس لئے اس کا معنی ''راضی ہونا'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی بھی چیز واجب نہیں۔ نہ بندے کو نیکی پر ثواب دینا' نہ گناہ پر عذاب دینا۔ نہ اس پر وہ کام کرنا واجب ہے جو بندے کے لئے مفید ہو۔ وہ مالک کل' حاکم مطلق ہے۔ وہ جو چاہے کرے، جو چاہے حکم دے۔ ثواب دے تو اس کا فضل، عذاب دے تو اس کا عدل۔ البتہ اس کی شانِ رحمت ہے اور کمال مہربانی ہے کہ وہ بندوں کو وہی حکم دیتا ہے جو بندے کر سکیں۔ اس نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے فضل سے جنت دے گا (اگر چہ گناہوں پر عذاب دینے کے بعد ہو) اور کافروں کو جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل فرمائے گا۔ لہٰذا اس کی رحمت سے مسلمان ضرور جنت میں جائے گا۔ لیکن کافر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔

توحید فی الذات

توحید فی الذات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ صرف اللہ کی ذات واجب الوجود ہے، یعنی اس کا موجود ہونا ضروری اور نہ ہونا محال ہے۔ صرف وہی ذات ایسی ہے جو خود سے موجود ہے۔ اسے کسی نے موجود نہیں بنایا۔ وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ اس کے وجود کی ابتداء نہیں۔ ہمیشہ موجود رہے گا، اس کے وجود کی انتہا نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی ذات نہیں جس کا موجود ہونا ضروری اور موجود نہ ہونا محال ہو۔ جو خود سے موجود ہو اور جس کا وجود ہمیشہ سے ہو اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہو۔ یہ عقیدہ قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (اخلاص: ۱) اے نبی! آپ فرمائیے کہ اللہ ایک ہے۔
اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ. (البقرہ: ۲۲۵)

ترجمہ: اللہ ہی ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی ذات جو ہمیشہ سے زندہ، موجود ہے۔ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

صرف اللہ کی ذات ایسی ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ، موجود اور خود بخود قائم ہے۔ اللہ کی ذات کے لئے آیت مذکورہ میں دو صفت حیّ اور قیّوم ذکر کی گئی ہیں، جس کا مفہوم یہی ہے کہ صرف اللہ ہی واحد ذات ہے جو معبود ہے اور وہی خود سے، ہمیشہ سے زندہ، موجود ہے۔ اُسے کسی نے حیات نہیں بخشی کسی نے وجود نہیں بخشا، بلکہ ہر حیات و وجود اسی کی عطا و بخشش ہے۔

اللہ کی دونوں صفت (حی و قیوم) کے بارے میں شیخ ابن ابی العز متوفی ۷۹۲ھ تحریر فرماتے ہیں:
وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَیْنِ الْاِسْمَیْنِ اَعْنِی الْحَیَّ القیوم مذکوران فِی القرآن مَعًا فِی ثَلَاثِ سُوَرٍ كَمَا تَقَدَّمَ، وَهُمَا مِنْ اَعْظَمِ اَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی، حَتّٰی قِیْلَ: اِنَّهُمَا الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ فَاِنَّهُمَا یَقْتَضِیَانِ اِثْبَاتَ صِفَاتِ الْكَمَالِ اَكْمَلَ تَضَمُّنٍ وَاَصْدَقَهٗ وَیَدُلُّ الْقَیُّوْمُ عَلٰی مَعْنَی الْاَزَلِیَّةِ وَالْاَبَدِیَّةِ مَا لَا یَدُلُّ عَلَیْهِ لَفْظُ الْقَدِیْمِ وَیَدُلُّ اَیْضًا عَلٰی كَوْنِهٖ مَوْجُوْدًا بِنَفْسِهٖ وَهُوَ مَعْنٰی كَوْنِهٖ وَاجِبَ الْوُجُوْدِ.

(شرح العقیدہ الطحاویۃ ص ۶۲ دار الغد الجدید القاهرہ سنہ ۲۰۰۶)

ترجمہ: جان لو کہ حیّ اور قیوم دونوں اسم ایک ساتھ قرآن میں تین سورتوں میں مذکور ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ یہ دونوں اللہ کے سب سے عظیم اسماء حُسنیٰ میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ دونوں اسم اعظم ہیں۔ کیوں کہ ان دونوں میں مکمل اور صحیح طور پر تمام صفات کمال شامل ہیں۔ اور لفظ قیوم سے یہ معنیٰ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کی ذات ازلی وابدی ہے۔ یہ معنیٰ لفظ قدیم سے سمجھ میں نہیں آتا۔ نیز لفظ قیوم سے یہ معنیٰ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ خود سے موجود ہے، یعنی وہ واجب الوجود ہے۔

توحید فی الذات کے سلسلے میں یہ آیات بھی ملاحظہ کیجئے:
سُبْحَانَهٗ وَهُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. (الزمر: ۴)

پاک ہے وہ۔ وہی اللہ (کی ذات) ایک، بہت قہر والا ہے۔

أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. (یوسف: ۳۹)

ترجمہ: کیا الگ الگ کئی رب بہتر ہیں یا ایک اللہ، قہار۔

توحید فی الذات کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف اللہ کی ذات کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ خود بہ خود موجود ہے اور ازلی وابدی یعنی ہمیشہ سے موجود اور ہمیشہ موجود رہنے والی ہے۔ اللہ کے سوا اس طرح کی کوئی دوسری ذات نہ مانی جائے۔ اللہ کے سوا ہر ذات کا وجود ممکن، فانی ہے۔ اس کے وجود کی ابتداء وانتہاء ہے اور اس کا وجود خود سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ اس طرح کی ذات عالم میں بے شمار ہیں اور ہو سکتی ہیں۔ یہ سب اللہ کی ذات کی طرح ہرگز نہیں، اس لئے ان کا وجود ماننے سے توحید فی الذات کے عقیدے میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا۔

توحید فی الالوهية

توحید فی الالوھیۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق مانا جائے، اس کے سوا کسی کو معبود نہ مانا جائے۔ قاضی محمد بن ابی العز الحنفی لکھتے ہیں:

توحید الالٰھیة وھو استحقاقه سبحانه وتعالیٰ ان یعبد وحده لاشریک له (شرح العقیدہ الطحاویہ ص: ۲۲)

اس عقیدے کی درستگی کے لئے لازم ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے یا کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے اس عقیدے کی تکذیب ظاہر ہو۔ مثلاً دعا کرنا عبادت ہے۔ دعا صرف اللہ سے کی جائے گی۔ اللہ کے سوا کسی سے دعا کرنا توحید فی الالوھیۃ کے منافی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عظمت میں اپنی پیشانی کو زمین پر رکھنے کا نام سجدہ ہے، جو عبادت ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو سجدۂ عبادت کرنا توحید فی الالوھیہ کے خلاف ہے۔ واضح رہے کہ سجدہ تحیہ پچھلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن شریعت اسلامیہ میں وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ وہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (ترمذی شریف باب ماجاء فی حق الزوج حدیث: ۱۱۵۹)

ایک شبہ کا جواب

بعض لوگ (اہل حدیث، وہابی، دیوبندی) توحید فی الالوھیۃ کے سلسلے میں ایک بڑے شبہے کا شکار ہوگئے ہیں۔ وہ لوگ انبیاء واولیاء کو پکارنے اوران سے مدد مانگنے کو شرک فی العبادۃ کہتے ہیں۔ وہ اسے دعا تصور کرتے ہیں اور غیر اللہ سے دعا کرنا شرک فی العبادۃ ہے۔ان کی یہ غلط فہمی دراصل دعا اور استغاثہ میں فرق نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔لغوی اعتبار سے دعا کا معنی پکارنا ہے۔اگر بندہ کمال عجز و نیاز کے ساتھ اپنے رب کو مدد کے لئے پکارے تو شرعی معنی کے لحاظ سے یہ عبادت دعا کہلاتی ہے اور اگر اللہ کے وہ بندے جو اللہ کی مدد اور اس کی رحمت کے وسیلے ہیں، انہیں مدد کے لئے پکارا جائے تو یہ پکارنا شریعت کی نظر میں عبادت نہیں۔ یہ شرعاً دعا نہیں بلکہ اسے استغاثہ واستمداد (مدد طلب کرنا) کہا جاتا ہے۔ جب یہ دعا نہیں بلکہ استغاثہ ہے، تو یہ عبادت بھی نہیں لہٰذا انبیاء واولیاء سے مدد طلب کرنا اور انہیں مدد کے لئے پکارنا شرک فی العبادۃ نہیں۔ اللہ کے محبوب بندوں کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ہاجرہ، اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے لئے جب پانی کی تلاش میں صفا ومروہ کا چکر لگا رہی تھیں تو انہوں نے ایک نامعلوم آواز سنی۔ادھر ادھر دیکھا تو کوئی شخص نظر نہ آیا۔اس موقع پر حضرت ہاجرہ نے اس آواز کو اللہ کے کسی مدد کرنے والے بندے کی آواز سمجھ کر اسے پکارا تھا کہ اے اللہ کے بندے اگر تیرے پاس میری مدد کے لئے کچھ ہے تو میری مدد کر۔ پھر حضرت جبرئیل نے وہاں پہنچ کر زمین پر ایڑی مار کر آب زمزم جاری کیا تھا۔ (بخاری حدیث ۳۳۵۶)

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی آدمی کی سواری جنگل میں گم ہو جائے تو وہ اس طرح پکارے:

يَاعِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوْا عَلَيَّ يَاعِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوْا عَلَيَّ .

ترجمہ: اے اللہ کے بندو میری سواری مجھے پکڑا دو۔ اے اللہ کے بندو! میری سواری مجھے پکڑا دو۔ بے شک زمین میں اللہ کے ایسے بندے ہیں جو تمہیں تمہاری سواری پکڑا دیں گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰:۲۱۷ حدیث:۱۰۵۱۸، مسند ابو یعلیٰ ۹:۱۷۷ حدیث نمبر ۵۲۶۹، مجمع الزوائد ۱۰:۱۳۲، کنز العمال حدیث:۱۷۴۹۲)

حدیث: عتبہ بن غزوان ﷜ سے روایت ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ کسی ایسی جگہ مصیبت میں پھنس جائے جہاں اس کا کوئی مددگار نظر نہ آئے تو وہ مدد کے لئے اس طرح پکارے:

یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَغِیْثُوْنِیْ یَاعِبَادَاللّٰہِ اَغِیْثُوْنِیْ.

ترجمہ: اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

بے شک اللہ کے ایسے (مددگار) بندے ہیں جنہیں پکارنے والا نہیں دیکھتا۔

(کنز العمال حدیث:۱۷۴۹۴، معجم طبرانی کبیر ۱۷/۱۱۷، مجمع الزوائد ۱۰:۱۳۲)

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ کے محبوب بندے جو ہماری نگاہوں سے دور ہیں، انہیں مدد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ شرک یا بدعت نہیں۔ کیوں کہ یہ استغاثہ ہے، دعا نہیں۔

وہابیوں اور دیوبندوں کا اسے دعا کہہ کر اہل سنت پر شرک کا الزام رکھنا بہت بڑا دھوکہ اور تلبیس کی بدترین مثال ہے یا نری جہالت۔

توحید فی الالوھیۃ کے ثبوت میں قرآن حکیم کی درج ذیل آیات ملاحظہ کیجئے:

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ. (البقرہ ۱۶۳) اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔

وَمَامِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ. (ال عمران ۶۲) اور نہیں کوئی بھی معبود مگر اللہ۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اللّٰہُ. (المائدہ ۷۳)

ترجمہ: یقیناً وہ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وَقَالَ اللّٰہُ لَاتَتَّخِذُوْٓا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ. (النحل: ۵۱)

ترجمہ: اور اللہ نے فرمایا، تم دو معبود نہ بناؤ۔ صرف وہی (اللہ) ایک معبود ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم کی ۱۴۰ سے زائد آیات میں واضح انداز میں توحید فی الالوھیۃ کو اختیار

کرنے اور اس کی ضد شرک فی الالوھیۃ سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

توحید فی الاسماء والصفات

اللہ کی صفات کی طرح بندے میں کوئی بھی صفت ہونا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یکتا وتنہا ہے، شریک سے پاک ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا توحید فی الصفات ہے۔ ایمان کیلئے یہ بھی عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ اللہ کی درج ذیل سات ذاتی صفات ہیں: (۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت (۴) ارادہ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام۔ (شیخ عبدالقادر جیلانی، تفسیر الجیلانی جلد ۱ ص ۳۸ مرکز الجیلانی للبحوث العلمیہ استنبول ۲۰۰۹ء، قواعد العقائد للغزالی ص ۵۰، ۵۴)

اللہ کی تمام صفات کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ اللہ کی ذات کے ساتھ ازل (ہمیشہ) سے ہیں اور ذات کے ساتھ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ ایک لحہ کے لئے بھی کوئی صفت اللہ کی ذات سے جدا نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔ ذات سے ان کا جدا ہونا محال ہے۔

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سننا، دیکھنا، کلام، اگرچہ بندوں کی بھی صفات ہیں، لیکن یہ اللہ کی صفات کی طرح ذات کے لئے لازم نہیں۔ بندوں کی ذات سے ان کا جدا ہونا ممکن ہے۔ یہ ازلی وابدی نہیں بلکہ حادث ومخلوق ہیں۔ لہٰذا بندوں کو حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع وبصر اور کلام والا ماننا توحید فی الصفات کے منافی نہیں اور شرک فی الصفات نہیں۔ اس کی مزید تفصیل آگے شرک فی الصفات کے عنوان میں آئے گی۔ (انشاءاللہ)

اللہ تعالیٰ اپنے اسماء میں بھی یکتا وتنہا وبے مثل ہے۔ اللہ کے اسماء میں کسی کو شریک ماننا توحید فی الاسماء کی ضد اور شرک ہے۔ مثلاً اللہ کے علاوہ کسی کو خالق ورازق ماننا، رحمٰن ماننا، غفور وغفار ماننا شرک ہے۔ اور عقیدہ کے طور پر نہ ہو بلکہ جہالت کی بنیاد پر کسی کو رحمٰن، یارزاق کے نام سے پکارنا، ناجائز ہے، شرک نہیں۔

توحید فی الذات وتوحید فی الاسماء والصفات کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْئٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشورىٰ ١١)

ترجمہ: اس (اللہ) کی مثل کوئی چیز نہیں۔ وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

آیت مذکورہ کے تحت تفسیر القرطبی میں ہے:

وَالَّذِيْ يُعْتَقَدُ فِي هٰذَا الْبَابِ اَنَّ اللّٰهَ جَلَّ اسْمُهُ، فِيْ عَظْمَتِهِ وَكِبْرِيَائِهِ وَمَلَكُوْتِهِ وَحُسْنٰى اَسْمَائِهِ وَعَلِيِّ صِفَاتِهِ لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنْ مَخْلُوْقَاتِهِ وَلَا يُشَبَّهُ بِهِ وَاِنَّمَا جَاءَ مِمَّا اَطْلَقَهُ الشَّرْعُ عَلَى الْخَالِقِ وَالْمَخْلُوْقِ فَلَا تَشَابُهَ بَيْنَهُمَا فِي الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ اِذْ صِفَاتُ الْقَدِيْمِ جَلَّ وَعَزَّ بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِ اِذْ صِفَاتُهُمْ لَاتَنْفَكُّ عَنِ الْاَعْرَاضِ وَهُوَ تَعَالٰى مُنَزَّهٌ عَنْ ذَالِكَ، بَلْ لَمْ يَزَلْ بِاَسْمَائِهِ وَبِصِفَاتِهِ.

(تفسير القرطبي جزء ١٦ ص ٨ مكتبه زكريا ديوبند)

ترجمہ: یہاں یہ عقیدہ رکھنا ہوگا کہ اللہ جل جلالہ اپنی عظمت و کبریائی، اپنی بادشاہت اور اپنے اسماء اور صفات میں اپنی کسی مخلوق کی طرح نہیں اور نہ کسی مخلوق کو اس سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ البتہ بعض صفات (مثلاً علیم، سمیع، بصیر) جو خالق و مخلوق دونوں کے لئے ذکر کی گئی ہیں تو درحقیقت دونوں میں کچھ مشابہت نہیں، کیوں کہ اللہ عزوجل کی صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں۔ مخلوق کی صفات اعراض سے خالی نہیں (مخلوق کی صفات ذات کو عارض ہیں، ان سے جدا ہوسکتی ہیں) لیکن اللہ اس سے پاک ہے (کہ اس کو کوئی صفت عارض ہو) اللہ ازل سے اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ موجود ہے (ایسا ممکن نہیں کہ اللہ کی ذات پہلے ہو اور اس کی صفات اس کو عارض ہوں یا کبھی ذات سے ان کا جدا ہونا ممکن ہو)۔

توحید فی الافعال

آیت مذکورہ، توحید فی الافعال کی بھی دلیل ہے۔ توحید فی الافعال کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ اپنے افعال میں یکتا و تنہا ہے۔ اس کے افعال میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے افعال کی طرح کسی کے افعال نہیں۔ زندہ کرنا، مارنا، شفا دینا، مدد کرنا، رزق دینا، صورت بنانا وغیرہ اللہ کے افعال میں

کوئی بندہ اللہ کا مقابل شریک یا مثل نہیں۔ان میں سے بعض افعال جو بندوں کے لئے بھی قرآن میں ذکر کیے گئے ہیں وہ حقیقت میں بندوں کے افعال نہیں بلکہ اللہ کے افعال ہیں مجازاً بندوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدہ: ۳۲)

ترجمہ: جس شخص نے کسی کی زندگی بچائی گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی۔

دیکھیے! زندگی دینا اللہ کا فعل ہے لیکن اللہ نے اس کو بندے کے لئے بھی ذکر فرمایا۔یہ توحید فی الافعال کے منافی نہیں۔کیوں کہ یہاں بندے کے فعل (زندگی دینا) سے مراد کسی بے گناہ جان کو قتل کرنے یا قتل ہونے سے بچانا ہے۔اسے مجازاً زندگی دینا کہا گیا ہے۔ پھر یہ کہ بندے کا ہر فعل اللہ کے ارادے اور خلق پر موقوف ہے اور اللہ کا فعل کسی کے ارادے اور خلق پر موقوف نہیں۔تو بندے کا فعل اللہ کے فعل کی طرح نہیں، لہٰذا معنی مذکور کے اعتبار سے بندے کے لئے فعلِ مذکور (زندگی دینا) ماننا توحید فی الافعال کے خلاف نہیں۔

اسی طرح قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے ہے:

اَنِّىْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ. (ال عمران: ۴۹)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے (زندہ) پرندہ ہو جاتا ہے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھ کو شفا دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اللہ کے حکم سے۔

غور کیجیے! اس آیت میں چار افعال ذکر کیے گئے۔خلق، نفخ (بے جان جسم میں روح ڈالنا)، ابراء (شفا دینا) احیاء موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنا) یہ افعال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ذکر ہوئے اور قرآن ہی میں یہ افعال اللہ کے لئے بھی ذکر ہوئے ہیں۔لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ افعال اللہ کے افعال کی طرح نہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فعل خلق کا معنی اللہ کے پیدا کردہ مادہ (مٹی) سے صورت بنانا ہے۔ یہ فعل اسباب و اعضا کے واسطے سے اور خلق و ارادۂ الٰہی سے

موجود ہوا۔ اللہ کا فعلِ خلق یہ ہے کہ وہ خود مادہ کو بھی پیدا فرماتا ہے اور اس سے صورت بھی وہی بناتا ہے۔ اس کا صورت بنانا بغیر آلہ و ذریعہ کے ہے اور کسی کے خلق و ارادہ پر موقوف نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے کے پتلے میں پھونک مار کر اس میں روح ڈال دینا، مادر زاد اندھے، کوڑھ کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا یہ افعال، اللہ کے اذن و ارادے اور اس کی تخلیق سے ہیں، لہٰذا یہ افعال اللہ کے افعال کی طرح نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ افعال ماننا توحید فی الافعال کے خلاف، شرک فی الافعال نہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے اذن سے نبی کو، زندگی دینے والا و مردے جلانے والا اور شفا دینے والا ماننا شرک فی الافعال نہیں۔

مدد کرنا اللہ کا فعل ہے، لیکن دیکھئے اللہ نے یہ فعل بندوں کے لئے بھی ذکر فرمایا ہے:

وَاجۡعَلۡ لَنَا مِنۡ لَدُنۡکَ وَلِیًّا وَّاجۡعَلۡ لَنَا مِنۡ لَدُنۡکَ نَصِیۡرًا۔ (النساء ۷۵)

جو مومنین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے سے معذور تھے اور کفار انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دے رہے تھے، انہوں نے اللہ سے گڑگڑا کر یہ دعا کی تھی "اے پروردگار! تو ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی (مہربان) حاکم مقرر فرما اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار بنا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا تھا کہ اللہ کی راہ میں کون میری مدد کرنے والے ہیں؟

تو انہوں نے کہا تھا: نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ (الصف: ۱۴) ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ۔ (محمد: ۷)

اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

اللہ مددگار ہے اور بندہ بھی مددگار۔ لیکن بندے کی مدد اللہ کی مدد جیسی نہیں، بلکہ بندے کا مدد کرنا درحقیقت اللہ کا مدد کرنا ہے۔ کیونکہ بندے کا مدد کرنا اللہ کے ارادے سے ہوتا ہے۔ اللہ نہ چاہے تو بندہ مدد کرنا تو کیا مدد کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرسکتا۔ جب بندے کا مدد کرنا اللہ کے مدد کرنے

جیسا نہیں تو بندے کو مددگار ماننا توحید فی الافعال کے منافی بھی نہیں۔

لہٰذا انبیاء و اولیاء کو مددگار ماننا شرک فی الافعال نہیں۔

واضح رہے کہ اللہ کے افعال اور بندے کے افعال میں جہاں اشتراک ذکر کیا گیا ہے وہاں صرف لفظی اشتراک ہے۔ ورنہ معنی کے اعتبار سے دونوں میں کسی جہت سے اشتراک یا مشابہت نہیں۔

امام قرطبی نے امام واسطی رحمۃ اللہ کے حوالے سے یہ تحریر فرمایا:

لَیْسَ کَذَاتِہٖ ذَاتٌ وَلَا کَاسْمِہٖ اِسْمٌ وَلَا کَفِعْلِہٖ فِعْلٌ وَلَا کَصِفَتِہٖ صِفَۃٌ اِلَّامِنْ جِھَۃِ مَوَافَقَۃِ اللَّفْظِ وَجَلَّتِ الذَّاتُ الْقَدِیْمَۃُ اَنْ یَّکُوْنَ لَھَا صِفَۃٌ حَدِیْثَۃٌ کَمَا اسْتَحَالَ اَنْ یَّکُوْنَ لِلذَّاتِ الْمُحْدَثَۃِ صِفَۃٌ قَدِیْمَۃٌ وَھٰذَا کُلُّہٗ مَذْھَبُ اَھْلِ الْحَقِّ وَالسُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ، رضی اللہ عنھم (تفسیر القرطبی جزء ۱۶ ص ۸)

ترجمہ: اللہ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں۔ اس کے اسم جیسا کوئی اسم نہیں۔ اس کے فعل جیسا کوئی فعل نہیں اور اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں۔ ہاں لفظی اعتبار سے موافقت ہے۔ ذات قدیم (اللہ) پاک ہے اس سے کہ اس کی کوئی حادث صفت ہو۔ جیسا کہ ذات حادث کے لئے قدیم صفت ہونا محال ہے۔ بس یہی مذہب اہلِ حق، اہل سنت و جماعت کا ہے۔

عقیدۂ توحید اور وہابی مذہب

وہابی مذہب کے ماننے والے اپنے آپ کو خالص توحید والے کہتے ہیں اور اپنے علاوہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو شرک و بدعت کے حامل سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ذرا ان کی خودساختہ توحید کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں، تا کہ اپنے آپ کو سچے مسلمان، موحد، اہل حدیث کہلانے والوں کی اصلی صورت قارئین کے سامنے واضح ہو جائے۔

ا﴾...... اہل سنت کا عقیدہ:

اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسم کے عوارض و صفات و خواص و علامات

سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ خود جسم ہے اور نہ کسی جسم کا جزء ہے۔ اس کے لئے مکان، حیز، جہت محال ہیں۔ اللہ نہ حادث ہے اور نہ ہی حوادث کا محل ہے۔ کیوں کہ ہر حادث اور محل حوادث مخلوق و ممکن ہے اور اللہ مخلوق و ممکن نہیں، بلکہ خالق، واجب قدیم ہے۔ اللہ کو جسم ماننا اللہ کو مخلوق و حادث ماننا ہے۔ یہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ کیوں کہ قرآن حکیم سورۃ الشوریٰ آیت ۱۱ رمیں ہے کہ اللہ کے مثل کوئی شئی نہیں۔ شرح فقہ اکبر ص ۲۷۱،۲۷۲ میں ہے:

وَکذا من قال بانّه سبحانه جسمٌ ولهُ مکانٌ ویمرّ علیه زمانٌ ونحو ذالک، کافرٌ حیث لم تثبت لهُ حقیقة الایمان.

ترجمہ: اسی طرح جس نے کہا کہ اللہ سبحانہ جسم ہے اور اس کے لئے کوئی مکان ہے اور اس پر زمانہ گزرتا ہے اور اسی طرح کی اور باتیں (اس کے لئے جہت ہے، حد ہے) کہیں تو وہ کافر ہے اس کیلئے حقیقت ایمان ثابت نہیں۔

فرقۂ مجسمہ کا عقیدہ:

فرقہ مجسمہ ایک باطل، گمراہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو جسم مانتا ہے۔ شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۵۸ پر ہے:

وَذَهَابُ الْمُجَسِّمَةِ وَالنَّصَارىٰ اِلىٰ اِطْلَاقِ الْجِسْمِ وَالْجَوْهَرِ عَلَيْهِ بِالْمَعْنَى الَّذِىْ يَجِبُ تَنْزِيهُ اللّٰهِ تعالىٰ عَنْهُ.

ترجمہ: اور جس معنی میں فرقۂ مجسمہ اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو جسم اور جوہر کہا، اس سے اللہ کو پاک ماننا واجب ہے۔

وہابیوں کے امام شیخ ابن تیمیہ کا عقیدہ:

شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ جسم ہے، اللہ کو جسم نہ ماننے کی کتاب و سنت و اجماع میں کوئی دلیل نہیں۔ ابن تیمیہ نے کہا:

فَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَالْاِجْمَاعَ لَمْ يَنْطِقْ بِاَنَّ الْاَجْسَامَ كُلَّهَا مُحْدَثَةٌ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِجِسْمٍ ، وَلَا قَالَ ذَالِكَ اِمَامٌ مِنْ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ ، فَلَيْسَ لِىْ تَرْكِىْ لِهٰذَا الْقَوْلِ خُرُوْجٌ عَنِ الْفِطْرَةِ وَلَا عَنِ الشَّرِيْعَةِ. (التاسیس فی ردّ اساس التقدیس، فتاویٰ ابن تیمیه فی المیزان ص ۱۲۱ برکات رضا پور بندر گجرات)

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع سے یہ ثابت نہیں کہ سارے اجسام حادث ہیں اور یہ ثابت نہیں کہ اللہ جسم نہیں۔ یہ بات مسلمانوں کے اماموں میں سے کسی نے نہیں کہی۔ لہٰذا اگر میں کہوں کہ اللہ جسم ہے تو اس کی وجہ سے نہ میں فطرت اسلام سے نکلوں گا اور نہ شریعت سے باہر ہوں گا۔

ابن تیمیہ نے مزید کہا:

قُلْتُمْ لَيْسَ هُوَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا مُتَحَيِّزٍ وَلَا فِيْ جِهَةٍ وَلَا يُشَارُ اِلَيْهِ بِحِسٍّ وَلَا يُمَيَّزُ مِنْهُ شَيْءٌ مِنْ شَيْءٍ وَعَبَّرْتُمْ عَنْ ذَالِكَ بِاَنَّهُ تَعَالٰى لَيْسَ بِمُنْقَسِمٍ وَلَا مُرَكَّبٍ وَلَا حَدَّ لَهُ وَلَا غَايَةَ، تُرِيْدُوْنَ بِذَالِكَ اَنَّهُ يَمْتَنِعُ عَلَيْهِ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ حَدٌّ وَقَدَرٌ اَوْيَكُوْنَ لَهُ قَدَرٌ لَايَتَنَاهٰى، فَكَيْفَ سَاغَ لَكُمْ هٰذَا النَّفْيُ بِلَا كِتَابٍ وَلَاسُنَّةٍ.

(تکملة الردّ ص ٣٠، فتاوی ابن تیمیه فی المیزان ص ١٢١)

ترجمہ: تم نے کہا کہ اللہ جسم نہیں، جوہر نہیں، مکان میں نہیں، جہت میں نہیں حواس سے اس کی طرف اشارہ ممکن نہیں۔ ممکن نہیں کہ اس کا کوئی جز ہو جو دوسرے جز سے الگ ہو۔ اس کی تعبیر تم نے اس سے کی ہے کہ اللہ کی تقسیم ممکن نہیں۔ وہ مرکب نہیں، اُس کا کوئی کنارا نہیں، اس کی کوئی انتہاء نہیں، تمہارا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لئے محال ہے کہ اس کا کوئی کنارا اور اس کی کوئی مقدار ہو یا غیر محدود مقدار ہو۔ ان باتوں کا تم انکار کیسے کرتے ہو حالانکہ ان کے انکار پر کوئی قرآن کی آیت یا حدیث موجود نہیں؟

......قارئین کرام:

یہ ہے وہابیہ کے امام اور ان کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا خالص عقیدۂ توحید، کہ ان کے نزدیک اللہ مخلوق کی طرح جسم ہے، اس کے اجزاء ہیں۔ وہ مکان اور جہت میں ہے۔ اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کو ٹکڑوں میں بانٹ سکتے ہیں اس کی حد (Limit) ہے۔ اس کی مقدار (Size) ہے۔

﴿۲﴾......اہل سنت کا عقیدہ:

اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اللہ کے لئے ہر عیب محال ہے، کوئی عیب اس کے لئے ممکن نہیں۔ ہر مذہب کا آدمی جانتا ہے کہ جھوٹ عیب ہے لہٰذا اللہ جھوٹ سے پاک ہے۔ اس

کے لئے جھوٹ بولنا ممکن نہیں، محال ہے۔

......وہابیہ کا عقیدہ:

اہل حدیث (وہابیہ) کے امام مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا کہ: (پس لا نسلم کہ کذب مذکور بمعنی مسطور محال باشد) "ہم تسلیم نہیں کرتے کہ معنی مذکور کے اعتبار سے اللہ کا جھوٹ بولنا محال ہے"

(رسالہ یک روزہ فارسی صفحہ ۱۷، ۱۸، فاروقی کتب خانہ ملتان)

۳﴾......اہل سنت کا عقیدہ:

اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مکان نہیں۔ کیونکہ مکان میں ہونا جسم کی خصوصیت ہے۔ اور یہ محتاج ہونے کی علامت ہے اور جو محتاج ہے وہ اللہ نہیں۔ اللہ صَمَدْ (بے نیاز) غنی ہے۔

......وہابیہ کا عقیدہ:

اہل حدیث کے مشہور عالم مولوی وحید الزماں نے لکھا کہ: "اللہ تعالیٰ جب آسمان سے دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے تو عرشِ معلیٰ اس سے خالی رہتا ہے۔ یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

(ہدیۃ المہدی جلد ا ص ۱۱، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ ۱۳۲۵ھ)

ھدیۃ المھدی کی اصل عبارت جس میں ابن تیمیہ کا حوالہ بھی ہے ملاحظہ کیجئے:

اَنَّہٗ (تعالیٰ) اِذَا نَزَلَ یَخْلُوْمِنْہُ الْعَرْشُ وَھٰذَاھُوَ الْاِنْتِقَالُ وَحُکِیَ عَنِ ابْنِ تَیْمِیَّۃَ اَنَّہٗ یَنْزِلُ کَمَا اَنَا اَنْزِلُ عَنِ الْمِنْبَرِ"۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے تو اس سے عرش خالی ہو جاتا ہے۔ عرش سے اس کے منتقل ہونے کا معنی یہی ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ قول منقول ہے کہ "اللہ عرش سے اس طرح اترتا ہے جس طرح میں منبر سے اترتا ہوں۔

۴﴾......اہل سنت کا عقیدہ:

اللہ تعالیٰ مقدار سے پاک ہے مثلاً اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش کے برابر ہے۔ اس سے نہ چھوٹا ہے نہ بڑا ہے۔ یہ عقیدہ توحید کے منافی ہے۔

......وہابیہ کا عقیدہ:

وہابیہ کے امام اور ان کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مقدار ہے، اسے ٹکڑا کیا جاسکتا ہے۔ اس کا حوالہ پہلے گزر چکا۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ کے بارے میں لکھا

کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ عرش کے برابر ہے، نہ اس سے بڑا ہے نہ چھوٹا۔
وَاَنَّهُ بِقَدْرِ الْعَرْشِ لَا اَصْغَرُ وَلَا اَكْبَرُ . (فتاوی حدیثیه صفحه ۱۰۰)

﴿۵﴾......اہل سنت کا عقیدہ:

کوئی اللہ تعالیٰ کا مثل نہیں، اس کا مثل پیدا ہونا محال ہے۔ (سورۂ اخلاص)

وہابیہ کا عقیدہ:

اہلِ حدیث عالم قاضی عبدالاحد خانپوری نے اہلِ حدیث کے مجدد امام ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں لکھا:

اور یہ زندیق (ثناء اللہ امرتسری) اللہ عزوجل کی ہزاروں مثلیں قرار دیتا ہے"
(الفیصلۃ الحجازیہ ص ۸ برقی پریس راولپنڈی)

انہوں نے مزید لکھا:

چنانچہ یہاں راولپنڈی میں آریہ کے ساتھ بحث کرنے کو آیا اور اشتہار دیا اور عوام کو جمع کیا اور آریہ کو اسٹیج پر کھڑا کیا۔ اس آریہ نے قرآن پر اعتراض کیا کہ قرآن میں لکھا ہے کہ "ان الله علی کل شیء قدیر". یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے، تو اللہ اپنی مثل بنانے پر بھی قادر ہے یا نہیں؟ سو اس اجہل الناس (ثناء اللہ امرتسری) نے کہا کہ ہاں قادر ہے۔ اپنی مثل بنا سکتا ہے۔
(الفیصلۃ الحجازیہ ص ۲۱)

قارئین کرام:

دیکھا آپ نے! وہابیہ کے نزدیک اللہ معاذ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، اللہ جسم ہے، اس کے ٹکڑے ہوسکتے ہیں۔ وہ مکان کا محتاج ہے، اس کی حد و انتہا ہے۔ وہ دوسرا اللہ پیدا کرسکتا ہے۔ حالاں کہ اللہ کے لئے یہ باتیں محال ہیں، لیکن ایسے گندے اور باطل عقائد رکھنے کے باوجود وہابیہ بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی خالص توحید والے ہیں اور پوری دنیا کے سنی مسلمان ان کے نزدیک مشرک و بدعتی ہیں۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

☆☆☆

توحید کے شرعی دلائل

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ (سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۹)

ترجمہ: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں۔ (اے نبی) آپ فرمایئے، میں (یہ جھوٹی) گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمایئے وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم (اللہ کے) شریک ٹھہراتے ہو۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ (سورہ اٰل عمران آیت نمبر ۲)

ترجمہ: اللہ ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی، زندہ، سب کو قائم رکھنے والا۔

فائدہ: اس آیت میں توحید کا دعویٰ دلیل کے ساتھ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ توحید کا دعویٰ ہے، کہ معبود صرف وہی اللہ ہے اور اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اس دعویٰ کی دلیل ہے۔ یعنی معبود ہونے کے لائق صرف وہی ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور تمام چیزیں اپنے وجود و بقا میں اس کی محتاج ہیں۔ جس کی یہ صفات نہ ہوں وہ معبود بننے کے لائق نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ہیں، لہٰذا صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (سورۃ اٰل عمران آیت نمبر ۶)

ترجمہ: وہی ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں، جس طرح چاہتا ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی غلبہ والا حکمت والا۔

فائدہ: اس آیت کریمہ میں بھی توحید کا دعویٰ اور اس کی دلیل بھی موجود ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، توحید کا دعویٰ ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ اور اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ دلیل

ہیں۔ دعویٰ کو دو دلیلوں کے درمیان لا کر گویا یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ یہ دعویٰ ایسا مدلل ہے کہ اس کو باطل کرنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

ماؤں کے رحموں میں صورت گری کون کرتا ہے؟ وہی اللہ، جو تمہارا اور سب کا خالق ہے۔ اس کے علاوہ ہے کوئی جو شکم مادر میں تمہاری صورت بناتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو عبادت کے لائق اسی کو مانو، جو تمہاری صورت گری فرماتا ہے۔ اللہ کے علاوہ ہے کوئی جو اللہ کی قدرت پر غالب آئے؟ اللہ سے زیادہ ہے کوئی حکمت والا؟ نہیں کوئی نہیں۔ لہٰذا اس کے سوا کسی کی پرستش وعبادت بھی درست نہیں۔

﴿۴﴾ اللہ فرماتا ہے: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ: اللہ نے گواہی دی کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ اور فرشتوں نے (گواہی دی) اور علم والوں نے (سب نے یہ بھی گواہی دی کہ) وہ انصاف کو قائم فرمانے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

﴿۵﴾ اللہ فرماتا ہے: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ (سورۃ النساء آیت نمبر ۸۷)

ترجمہ: اللہ ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ وہ ضرور جمع فرمائے گا تمہیں قیامت کے دن۔ اس (کے آنے) میں ذرا بھی شک نہیں اور اللہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا کون ہے؟

﴿۶﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

(سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۱)

ترجمہ: (اے اہل کتاب عیسائیو!) نہ کہو تین (خدا) ہیں۔ باز آجاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ بے شک اللہ ہی ایک معبود ہے۔ پاک ہے اس سے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو۔ اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز۔

﴿۷﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ۝ (سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۰۲)

ترجمہ: وہ اللہ ہے، تمہارا پروردگار۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ تو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

﴿۸﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ وَمَا خَلۡفَھُمۡ ۚ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُھُمَا ۚ وَھُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ۝ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۵)

ترجمہ: اللہ ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی، زندہ ہے، دوسروں کو قائم رکھنے والا۔ اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے، بغیر اس کے اذن کے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ ان (بندوں) کے آگے ہوا اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا۔ وہ گھیر نہیں سکتے اس کے علم میں سے کسی چیز کو، مگر وہ جو چاہے۔ اس کی کرسی (علم) نے گھیر رکھا ہے آسمانوں اور زمین کو۔ دونوں کی حفاظت اس پر بوجھ نہیں ہوتی اور وہی بہت بلند، بہت عظمت والا ہے۔

﴿۹﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوۡ کَانَ فِیۡھِمَاۤ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۝ لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَھُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِھَۃً ؕ قُلۡ ھَاتُوۡا بُرۡھَانَکُمۡ ۚ ھٰذَا ذِکۡرُ مَنۡ مَّعِیَ وَذِکۡرُ مَنۡ قَبۡلِیۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُھُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَقَّ فَھُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ۝ (سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۲۲ تا ۲۵)

ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا چند خدا ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے۔ اللہ عرش کا مالک، پاک ہے ان باتوں سے جو (مشرکین) کہتے ہیں۔ اس سے نہیں پوچھا جائے گا اس کام کے بارے میں جو وہ کرتا ہے (کیوں کہ وہ حاکم مطلق و مالک کائنات ہے، اس کا ہر کام حکمت ہے بندوں کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔) اور ان (بندوں) سے پوچھا جائے گا (ان کے کام کے بارے میں) کیا انہوں نے بنا لئے اللہ کے سوا چند معبود؟ اے نبی! آپ فرمایئے

تم اپنی دلیل لاؤ۔ یہ (قرآن) نصیحت ہے میرے ساتھ والوں کے لئے اور تذکرہ ہے مجھ سے اگلوں کا۔ بلکہ اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے تو وہ منہ پھیرتے ہیں۔ اور آپ سے پہلے (اے نبی) ہم نے جو بھی رسول بھیجا، اس کے پاس یہی وحی کی کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر میں، تو میری عبادت کرو۔

﴿۱۰﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. (سورۃ الاخلاص آیت نمبر ۱)

ترجمہ: آپ فرمائیے (اے نبی) وہ اللہ ایک ہے۔

حدیث﴿۱﴾: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ اِبْنُ آدَمَ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذَالِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ كَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ. وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا، وَاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ. وَلَمْ یَكُنْ لِّیْ كُفُوًا اَحَدٌ. وَفِیْ رِوَایَةِ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ: لِیْ وَلَدٌ، وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ. (مشکوۃ المصابیح: ۱۳ بخاری حدیث: ۴۹۷۴، کتاب التفسیر باب: ۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اولاد آدم نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا اور اس کو یہ کرنا جائز نہیں اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لئے یہ جائز نہیں۔ میری طرف اس نے یہ جھوٹ منسوب کیا کہ میں ہرگز اسے دوبارہ پیدا نہیں کروں گا، جیسا کہ پہلی بار پیدا کیا۔ حالانکہ پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے دوبارہ پیدا کرنا۔ اس نے مجھے گالی یوں دی کہ اس نے کہا کہ میں نے اولاد اختیار کی ہے، حالانکہ میں یکتا و بے نیاز ہوں۔ نہ مجھے اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ ہی میرے جوڑ کا کوئی ہے۔ حضرت ابن عباس ﷛ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ: لِیْ وَلَدٌ الخ اولاد آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ مجھ کو اولاد ہے، حالانکہ میں پاک ہوں اس بات سے کہ کوئی بیوی بناؤں یا اولاد۔

حدیث﴿۲﴾: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَلُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ هٰذَا: خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ

مِنْ ذَالِکَ شَیْئاً فَلْیَقُلْ "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ" (متفق علیه). (مشکوۃ المصابیح: ۱۸، صحیح مسلم کتاب الایمان بیان الوسوسة فی الایمان حدیث: ۳۴۳)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ لوگ ایک دوسرے سے سوالات کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جو شخص ایسی حالت دیکھے تو یہ کہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسولوں پر)۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مومن کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری مخلوقات کا خالق ہے۔ اللہ کا کوئی خالق نہیں۔ اور جو خالق ہے، وہی مستحق عبادت ہے۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ یہ شیطانی وسوسہ اگر دل میں پیدا ہو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کہے اور اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ کہہ کر اس شیطانی وسوسے کو دل سے دور کردے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے:

حدیث ﴿۳﴾: عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ هٰذَا، خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَاِذَا قَالُوْا ذَالِکَ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ. ثُمَّ لِیَتْفُلْ عَنْ یَسَارِهٖ ثَلٰثاً وَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. رَوَاہُ ابو داؤد. (مشکوۃ المصابیح: ۱۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ ایک دوسرے سے سوالات کریں گے، یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جب لوگ یہ کہیں تو تم کہو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ پھر بائیں طرف تین بار تھو تھو کرے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے۔

توحید کے عقلی دلائل

اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود ووحدانیت پر ذیل میں چند عقلی دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔

① پہلی دلیل: عقل انسانی کا یہ فیصلہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز اپنے موجود ہونے میں کسی بنانے والے کی محتاج ہے۔ بغیر بنانے والے کے کوئی چیز نہیں بنتی۔ چھوٹی سی سوئی ہو یا بڑی سے بڑی مشین، کوئی چھوٹا سا گھروندہ ہو یا فلک نما بلڈنگ، ہر بنی ہوئی چیز کا کوئی بنانے والا ہے۔ ہمارے سامنے اتنی بڑی دنیا موجود ہے اور ایک مخصوص و مربوط نظام کے ساتھ چل رہی ہے تو ضرور اس کا ایک بنانے والا ہے اور وہی اس کا نظام چلا رہا ہے۔ یقیناً وہ واجب الوجود ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں، اسے کسی نے نہیں بنایا۔ اگر یہ مانا جائے کہ اسے کسی نے بنایا ہے تو پھر وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہوگا اور اس کا بھی کوئی خالق ہوگا تو پھر اس خالق کے بارے میں سوال ہوگا کہ وہ خود سے موجود ہوا یا اسے بھی کسی نے پیدا کیا؟ اگر کہو کہ اسے بھی کسی نے پیدا کیا تو پھر اس کا بھی کوئی خالق ہوگا۔ پھر اس خالق کے بارے میں بھی یہی سوال ہوگا کہ اس کو کس نے پیدا کیا؟ سوال کا یہ سلسلہ کہیں جا کر نہیں رکے گا تو کچھ بھی مخلوق اور موجود نہ ہوگا۔ کیوں کہ جب یہ سلسلہ نہیں رکے گا تو ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود پر منحصر رہے گا۔ جب تک پہلا موجود نہیں ہوگا دوسرے کو موجود نہیں کر سکے گا اور ہر پہلے کا وجود اس سے پہلے والے کے وجود پر موقوف ہوا اور یہ سلسلہ کہیں پر ختم نہ ہوا تو لازم آئے گا کہ عالم کی کسی بھی چیز کا وجود نہ ہو، حالانکہ یہ بات ہمارے مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیوں کہ عالم ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ تمام مخلوق کے وجود کا سلسلہ ایک ایسی ذات پر جا کر رکتا ہے جو خود سے موجود ہے، جس کا کوئی خالق اور بنانے والا نہیں۔ وہ ذات خود بہ خود ہے اور سارے عالم کو وجود بخشنے والی ہے۔ وہ

ذات ایک ہے۔ کیوں کہ اگر خالق چند ہوں تو سوال ہوگا کہ عالم کو پیدا کرنے میں ہر ایک کی قدرت مستقل ہے یا نہیں؟ اگر مستقل نہیں، بلکہ اپنی قدرت میں کسی کا محتاج ہے تو وہ خالق نہیں، کیوں کہ محتاج خالق نہیں ہوسکتا اور اگر ہر ایک کی قدرت مستقل ہے تو سوال ہوگا کہ دنیا کو ہر ایک نے بنایا یا کسی ایک نے؟ اگر ایک نے بنایا تو وہی خالق اور باقی خالق نہیں۔ کیوں کہ جس نے عالم کو بنایا وہی غالب اور دوسرے مغلوب ہوئے اور غالب خالق ہے، مغلوب، خالق نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ مانا جائے کہ ہر ایک نے دنیا کو بنایا تو لازم آئے گا کہ ایک معلول کا وجود چند علتوں سے ہو۔ یہ بات عقلاء کے نزدیک محال ہے، لہٰذا چند خالق کا ہونا محال۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سب نے باہمی اتفاق سے دنیا کو وجود بخشا تو سوال ہوگا کہ دنیا کی تخلیق کے ارادے پر سب کا اتفاق کیوں ہوا؟ اختلاف کے فساد سے بچنے کے لئے یا یوں ہی؟ اگر اختلاف کے فساد سے بچنے کے لئے اتحاد ہوا تو یہ صفت مخلوق کی ہے، کیوں کہ یہ محتاج ہونے کی دلیل ہے اور محتاج ہونا خالق کی صفت نہیں اور جس میں یہ صفت ہے وہ خالق نہیں۔ ایسی صورت میں کوئی بھی خالق نہ ہوا اور یہ بات، ہماری تسلیم شدہ بات (دنیا کا ایک خالق ہے) کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ عالم کی تخلیق پر سب نے بے سبب اتفاق کرلیا ہے، تو یہ اتفاق کرنا عبث (بے کار) ہوگا اور بے فائدہ کام کرنے والا خالق نہیں ہوسکتا، تو اس سے بھی لازم آئے گا کہ کوئی خالق نہ ہو۔ حالانکہ ہم نے پہلے تسلیم کرلیا ہے کہ عالم کا ایک خالق ہے۔ اس کے علاوہ یہ مشاہدے کی بات ہے کہ ایک حکومت میں چند مختارِ کُل حکام ہوں تو اختلاف ہونا ناگزیر ہے اور اختلاف کی صورت میں فساد و بگاڑ ہونا ضروری ہے۔ تو اگر عالم کے چند خدا ہوتے تو عالم کا نظام بگڑ جاتا، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ عالم نہ جانے کب سے ایک مناسب و مربوط نظام کے ساتھ چل رہا ہے۔ زمین، آسمان، ستارے، چاند و سورج، گردشِ ایام یہ سب زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پیچھے ایک زندہ بے مثال و بے انتہا قدرت والی ہستی کا ہاتھ ہے اور بے شک وہ واحد و یکتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ لوگوں نے رب تبارک وتعالٰی کی توحید کو ثابت کرنے پر بحث ومباحثہ کرنے کا ارادہ کیا تو امام اعظم علیہ الرحمہ نے ان سے کہا: پہلے تم مجھے یہ بتاؤ

کہ اگر میں یہ کہوں کہ دریائے دجلہ میں ایک کشتی خود بخود چلتی ہے۔ خود سے اس پہ ساز و سامان لاد کر روانہ ہوتی ہے اور ساحل پہ پہنچ کر خود ہی رک جاتی ہے اور سامان خود سے اتار کر پھر واپس لوٹتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے؟ انہوں نے کہا: یہ محال ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ امام اعظم نے فرمایا: اگر ایک کشتی کا ایسا ہونا محال ہے تو اس کائنات کا حال ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی چلانے والا نہ ہو؟

(شرح فقہ اکبر: ملا علی قاری ص ۲۲، دار الایمان دیوبند)

چنانچہ اللہ تعالیٰ عقل انسانی کو اپنی وحدانیت کے نظری دلائل کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

(سورة البقرة: ۱۶۴).

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ بہت مہربان، رحم والا۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات و دن کے آنے جانے میں اور لوگوں کے نفع کے سامانوں کو لے کر سمندروں میں چلتے ہوئے جہازوں میں اور اس پانی میں، جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے چلانے میں اور اس بادل میں، جو آسمان و زمین کے درمیان (فضا میں) حکم کا پابند ہے، ان لوگوں کے لئے یقیناً (اللہ کی وحدانیت پر) نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے اپنی توحید پر مشاہداتی اور تجرباتی دلیل کی ایک جھلک یوں پیش فرمائی ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (سورة الانبياء آيت: ۲۲)

ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا چند خدا ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے۔

(۲) دوسری دلیل: گیہوں کے ایک خشک دانے کو دیکھو! بظاہر وہ زندگی کے آثار سے خالی نظر آتا ہے۔ ہم اسے زمین کے سینے میں دبا کر چلے آتے ہیں۔ چند دنوں میں کونپل کی شکل میں زمین کا سخت و مضبوط سینہ چیر کر باہر نکل آتا ہے۔ نرم و نازک اس قدر کہ اسے ہاتھ سے تھوڑا سا مسل دو تو اپنا وجود کھو دے، لیکن اتنا طاقتور کہ زمین کا سخت سینہ چیر کر باہر آجائے اور زمین کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کرلے۔ پھر اس قادر و قیوم ہستی کا محکم نظام دیکھو! شبنم کے قطرے اس کونپل کو تروتازگی دیتے ہیں، اس میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں۔ سورج کی کرنیں اس کی قوتِ نمو (بڑھنے، پھیلنے کی صلاحیت) کو مہمیز لگاتی ہیں۔ بارش کا پانی اس کی زندگی میں ہریالی لاتا ہے۔ پھر اس میں بالی آتی ہے اور ایک بالی میں سو سو دانے آتے ہیں۔ پھر تیز دھوپ اور گرم ہوا بالی کے دانوں میں پختگی لاکر اس کو تیار فصل کی صورت میں انسان کے سامنے پیش کر دیتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ اپنے آپ ہوتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ ضرور اس کے پیچھے ایک قادر و قیوم و حکیم ہستی کار فرما ہے۔ وہی لازوال ہستی عقل انسانی کو یوں جھنجھوڑتی ہے۔

اَفَرَاَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ . ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ (سورۃ الواقعہ ۶۳تا۶۷)

ترجمہ: بھلا بتاؤ تو سہی! تم جو (زمین میں) بوکر آتے ہو، اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا بنا دیں اور تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ (ہائے) ہم تو مقروض ہی رہ گئے، بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے:

اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ . ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ . (سورۃ الواقعہ آیت ۶۸تا ۷۰).

ترجمہ: کیا تم نے (نظر عبرت سے) دیکھا پانی کو، جو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے۔ پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟

آگے اور ارشاد ہوتا ہے: اَفَرَاَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ . ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ

الْمُنْشِئُوْنَ . نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۔ (الواقعۃ آیت ۷۱ تا ۷۳)

ترجمہ: کیا تم نے (نظر عبرت سے) دیکھا ہے آگ کو، جسے تم روشن کرتے ہو؟ کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو سامان نصیحت بنایا ہے اور مسافروں کے لئے فائدے کی چیز۔

(۳) تیسری دلیل: ذرا دودھ دینے والے جانوروں کو نظر عبرت سے دیکھو۔ جانوروں کو جو چارہ ہم دیتے ہیں وہ ان کی اوجھڑی میں پہنچتا ہے۔ وہاں ہضم کا عمل شروع ہوتا ہے۔ ہضم کے مرحلے سے گزر کر چارہ کا ایک حصہ گوبر اور مینگنی کی شکل میں اوجھڑی کے نچلے حصے میں آجاتا ہے اور لید و گوبر بن کر باہر آجاتا ہے۔ ایک حصہ خون بن کر اوجھڑی کے اوپری حصے میں رہتا ہے اور درمیانی حصے میں دودھ تیار ہوتا ہے۔ سوچو! دودھ کے نیچے غلاظت و گندگی ہے۔ اوپری حصے میں سرخ رنگ کا خون ہے، جہاں سے وہ پورے جسم میں رواں دواں ہوتا ہے، باوجود اس کے دونوں کے درمیان سے خالص سفید رنگ کا دودھ اللہ کی بے مثال نعمت بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ کیا یہ پُر حکمت نظام زبان حال سے یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ اس کے پیچھے اسی ایک قادر مطلق کا بے مثال ہاتھ کارفرما ہے جو بندوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۔ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۔ (سورۃ النحل: ۶۶)

ترجمہ:۔ اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو اُن کے پیٹ میں ہے، گوبر اور خون کے بیچ سے (نکلنے والا) خالص دودھ، گلے سے بآسانی اترنے والا، پینے والوں کے لئے۔

(۴) چوتھی دلیل: انسان کی تخلیق میں ذرا غور کرو! ایک حقیر سا قطرۂ منی، جس میں مخصوص شکل کے بے شمار غیر محسوس جرثومے (کیڑے) موجود ہوتے ہیں۔ وہ جب عورت کے رحم میں مستقر ہوتا ہے تو ایک مخصوص نظام کے تحت پہلے بستہ خون بنتا ہے، پھر گوشت کے ایک چھوٹے سے لوتھڑے میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ پھر اسی گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں، مگر بے ربط و بے سلیقہ

نہیں بلکہ نہایت متوازن ومتناسب۔ پھر اسی ایک گوشت کے ٹکڑے سے قدرت کا ایک بے مثال شاہکار ''انسان''، ''احسنِ تقویم'' کا لباس پہن کر عالم وجود میں آتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہوتا ہے؟ بصیرت کی آنکھیں ہوں تو زبان یہی کہے گی، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس کا ایک بے مثل و بے مثال خالق حقیقی ہے، جس کی مصوری بھی بے مثال ہے۔

دنیا میں کروڑہا انسان ہیں، سب کی تخلیق کا مادہ وہی ایک نطفہ ہے۔ لیکن ہر انسان کا قد وقامت جدا جدا۔ ہر ایک کے خصائل الگ الگ۔ ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف، ہر ایک شکل و صورت میں دوسرے سے علیحدہ۔ کیا یہ بے مثال قدرت کی کاریگری نہیں؟

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: مجھے شطرنج کے کھیل پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ یہ کھیل ایک مربّع (چوکور) تختہ کے ٦٤ رخانوں میں کھیلا جاتا ہے۔ اگر ان خانوں میں لاکھ مرتبہ شطرنج کھیلا جائے تو ہر بار کی بازی مختلف ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے اس سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ انسان کا چہرہ صرف بالشت بھر کا ہوتا ہے اور دنیا کے اربوں انسانوں کے چہرے ہیں، مگر کسی انسان کا چہرہ ہو بہو دوسرے انسان کے چہرے کی طرح نہیں۔ بلکہ انسان کے ہاتھ کے انگوٹھے کو دیکھا جائے تو کسی بھی انسان کے انگوٹھے کی لکیریں Thumb Prints) دوسرے انسان کے (Thumb Prints) سے نہیں ملتیں۔ بلکہ ایک ہی انسان کے داہنے انگوٹھے کی لکیریں بائیں انگوٹھے کی لکیروں سے نہیں ملتیں۔ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ: بابرکت ہے اللہ۔ سب سے بہتر صورت گری فرمانے والا۔

⑤ پانچویں دلیل: جب انسان کے تمام مادی اسباب وسہارے اس کی پہنچ سے باہر ہوجاتے ہیں، اسے ہر طرف یاس وناامیدی کی گھٹا ٹوپ تاریکی ہی تاریکی دکھائی دیتی ہے تو فطری طور پر انسان کسی غیر محسوس، غیر مرئی (جو دیکھا نہ جائے) سہارے سے اپنی امید لگاتا ہے۔ وہی غیر مرئی و غیر محسوس سہارا اس کا خالق ومالک، اس کا پالنہار، سب سے بڑا سہارا، سب سے زیادہ مہربان ورحم والا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان فطری طور پر ایک خالق کو ماننے پر مجبور ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ایک بار ایک دہریہ (خدا کا انکار کرنے والا) سے ہوئی۔ دہریہ اللہ کے وجود کا انکار کرتا ہے۔

حضرت امام ﷺ نے پوچھا: تم نے کبھی سمندر کا سفر کیا ہے؟ دہریہ نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا: کبھی طوفان کا سامنا کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پوچھیے مت، کیا بری حالت تھی؟ طوفان آیا۔ کشتی ڈگمگانے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ڈوب گئی۔ ملاح بھی ڈوب گیا۔ کشتی موج کے تھپیڑوں میں تھی اور میں موت کے منہ میں۔ کشتی تھوڑی دیر تک ہچکولے کھاتی رہی۔ پھر کشتی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ایک تختہ میرے ہاتھ لگا، میں اسی کے سہارے تیرنے لگا۔ اچانک تختہ بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا، لیکن موج کی لہروں نے مجھے کیسے سمندر کے کنارے لگا دیا میں نہیں بتا سکتا۔ اس کا یہ قصہ سن کر حضرت امام ﷺ نے فرمایا کہ سچ سچ بتانا: جب تو کشتی پہ بیٹھا تھا تو تیرا بھروسہ ملاح پر تھا یا نہیں؟ جب ملاح ڈوب گیا تو تیرا اعتماد کشتی پر تھا یا نہیں؟ اور جب کشتی ٹوٹ پھوٹ گئی تو تیرا اعتماد کشتی کے اس تختے پر تھا جو تیرے ہاتھ لگا تھا اور جب وہ تختہ بھی تیرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو بتا تیرا اعتماد کس پر تھا؟ اس وقت تو اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گیا تھا یا اسی مایوسی کے اندھیرے میں کوئی ہلکی سی امید کی کرن بھی تجھے نظر آرہی تھی؟ اس نے کہا کہ میں بالکل سچ کہتا ہوں، اگرچہ میں ظاہری اسباب سے ناامید ہو چکا تھا ،لیکن اس وقت بھی مجھے امید کی کرنیں دکھائی دے رہی تھیں کہ شاید میں سلامتی سے نکل آؤں گا۔ امام جعفر ﷺ نے فرمایا: جب سارے ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے، امید کا کوئی سبب باقی نہ بچا تھا، اس وقت کس سہارے سے تیری امید لگی ہوئی تھی؟ دہریہ خاموش رہا۔ آپ نے فرمایا: جس وقت تیرا کوئی مادی سہارا نہ تھا، نجات کے سارے اسباب ایک ایک کر کے ٹوٹ چکے تھے، پھر بھی فطری طور پر تو ایک غیر محسوس سہارے سے سلامتی کی امید لگائے ہوئے تھا، وہی تیرا اور سب کا خالق، حقیقی مددگار، مسبب الاسباب، سب کا پروردگار ہے۔ وہی فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۔ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ٥

(سورۃ الشوریٰ: آیت/۲۸)

ترجمہ: اور وہی ہے جو (رحمت کی) بارش نازل فرماتا ہے، لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی ہے کارساز، قابلِ حمد۔

(۶) چھٹی دلیل: مشرکین، اگرچہ اللہ کے سوا، بتوں کو معبود سمجھتے تھے اور ان سے اپنی حاجتیں

اور مرادیں مانگتے تھے۔ ان کی پرستش اور پوجا پاٹ کرتے تھے اور اپنی مشکلات میں ان سے مدد مانگتے تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں سخت مصیبتوں میں مبتلا فرماتا تھا، انہیں زمینی اور سمندری سفر میں صعوبتوں اور ہولناک طوفانوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا تو وہ دہشت میں پڑ جاتے تھے۔ ان کا رُواں رُواں کانپ جاتا تھا اور مارے خوف کے وہ ضدی مشرکین اپنے بتوں کو پکارنا بھول جاتے تھے۔ ایسے وقت میں انہیں اللہ کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آتا تھا۔ وہ گڑگڑا کر، رو رو کر کہتے تھے: اے اَحۡکَمُ الۡحَاکِمِیۡنَ، اے سارے جہاں کا رب! اس بار تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دی تو ہم شرک سے توبہ کر کے صرف تیری بندگی بجالائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت سے نکال دیتا تھا تو وہ اللہ کو بالکل بھول جاتے تھے اور شرک میں اڑے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کی اس حالت کو یوں بیان فرماتا ہے:

قُلۡ مَنۡ یُّنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَةً ۚ لَئِنۡ اَنۡجٰنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیۡنَ. قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیۡكُمۡ مِّنۡهَا وَ مِنۡ كُلِّ كَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ○

(الانعام ۶۳، ۶۴)۔

ترجمہ: (اے نبی) آپ فرمایئے، کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا کی آفتوں سے؟ جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ، کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچالے تو ہم ضرور احسان مانیں گے۔ آپ فرمایئے! اللہ تمہیں نجات دیتا ہے ان مصیبتوں اور ہر بے چینی سے۔ پھر بھی تم شریک ٹھہراتے ہو؟

معلوم ہوا کہ مشرکین بھی دل سے یہ سمجھتے تھے کہ ان کے خود تراشیدہ معبود جھوٹے ہیں۔ وہ اس لائق نہیں کہ ان کی پرستش کی جائے اور ان سے مدد مانگی جائے۔ جبھی تو بے چارگی اور مایوسی کے وقت انہیں چھوڑ کر وہ اللہ سے مدد مانگتے تھے اور ان کی پرستش سے توبہ کر لینے کا عہد کرتے تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ ہی واحد، معبودِ برحق ہے۔ پھر بھی کد و عناد اور ہٹ دھرمی اور اپنے باپ داداؤں کی پیروی میں شرک اختیار کئے ہوئے تھے۔

(۷) ساتویں دلیل: اللہ کی وحدانیت کی دلیل، اس کا خالق ہونا بھی ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ سارے عالم کا خالق اللہ ہے۔ سب کی پرورش فرمانے والا رب وہی ہے۔ ساری نعمتیں اسی کی طرف

سے ہیں، کیوں کہ وہی رحمٰن ورحیم ہے۔ اللہ کو مشرکین بھی خالق مانتے تھے۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (سورۃ الزمر: آیت/۳۸).

ترجمہ: (اے نبی) اگر آپ ان (مشرکوں) سے پوچھیں گے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو؟ تو یقیناً وہ کہیں گے "اللہ نے"۔

جب یہ بات تسلیم ہے کہ اللہ ہی خالق ہے تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ ہی معبود ہے۔ کیونکہ عقل سلیم سے یہ بات بہت دور ہے کہ بندہ اپنا خالق، اللہ کو مانے اور معبود کسی مخلوق کو مانے، یا کسی مخلوق کو اللہ کی عبادت میں یا اس کی صفات میں شریک مانے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی خالقیت، ربوبیت، الوہیت ومعبودیت کی اسی عقلی دلیل کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ . الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ ۲۱، ۲۲).

ترجمہ: اے لوگو اپنے رب کو پوجو! جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا، یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے اور جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا، تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کیلئے۔ لہٰذا کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو (اللہ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا)۔

قرآن کریم کی سورہ یونس آیت ۱۸، جس میں مشرکین کی بت پرستی کی مذمت آئی ہے، اس کی تفسیر کے تحت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

اِنَّ الْعِبَادَةَ اَعْظَمُ اَنْوَاعِ التَّعْظِيْمِ فَهِیَ لَا تَلِيْقُ اِلَّا لِمَنْ صَدَرَ عَنْهُ اَعْظَمُ الْاِنْعَامِ وَذَالِكَ كَالْحَيَاةِ وَالْعَقْلِ وَالْقُدْرَةِ وَمَصَالِحِ الْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ وَاِذَا كَانَتِ الْمَنَافِعُ وَالْمَضَارُّ كُلُّهَا مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَجَبَ اَنْ لَاتَلِيْقَ الْعِبَادَةُ اِلَّا لِلّٰهِ .

(تفسیر کبیر ج ٦ جزء ١٧ ص ٥٣ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: بے شک عبادت، تعظیم کی سب سے عظیم قسم ہے، لہٰذا وہ اسی کی ہونی چاہیے، جس کی طرف سے سب سے بڑے انعامات ملے ہیں۔ مثلاً حیات، عقل، قدرت اور دنیا وآخرت

کی مفید اور نقصان کی چیزیں۔ جب سارے فائدے اور نقصانات اللہ کی طرف سے ہیں تو واجب ہے کہ عبادت صرف اسی کی ہو۔

⑧ آٹھویں دلیل: انسانی فطرت وضمیر کی یہ آواز ہے کہ اللہ ایک ہے۔ لیکن یہ آواز اس وقت انسانی ضمیر سے آئے گی جب کہ وہ غفلت کا حجاب چاک کر کے اپنی فکر سلیم کے ساتھ اپنی ذات اور کائنات کا مطالعہ کرنے بیٹھے۔ اس کی فطرت یہ پکار اٹھے گی کہ انسان غفلت کا مجسمہ ہو سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ ہر چیز کا انکار کر دے، لیکن اپنی فطرت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ انسان کی فطرت میں خدا پرستی کا ایک خوابیدہ جذبہ رکھا گیا ہے۔ انسان کے عقل وشعور پر لاکھ غفلت کے پردے پڑے ہوں، کبھی نہ کبھی اس کی فطرت ضرور جاگتی ہے۔ کبھی فکر وشعور کی آنکھیں ضرور کھلتی ہیں۔ اس وقت بندے کا ضمیر بے اختیار یہ پکار اٹھتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً۔ اے رب! تو نے (زمین وآسمان) بے کار نہیں بنائے۔

قرآن حکیم اس حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ. (القیامۃ: ۱۴، ۱۵).

ترجمہ: بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ حیلے، بہانے بنائے۔

قرآن حکیم اپنے مخصوص انداز میں اللہ کے بندوں کے ضمیر سے پوچھتا ہے:

وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ. (یونس: ۳۱).

ترجمہ: اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے اور کام کا انتظام کون کرتا ہے؟ (اگر وہ فکر سلیم سے پوچھیں اور دیدۂ عبرت سے دیکھیں تو) وہ جلد کہنے لگیں گے "اللہ"۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ. (یونس: ۳۴).

ترجمہ: (اے رسول) آپ (مشرکین سے) کہئے: کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے پھر (فنا کے بعد) دوبارہ لوٹاتا ہے (وہ مجبور ہو کر کہیں گے "نہیں"، یا

خاموش رہیں گے) تو (اے حبیب) آپ ہی فرمادیجئے: اللہ پہلے پیدا فرماتا ہے پھر (فنا کے بعد) اسکولوٹاتا بھی ہے تو (حق سے دور) کدھر پھرتے جارہے ہو۔

بطور نمونہ یہ چند نظری وعقلی دلیلیں توحیدِ باری تعالیٰ پر پیش کی گئیں، ورنہ توحید باری تعالیٰ پر عقلی دلائل بے شمار ہیں۔ بس شرط ہے نظر عبرت سے دیکھنے کی اور عقل سلیم سے سوچنے کی۔

شرک کا بیان

اس سے پہلے عقیدۂ توحید پر گفتگو کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو واجب الوجود ماننا، اسی کو ذات و صفات اور اسماء وافعال میں یکتا اور مستحق عبادت ماننا توحید ہے۔ اب ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ توحید کی ضد (Opposit) شرک ہے۔ یعنی اللہ کے علاوہ کسی کو واجب الوجود، مستحق عبادت ماننا یا اس کی ذات وصفات، اسماء وافعال میں کسی کو اس کا مقابل، مماثل یا شریک وسہیم ماننا شرک ہے۔

شرک فی الذات

اس سے پہلے توحیدِ فی الذات کا بیان ہو چکا۔ توحیدِ فی الذات کی ضد شرک فی الذات ہے۔

اللہ کے سوا کسی ذات کو واجب الوجود، خود سے موجود، ازل سے قائم اور ہمیشہ باقی رہنے والی ماننا شرک فی الذات ہے۔ جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ خالق (اللہ) دو ہیں (۱) یزدان، خالق خیر ہے۔ (۲) اور اہرمن خالق شر ہے۔

شرح العقائد النسفیہ میں ہے: اَلْاِشْرَاکُ ھُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِیْ الْاُلُوْھِیَّۃِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنٰی اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَۃِ کَمَا لِعَبَدَۃِ الْاَصْنَامِ.

(شرح العقائد النسفیة ص: ۹۴، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک ماننا، یعنی اسے واجب الوجود ماننا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے، یا اللہ کے سوا کسی کو مستحق عبادت ماننا، جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے، یہ شرک ہے۔

اس کے تحت ''نبراس'' میں اس کی تشریح یوں کی گئی ہے:

اَلْاِشْرَاکُ هُوَاِثْبَاتُ الشَّرِيْکِ فِی الْاُلُوْهِيَّةِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَالِلْمَجُوْسِ فَاِنَّهُمْ يَعْتَقِدُوْنَ اِلٰهَيْنِ يَزْدَانُ خَالِقَ الْخَيْرِ وَاَهْرَمَنُ خَالِقَ الشَّرِّ،اَوْبِمَعْنٰی اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا بِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ.فَاِنَّهُمْ يَعْتَقِدُوْنَ اَنَّ الْوَاجِبَ وَاحِدٌ وَيَزْعَمُوْنَ اَنَّ الْاَصْنَامَ مُسْتَحِقَّةٌ لِلْعِبَادَةِ.لِرَجَاءِ الشَّفَاعَةِ مِنْهَا.

ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کو اللہ، یعنی واجب الوجود (ازلی وابدی) ماننا شرک ہے جیسا کہ مجوسی ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ دو اللہ ہیں، ایک خیر کا پیدا کرنے والا ''یزدان'' ہے، دوسرا خالق شر ''اہرمن'' ہے۔ یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق ماننا، جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ یہ ہے کہ واجب الوجود (اللہ) ایک ہے لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بت عبادت کے مستحق ہیں۔ کیوں کہ وہ یہ امید رکھتے ہیں کہ بتوں کی عبادت کرنے سے وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی بنیں گے۔

شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ بڑے سے بڑا گناہ اللہ چاہے تو بخش دے گا لیکن شرک کو ہرگز نہ بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَکَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ يَّشَآءُ. (سورۃ النساء : ۴۸)

ترجمہ: اللہ جلّ جلالہٗ نہیں معاف فرمائے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور معاف فرمائے گا اس (شرک) سے کم درجے کے جرم کو، جس کے لئے وہ چاہے گا۔

شرك فِیْ الْاُلُوْهِيَّةِ

اس سے پہلے توحید فی الالوھیۃ کا ذکر ہو چکا، اسی کی ضد شرک فی الالوھیۃ ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو الٰہ (معبود) ماننا، اس کی عبادت کرنا شرک فی الالوھیۃ یا شرک فی العبادۃ ہے۔ جیسا کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ مشرکینِ عرب نے اپنے نیک لوگوں کے مرنے کے بعد ان کی مورتیاں بنالی تھیں اور انہیں اپنا الٰہ و معبود بنالیا تھا۔ بتوں کو نذر پیش کیا کرتے تھے۔ ان کو سجدہ کرتے تھے۔ ان سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کے ان نیک بندوں کی روحانیت ان کی مورتیوں میں آگئی ہے۔ ان نیک بندوں نے اللہ کی اتنی زیادہ عبادت کی ہے کہ اب وہ اس بات کہ مستحق ہو چکے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ انہیں معبود مانا جائے، کیوں کہ اللہ نے انہیں بڑا مرتبہ دیا ہے اور انہیں اپنا شریک بنالیا ہے۔ لہٰذا ان کی عبادت کرنے سے اللہ راضی ہوگا۔ وہ ان کے معبود ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے تھے۔

مَانَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَااِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (الزمر: ۳)

ہم ان بتوں کی عبادت بس اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشرک قوم نے کہا تھا:

نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ. (الشعراء: ۷۱)

ترجمہ: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انہیں ہمیشہ معبود اختیار کئے رہیں گے۔

اہل سنت پر وہابی، دیوبندی گروہ کی ایک بڑی تہمت

وہابی، دیوبندی گروہ کے لوگ اہل سنت و جماعت پر ایک بڑی تہمت یہ لگاتے ہیں کہ یہ لوگ

انبیاء واولیاء کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو مشرکین اپنے بتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ مشرکین اپنے بتوں کو مدد کے لئے پکارتے تھے اور سنی لوگ رسول کو مدد کے لئے یارسول اللہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ مشرکین بتوں کو مدد کے لئے پکارتے تھے، اللہ نے ان کے پکارنے کو شرک قرار دیا اور قرآن میں اس کی مذمت بیان کی گئی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا. (النساء: ۱۱۷)

ترجمہ: مشرکین نہیں پکارتے ہیں مگر سرکش شیطان کو۔

معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا شرک ہے، جس کے مرتکب، یارسول اللہ اور یاغوث پکارنے والے ہیں۔

اہل سنت پر یہ تہمت دراصل ایک گمراہ کن مغالطے یا جہالت کی بنیاد پر لگائی گئی ہے۔ تہمت لگانے والوں کو یا تو یہ معلوم ہی نہیں یا یہ جان کر بھی لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں کہ قرآن حکیم میں لفظ دعا بعض مقام پر عبادت کے معنی میں ہے اور بعض جگہ ''ندا'' (پکارنے) کے معنی میں ہے، عبادت کے معنی میں نہیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ. (محمد: ۳۸)

ترجمہ: ہاں تم ہی وہ لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے پکارا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ بخیلی کرتے ہیں۔

البتہ اللہ کو پکارنا بہر حال محض عبادت ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو الٰہ (معبود) سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ اللہ کے محبوب بندوں کو اللہ کی مدد کا واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں۔ کیوں کہ حقیقی مددگار اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ کے بندے (خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء) اللہ کی مدد کے واسطے اور ذرائع ہیں۔ انہیں مجازاً مددگار کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی بندے کو حقیقی مددگار مانے، یعنی اُسے اِلٰہ مانے اور اسے مدد کے لئے پکارے تو یقیناً شرک ہوگا۔

مشرکین بتوں کو الٰہ سمجھ کر مدد کے لئے پکارتے تھے۔ بتوں کو وہ الٰہ مانتے تھے۔ جیسا کہ

حضرت ہود علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا تھا:

یَاهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ. (ہود: ۵۳)

ترجمہ: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے (اپنے رسول ہونے پر) اور ہم اپنے معبودوں (بتوں) کو تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں اور ہم تم کو ماننے والے نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بتوں کو توڑا تھا تو آپ کی قوم نے آپ سے پوچھا تھا:

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یَاۤاِبْرَاهِیْمُ. (الانبیاء: ۶۲)

ترجمہ: کیا تم نے یہ کام کیا ہے ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم؟

جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، تم بتوں کی عبادت کرنا چھوڑ دو تو وہ انکار کرتے تھے اور کہتے تھے:

ءَاِنَّا لَتَارِكُوْاۤ اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ. (الصافات: ۳۶)

ترجمہ: کیا ہم ایک شاعر مجنون کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

معاذ اللہ! مشرکین مکہ نبی پاک ﷺ کو شاعر مجنون کہتے تھے۔ حالاں کہ یہ ان کی ایسی گستاخی ہے جو خود ان کی جہالت کا منہ چڑھاتی ہے۔ کیوں کہ ہر عقل مند جانتا ہے کہ جو مجنون ہے وہ شاعر نہیں ہوسکتا اور جو شاعر ہے وہ مجنون نہیں۔ لہٰذا نبی کی شان میں دشنام طرازی کی یہ بات خود ان مشرکین کی جہالت کی دلیل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت، اللہ کے محبوب بندوں (انبیاء و اولیاء) سے جو مدد مانگتے ہیں اور انہیں بطور استغاثہ پکارتے ہیں تو انہیں الٰہ اور حقیقی مددگار نہیں سمجھتے بلکہ اللہ کی مدد کا واسطہ سمجھتے ہیں اور مشرکین بتوں کو الٰہ و معبود سمجھتے اور کہتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے لہٰذا مشرکین اور ان کی بتوں کی مذمت میں جو قرآنی آیات ہیں انہیں صحیح العقیدہ مسلمانوں پر محمول کرنا اور یہ کہنا کہ سنی لوگ انبیاء و اولیاء کو معبود سمجھ کر پکارتے ہیں سراسر بہتان تراشی اور مسلمانوں سے بدگمانی کی بدترین مثال ہے۔ وہابیوں اور دیوبندیوں نے یہ عادت درحقیقت فرقۂ خوارج سے مستعار لی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خوارج کی یہ عادت بیان فرمائی ہے کہ:

اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰی اٰیَاتٍ نَزَلَتْ فِی الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ.

(بخاری شریف، باب قتل الخوارج)

ترجمہ: خوارج نے کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو لے کر مومنوں پر ڈال دیا۔

قرآنی آیات کے غلط معانی بیان کرکے اور اپنی بدگمانی کو بنیاد بنا کر خوارج نے حضرت علی و معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہا تھا جب کہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عمرو بن العاص اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو نزاعی معاملات میں حَکَم (فیصل) بنایا تھا تو خوارج نے قرآن کی آیت: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (فیصلہ صرف اللہ کیلئے ہے) سے استدلال کرتے ہوئے ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر و مشرک ٹھہرایا تھا۔ اُنہی خوارج کی پیروی کرتے ہوئے محمد بن عبدالوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ھ) نے حرمین طیبین کے سنی علماء و عوام کو مشرک و کافر ٹھہرایا اور انہیں قتل کروایا اور محمد بن عبدالوہاب کی پیروی کرتے ہوئے آج کے اہل حدیث (وہابی) دیوبندی و تبلیغی، صحیح العقیدہ مسلمانوں (اہل سنت وجماعت) کے علماء و عوام کو قبر پرست اور مشرک و بدعتی کہہ رہے ہیں۔ آج کی یہ کوئی نئی بات نہیں جس پر تعجب کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو صحیح فہم و فکر عطا فرمائے۔

مفہومِ شرک میں ایک بڑا مغالطہ اور اس کا ازالہ

توحید اور شرک کے مفہوم میں کچھ لوگ ایک بہت بڑے مغالطے میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ علم، قدرت، ارادہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، لہٰذا کسی بندے کے لئے یہ صفات ماننا شرک ہے۔ اس کی تعبیر وہ شرک فی الصفات سے کرتے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے لئے غیر معمولی علم، قدرت اور غیر معمولی قوتِ سماعت و بصارت ثابت ماننے کو "شرک فی الصفات" تصور کرتے ہیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ غیب کی باتوں کا علم اللہ کی صفت ہے، لہٰذا غیب کا علم انبیاء کے لئے ثابت ماننا، غیر اللہ کو اللہ کی صفات میں شریک ٹھہرانا ہے اور یہ شرک فی الصفات ہے۔ وہ یہ بھی

کہتے ہیں کہ غیر معمولی دور کی باتوں کو غیر عادی طور پر سننا، پوشیدہ امور کو دیکھنا، مخلوق کی حاجت روائی کرنا، مصیبتوں میں مدد کرنا، پناہ دینا، یہ سب اللہ کی صفات وافعال ہیں۔ یہ صفات وافعال اللہ کے سوا کسی بندے کے لئے ماننا شرک ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے، جس کی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے انبیاء کرام علیہم السلام اور اللہ کے ولیوں کے غیر معمولی اختیارات وتصرفات کا انکار کرتے ہیں اور انہیں بارگاہ الٰہی میں اپنی حاجتوں کا وسیلہ بنانے، ان سے مدد چاہنے اور ان کی پناہ اختیار کرنے اور ان سے فریاد کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ اس مغالطے سے بچنے اور صحیح العقیدہ سادہ لوح مسلمانوں کو بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ "شرک فی الصفات" کے صحیح مفہوم سے انہیں آشنا کر دیا جائے۔

شرک فی الصفات کیا ہے؟

شرک فی الصفات کا مطلب ہے اللہ کی صفات کی طرح کوئی صفت اللہ کے سوا کسی کے لئے ممکن یا ثابت ماننا۔ اللہ کی صفات کیسی ہیں؟ وہ ازلی، ابدی، غیر فانی ہیں۔ اللہ کی ذات سے ان کا جدا ہونا محال ہے۔ ان کی کوئی حد وانتہا نہیں۔ از خود اللہ کی ذات ان سے متصف ہے۔ وہ کسی کی عطا سے نہیں۔ اس کو تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ یوں کہہ سکتے ہیں کہ علم، قدرت، حیات، سننا، دیکھنا، ارادہ، مشیت، کلام اور مدد کرنا، حاجت روائی کرنا، پناہ دینا، عطا کرنا وغیرہ اللہ کی تمام صفات وافعال غیر فانی، ازلی وابدی، غیر محدود اور ذاتی ہیں اور ان صفات وافعال میں سے اللہ نے جو کچھ اپنے بندوں کو ان کے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے عطا فرمایا ہے وہ اللہ کی صفات وافعال کے مقابلے میں محدود ہیں، اللہ کی عطا سے ہیں، حادث وممکن ہیں۔

قابل توجہ نکتہ: اللہ رب العزت کے سوا کسی ذات کے اندر عطائی حادث اور محدود طور پر اللہ کی صفات ماننے سے شرک کا خطرہ تو یقیناً ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن صرف اس بنیاد پر کہ اللہ کی بعض صفات

اللہ ہی کی عطا سے حادث ومحدود طور پر ماننے سے شرک ثابت نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی صفت کسی کے اندر اس طرح مان لی جائے اور اس کا عقیدہ بنالیا جائے، ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ مذکورہ قید کے ساتھ کوئی صفت ماننے سے پہلے اور بھی دو باتوں کا قرآن وسنت سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ کون سی صفت مان سکتے ہیں اور کیسی ذات کے لئے مان سکتے ہیں۔ اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ (۱) غیر اللہ کے اندر جو صفت مان رہے ہیں وہ صفت اللہ کی طرف سے عطا کی قابل ہے یا نہیں؟ اگر قابل عطا ہے تو مان سکتے ہیں اور اگر وہ صفت قابل عطا ہی نہیں ہے تو اسے غیر اللہ کے اندر عطائی حادث اور محدود بھی نہیں مان سکتے۔

(۲) اللہ کی کوئی صفت اللہ کے سوا کسی کے لئے قابل عطا تو ہو لیکن یہ بھی دیکھنا ہے کہ جس ذات یا فرد یا طبقے کے اندر وہ صفت مان رہے ہیں، اُن کے لئے ایسی صفات کا اللہ کی طرف سے عطا ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو مانا جائے۔ لیکن اگر قابل عطا صفت کو بھی ایسے افراد کے اندر مانا جائے جو افراد قرآن وحدیث کی روشنی میں ان صفات کے حامل نہیں ہو سکتے تو ایسی صورت میں قابل عطا صفات کو عطائی، حادث اور محدود طور پر ماننے کے باوجود بے اصل اور نا اہل کے لئے ماننے کی وجہ سے کفر یا گمراہی اور عقیدے کے اعتبار سے بدعت وفسق ہو جائے گا۔ اس لئے کسی صفت الٰہی کو بندوں کے اندر ماننے کے لئے تین شرطیں ہیں۔

پہلی شرط: ایسی صفت مانی جائے جو قابل عطا ہو۔

دوسری شرط: ایسے افراد کے لئے مانی جائے جو قرآن وحدیث کے مطابق اس صفت کے اہل ولائق ہو سکیں۔

تیسری شرط: پہلی دو شرائط کی تکمیل کے بعد جو صفت بھی (قرآن وحدیث کی روشنی میں) ثابت مانی جائے اسے محدود مانا جائے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اللہ کی عطا کردہ صفات ماننا شرک نہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے جو غیر معمولی اختیارات وتصرفات اور صفات ثابت ہیں، مثلا غیب کی باتوں کا جاننا، حاجت روائی کرنا، اپنے ماننے والوں کو فیوضاتِ الٰہیہ عطا کرنا، غیر عادی طور پر دور کی چیزوں کو دیکھنا، پوشیدہ وغیر محسوس چیزوں کا مشاہدہ کرنا، ان واحد میں زمین کی لمبی مسافت طے کرنا وغیرہ، سب اللہ کی عطا کردہ صفات واختیارات ہیں۔ یہ اللہ کی صفات کی بہ نسبت محدود ہیں، حادث ومخلوق ہیں۔ اللہ کے ارادے اور مشیت کے تحت داخل ہیں۔ اولیاء اللہ کی غیر معمولی صفات واختیارات کا بھی یہی حال ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء کی مذکورہ صفات واختیارات، اللہ کی صفات واختیارات کی طرح نہیں۔ جب یہ صفات اللہ کی صفات کی طرح نہیں تو ان صفات کو انبیاء واولیاء کے لئے ثابت ماننا "شرک فی الصفات" کیسے ہوگا؟

قرآن حکیم اور احادیث کریمہ میں بعض صفات جو اللہ کے لئے ذکر کی گئی ہیں، وہی صفات خود قرآن وحدیث میں اللہ کے علاوہ کے لئے بھی مذکور ہیں۔ غیر اللہ کیلئے ان صفات کو ثابت ماننا اگر شرک ہے تو معاذ اللہ یہ لازم آئے گا کہ خود قرآن وحدیث میں شرک ماننے کی تعلیم موجود ہے۔ کوئی بھی مسلمان ایسا گندہ خیال دل میں نہیں لاسکتا۔ ملاحظہ کیجئے چند ایسی صفات، جو اللہ نے اپنے لئے بھی ذکر کی ہیں اور اپنے بندوں کے لئے بھی۔

(۱) عَلِیْمٌ: اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ قرآن حکیم سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۱۵ میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ قرآن حکیم سورہ یوسف آیت: ۷۶ میں ہے: وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ: یعنی ہر صاحب علم کے اوپر ایک علم والا ہے۔ یہاں اللہ کے علاوہ بندوں کے لئے بھی صفت علم کو ثابت کیا گیا اور ان کو بھی علیم کہا گیا۔

(۲) وَلِی وَمَوْلیٰ: ولی اور مولیٰ (مددگار) اللہ کے دو صفاتی نام ہیں۔ قرآن حکیم سورہ ال عمران آیت ۶۸ میں ہے: وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اور سورہ ال عمران آیت ۱۵۰ میں ہے: بَلِ اللّٰہُ

مَوْلٰکُمْ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ کو ولی اور مولیٰ کہا گیا ہے اور خود قرآن حکیم میں اللہ کے رسول ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام اور مومنینِ صالحین کو بھی ولی اور مولیٰ کہا گیا ہے۔

قرآن حکیم سورۃ المائدہ آیت ۵۵:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ.

ترجمہ: بیشک تمہارا ولی (مددگار) اللہ ہے اور اس کے رسول اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرنے والے ہیں۔

سورۃ التحریم آیت ۴: فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَمَوْلٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ.

ترجمہ: بے شک اللہ ہی ان کا مولیٰ (مددگار) ہے اور جبریل اور نیک مومنین۔

ترمذی شریف باب مناقب علی ابن ابی طالب میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ ترجمہ: جس کا میں مولیٰ ہوں علی اس کا مولیٰ ہے۔

قرآن وحدیث میں اللہ کو ولی ومولیٰ یعنی مددگار کہا گیا اور اللہ کے رسول ﷺ، جبرئیل علیہ السلام اور مومنین صالحین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی مولیٰ کہا گیا ہے تو کیا یہ ماننا یا کہنا شرک فی الصفات ہے؟ اس ظاہری تضاد سے بچنے کے لئے یہی کہنا ہوگا کہ اللہ، ولی ومولیٰ (مددگار) خود سے ہے، ازل سے ہے اور اللہ کے رسول ﷺ، جبرئیل علیہ السلام اور مومنینِ صالحین اور حضرت علی، ولی ومولیٰ (مددگار) اللہ کی عطا سے ہیں اور ازل سے نہیں۔

(۳) سَمِیْع وَبَصِیْر (سننے والا، دیکھنے والا) اللہ کے دوصفاتی نام ہیں۔

سورۃ المجادلہ آیت ۱: اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے اور یہی دونوں صفات، اللہ نے عام انسانوں کے لئے بھی ذکر فرمائی ہیں۔ چنانچہ سورۃ الدھر آیت ۲۸ میں ہے: فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ ہم نے انسان کو سننے والا دیکھنے والا بنایا۔ قرآن حکیم کے مطابق اللہ سننے والا، دیکھنے والا اور قرآن ہی کے مطابق انسان بھی سننے والا، دیکھنے والا۔ تو کیا انسان کو سننے والا دیکھنے والا ماننا شرک ہے؟ نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کی صفات اور بندوں کی صفات میں

بہت بڑا فرق ہے۔

(۴) رؤف ، رحیم و عزیز: اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ہیں۔

سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ بیشک اللہ لوگوں پر بہت ہی مہربان، رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۷۱ میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. ترجمہ: بے شک اللہ عزیز (غالب) حکمت والا ہے۔

اور سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ میں ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس آ گیا ایک رسول تم میں سے، اس پر مشکل ہے تمہارا مشقت میں پڑنا، تمہاری بھلائی کا بہت خواہاں، مومنوں پر بہت ہی مہربان، رحم والا۔

اس آیتِ کریمہ میں حضور ﷺ کو رؤف، رحیم اور عزیز کہا گیا ہے، جب کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ بھی رؤف، رحیم و عزیز اور اللہ کے رسول بھی رؤف و رحیم اور عزیز۔ یہ ہم نہیں، بلکہ قرآن کہہ رہا ہے، تو کیا اللہ کے رسول کو رؤف و رحیم اور عزیز کہنا شرک ہے؟ اگر یہ شرک ہے تو کیا معاذ اللہ قرآن میں شرک کی تعلیم موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ رؤف و رحیم اور عزیز، اللہ خود سے ہے۔ اسے کسی نے رؤف و رحیم نہیں بنایا۔ اس کا رؤف و رحیم اور عزیز ہونا ازلی و ابدی ہے رسول کو رؤف و رحیم اور عزیز، اللہ نے بنایا۔ آپ کا رؤف و رحیم اور عزیز ہونا اللہ کی عطا سے ہے، ازلی و ابدی نہیں۔ اگر یہ فرق نہ مانا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن میں رسول کو رؤف و رحیم اور عزیز کہہ کر شرک فی الصفات کا ارتکاب کیا گیا ہے اور یہ الزام کس ذات پر آئے گا ذرا سوچو! تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (بلند و برتر ہے اللہ اس سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں)۔

(۵) نَصِيْر (مددگار)

ہجرت کا حکم آنے کے بعد کئی مسلمان مجبوری کی وجہ سے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور کفار مکہ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دے رہے تھے۔ وہ مسلمان گڑگڑا کر اپنے رب سے دعا کرتے تھے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

نَصِیْرًا. (سورہ نساء ۷۵)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس گاؤں سے باہر نکال لے۔ یہ گاؤں (مکہ) والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی کارساز بنا اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی ''مددگار'' بنا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بندہ بھی نصیر (مددگار) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ''نصیر'' ہے۔ جیسا کہ سورۂ نساء آیت ۴۵ میں ہے: وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِیْرًا۔ اور اللہ مددگار کافی ہے۔

اللہ بھی نصیر (مددگار) اور اللہ کا بندہ بھی نصیر (مددگار) تو کیا بندے کو نصیر ماننا شرک ہے؟

اگر یہ شرک ہے تو کیا معاذ اللہ قرآن میں شرک پر مشتمل دعا موجود ہے؟

بندہ کو مددگار ماننا شرک نہیں کیونکہ بندہ، اللہ کی طرف سے مددگار ہوتا ہے اور اللہ خود سے مددگار ہے، بندے کی مدد درحقیقت اللہ کی مدد ہے کیوں کہ وہ اسی کی تخلیق اور ارادے سے ہے۔

بندے کو اللہ کی طرح مددگار ماننا یا اللہ کے مقابل مددگار ماننا شرک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (البقرہ: ۱۰۷)

ترجمہ: اور تمہارے لئے اللہ کے مقابل کوئی ولی (کارساز) اور نصیر (مددگار) نہیں۔

اہل سنت کے مخالف فرقے (وہابی، دیوبندی وغیرہ) آیت مذکورہ کا غلط معنی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی بندے کو کارساز اور مددگار ماننا شرک ہے۔ ان کے بقول اگر یہ شرک ہے تو پھر قرآن میں بندے کو کارساز اور مددگار کیسے کہا گیا؟

اہل سنت وجماعت انبیاء واولیاء اور اللہ کے نیک بندوں کو اپنا مددگار، اللہ کے مقابل یا اللہ کی طرح نہیں مانتے بلکہ اسی طرح کا مددگار مانتے ہیں جس طرح کا مددگار انہیں قرآن میں کہا گیا ہے، وہ یہ کہ اللہ نے انہیں ہمارا مددگار بنایا، انہیں ہمارا حامی اور کارساز بنایا تو وہ مددگار بنے۔ ان کی نصرت اور مدد اللہ کے اذن وارادے کے بغیر ہمیں حاصل نہیں ہوتی۔ پھر بھی اہل سنت کو وہابی، دیوبندی شرک کے مرتکب ٹھہراتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے!۔

پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی بھی اعتبار سے معبود ماننا، اس کی عبادت کرنا یا اس کی صفات کی طرح کسی بندے میں کوئی صفت یا اللہ کے افعال کی طرح کسی میں کوئی فعل ماننا شرک ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کے علم جیسا علم کسی بندے کے لئے ماننا شرک ہے۔ اللہ کی قدرت جیسی قدرت کسی بندے میں ماننا شرک ہے۔ اللہ کے سننے اور دیکھنے جیسا سننا اور دیکھنا کسی بندے کے لئے ماننا شرک ہے۔ کسی بندے کے لئے اللہ کے اختیار و تصرف جیسا اختیار و تصرف ماننا شرک ہے۔ اللہ یا اللہ کی طرح کسی بندے کو اپنا مددگار ماننا شرک ہے۔ صحیح العقیدہ مسلمان، انبیاء و اولیاء کے لئے ان کے مراتب کے لحاظ سے جو غیر معمولی تصرفات و اختیارات مانتے ہیں وہ قطعاً اللہ کے تصرفات و اختیارات جیسے نہیں۔ ان کی صفات کو اللہ کی صفات کی طرح نہیں مانتے، بلکہ ان کی صفات اور اللہ کی صفات میں درج ذیل فرق بیان کرتے ہیں۔
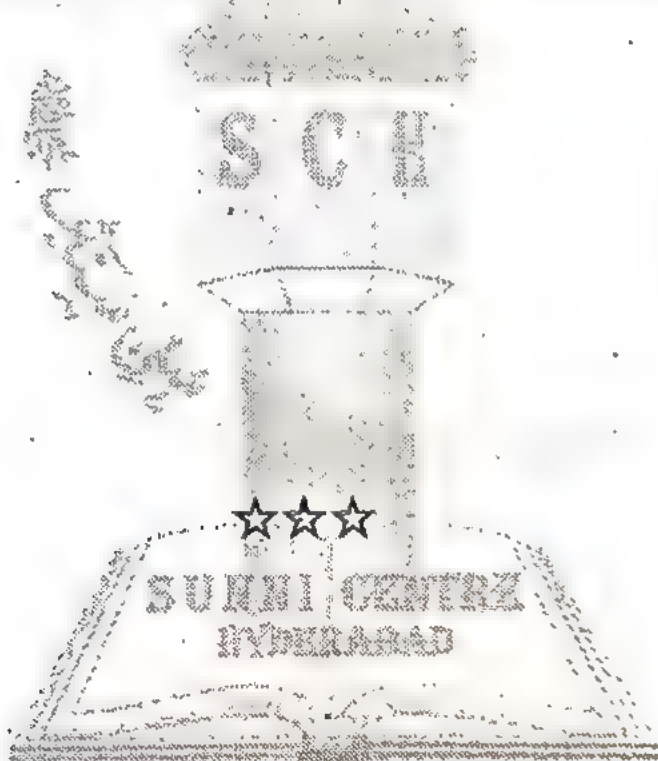
اللہ کی صفات اور انبیاء واولیاء کی صفات میں وجوہ فرق

(۱) اللہ کی صفات ''ازلی وابدی'' ہیں۔	(۱) انبیاء واولیاء اور اللہ کے بندوں کی صفات فانی وحادث ہیں۔
(۲) اللہ کی صفات اللہ کی ذات کیلئے واجب ہیں، ذات سے ان کا جدا ہونا ممکن نہیں۔	(۲) انبیاء واولیاء کی صفات ان کی ذات کیلئے واجب نہیں۔ذات سے ان کا جدا ہونا فی نفسہٖ ممکن ہے۔
(۳) اللہ کی صفات غیر محدود ہیں۔	(۳) انبیاء واولیاء کی صفات محدود ہیں۔
(۴) اللہ کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔ (نہ اللہ ہیں نہ اللہ کی ذات سے جدا ہو سکتی ہیں)	(۴) انبیاء واولیاء کی صفات غیر ذات ہیں۔
(۵) اللہ کی صفات مخلوق وحادث نہیں۔	(۵) انبیاء واولیاء کی صفات مخلوق وحادث ہیں۔
(۶) اللہ کی صفات کسی کی عطا سے نہیں۔	(۶) انبیاء واولیاء کی صفات اللہ کی عطا کردہ ہیں۔

اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات سے اپنے مخصوص ومقرب بندوں (انبیاء واولیاء) کو متصف فرمایا ہے۔مثال کے طور پر یہ کہ اللہ نے اپنے رسولوں کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔انہیں عالم میں تصرف کرنے کی غیر معمولی قدرت عطا فرمائی ہے۔انبیاء اور اولیاء کرام کو عام بندوں کی قدرت سے زیادہ قدرت عطا فرمائی ہے اور ان کی یہ صفات اللہ کی عطا کردہ ہیں، اللہ کی مشیت وارادے پر موقوف ہیں۔اللہ کی صفات کی بہ نسبت محدود ہیں، ممکن ومخلوق ہیں اور اس عقیدے پر قرآن وحدیث کے مضبوط، نا قابل تردید دلائل موجود ہیں۔پھر بھی ظلم وستم کی بات یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت پر شرک کے حامل ہونے کا الزام رکھا جاتا ہے۔حالانکہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔جو لوگ اہل سنت وجماعت پر شرک کا الزام رکھتے ہیں در حقیقت ان کا یہ الزام اللہ اور اس کے رسول پر عائد ہوتا ہے۔کیوں کہ قرآن وحدیث میں اُس عقیدے کے حق ہونے کا ثبوت موجود ہے، جسے اہل سنت وجماعت کے مخالفین ''شرک فی

الصفات" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو صحیح سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ شرک فی الصفات میں ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے، کیونکہ انسان کے تعلق سے خود اللہ کا کلام: فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا ؕ بَصِيْرًا (سورۃ الانسان آیت: ۲) (ہم نے انسان کو سننے والا، دیکھنے والا بنایا) یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا تو وہ سمیع و بصیر بنا۔ پتہ چلا کہ صفات میں ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ پھر مخالفینِ اہل سنت کی یہ بات بے بنیاد ہے یا نہیں کہ اللہ کی صفات اور بندوں کی صفات میں ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا من گھڑت ہے؟

شرک فی الافعال

توحید فی الافعال کی ضد شرک فی الافعال ہے۔ توحید فی الافعال کا بیان توحید کے بیان میں گزر چکا۔ شرک فی الافعال کا اجمالی بیان یہ ہے کہ اللہ کے افعال کی طرح کسی بندے میں افعال مانے جائیں۔ مثلاً مدد کرنا، مارنا، زندگی دینا، روزی دینا، عزت دینا، ذلت دینا وغیرہ اللہ کے افعال خود اللہ کی ذات سے صادر ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے پر موقوف نہیں۔ کسی کی عطا سے نہیں۔ کسی کی قدرت وارادے کے تابع نہیں اور ان افعال کی نسبت بندوں کی طرف بھی کی جاتی ہے لیکن یہ نسبت حقیقی نہیں کیوں کہ بندوں سے یہ افعال صادر ہوتے ہیں بطور واسطہ۔ بندوں کے افعال، اللہ کے خلق وارادہ پر موقوف ہیں۔ اللہ پیدا نہ فرمائے تو بندے کا کوئی بھی فعل وجود میں نہیں آسکتا۔

لہٰذا اللہ کے محبوب بندوں (انبیاء واولیاء) کے لئے بطور معجزہ یا کرامت مردوں کو زندگی دینا اور زندہ شخص کو غیر عادی طور پر موت کے آغوش میں دینا، روزی پہنچانا، مدد کرنا اور اس طرح کے افعال غیر عادی طور پر ماننا شرک فی الافعال نہیں۔ جیسا کہ توحید فی الافعال کے بیان میں گزرا کہ قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ میں مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک مار کر زندہ پرندہ بنا دیتا ہوں۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھ کو شفا

دیتا ہوں۔ مردے جلاتا ہوں۔ لیکن یہ سب کام اللہ کے اذن سے ہوتا ہے اس لئے نبی کے لئے یہ افعال ماننا شرک نہیں۔

بعض وہ امور جن کے کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے

﴿۱﴾ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی مگر جب کہ باری تعالیٰ کا انکار کرے یا شرک کرے یا نبوت کا انکار کرے یا ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے تو اسے کافر کہا جائے گا۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں سے کسی ایک کا انکار کرے۔ نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کی باتیں بولے یا لکھے، مثال کے طور پر، کوئی کتنا ہی بڑا عالم وفاضل کیوں نہ ہو اگر یہ کہے کہ شیطان کا علم نبی پاک ﷺ کے علم سے زیادہ ہے تو وہ کافر ہے۔ جیسا کہ دیوبندیوں کے مقتدا مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا: ”شیطان وملک الموت کو یہ وسعت (وسیع علم) نص (قرآن وحدیث) سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم ﷺ کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۵۲، امدادیہ دیوبند)

اگر کوئی کہے کہ رسول خدا سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آسکتا ہے، جیسا کہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ غلام احمد قادیانی نبی ہے اور مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی نے لکھا: ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمانہ میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے“۔

(تحذیر الناس ص ۲۵ قاسمی پریس دیوبند)

اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے بارے میں کہے کہ ایسا علم غیب تو ہر بچے، پاگل بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو حاصل ہے تو یہ نبی کی شان میں گستاخی ہے، جو کفر ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا: پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم

(چوپایوں) کے لئے بھی حاصل ہے"۔ (حفظ الایمان ص ۸ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے لیکن نبی کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہے یا عقیدۂ ختم نبوت کا منکر ہے، یا دین کے ضروری امور میں سے کسی کا منکر ہے تو وہ اہل قبلہ نہیں۔ شرح فقہ اکبر میں قاضی عضد الدین کے حوالے سے ہے:

ولایکفراحد من اهل القبلة الا فیما فیه نفی الصانع القادر العلیم اوشرک او انکار للنبوة اوما علم مجیئه بالضرورةِ اوالمجمع علیه کاستحلال المحرمات واما ماعداه فالقائل به مبتدع لا کافرا نتهیٰ ولا یکفی ان المراد بقول علماء نالانجوز تکفیراهل القبلة بذنب، لیس مجرد التوجه الی القبلة، فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبرائیل علیه السلام غلط فی الوحی، فان الله تعالیٰ ارسله الیٰ علی رضی الله عنه، وبعضهم قالوا: انه اِلٰهٌ وان صلّوا الی القبلة لیسوا بمومنین وهذا هوالمراد بقوله من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبحتینا فذالک المسلم الذی له ذمّةُ الله ورسوله فلا تخفروا الله فی ذمته کذااوردهُ البخاری فی الصحیح. (شرح فقہ اکبر ملاعلی قاری ص ۲۷۰)

ترجمہ: کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا سوا اس صورت کے کہ اس میں صانع، قادر علیم (پروردگار) کا انکار ہو یا شرک ہو یا نبوت کا انکار ہو یا ایسے امر کا انکار ہو جس کا دین سے ہونا ضروری طور پر معلوم ہو (یعنی وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو اور عام وخاص مسلمان اسے جانتے ہوں جیسے نماز کی فرضیت اور نبی آخر الزماں ﷺ کا خاتم النبیین ہونا) یا حرام قطعی کو حلال سمجھنا، جس کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے جیسے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے نکاح کو حلال سمجھنا۔ ان چیزوں سے آدمی کافر ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہیں تو کافر نہیں ہوگا بلکہ گمراہ ہوگا۔ ہمارے علماء نے یہ جو فرمایا ہے کہ ہم کسی اہل قبلہ کو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہیں گے تو اہل قبلہ سے مراد وہ شخص نہیں جو صرف ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ جیسا کہ غالی روافض یہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی ہے۔ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس وحی لے کر بھیجا تھا لیکن جبرئیل علیہ السلام نے غلطی سے ان تک وحی نہیں پہنچائی اور

بعض روافض نے علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ (معبود) کہا۔ یہ لوگ اگرچہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں لیکن مومن نہیں۔ یہی مراد ہے اس حدیث پاک سے جس میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا "جس نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو قبلہ بنایا۔ ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے، اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے (اس کا خون محفوظ ہے) لہٰذا تم اللہ کے عہد کو نہ توڑو (اس مسلمان کے خون کو حلال نہ جانو) یہ حدیث بخاری میں ہے۔

﴿۲﴾ اگر کوئی شخص بالارادہ کلمۂ کفر بولے، اگرچہ اس کا عقیدہ کفر کا نہ ہو تو بھی اسے کافر کہا جائے گا۔ کیوں کہ اس نے برضا و رغبت کلمۂ کفر بولا، اگرچہ وہ اس کے حکم سے راضی نہیں۔ مثلاً کوئی شخص مذاق میں کہے "میرا یہ کام اللہ بھی نہیں کر سکتا"۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ اس کے حکم (کفر) سے راضی نہ ہو اور اگر وہ یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو بھی اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا اور اس کی تکفیر کی جائے گی۔

علامہ علی قاری نے امام قونوی کے حوالے سے تحریر فرمایا:

وَلَوْ تَلَفَّظَ بِكَلِمَةِ الْكُفْرِ طَائِعًا غَيْرَ مُعْتَقِدٍ لَهُ يَكْفُرُ لانّه راضٍ بمباشرته، وان لم يرض بحكمه كالهازل به فانه يكفر وان لم يرض بحكمه ولايعذر بالجهل وهذا عند عامة العلماء خلافا للبعض. (شرح فقہ اکبر ص ۲۷۹)

ترجمہ: اگر کسی نے قصداً کوئی کفر کی بات کہی اگرچہ اس کا عقیدہ کفر کا نہ ہو تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ کیوں کہ وہ کلمۂ کفر بولنے پر راضی ہے۔ اگرچہ اس کے حکم (کافر ہونے) سے راضی نہیں۔ مثلاً کوئی مذاقاً کلمۂ کفر بولے تو اسے کافر کہا جائے گا اگرچہ وہ کلمۂ کفر بولنے کے حکم (کافر ہونے) سے راضی نہ ہو۔ اس چیز میں اس کی لاعلمی کو عذر نہیں مانا جائے گا۔ چند کو چھوڑ کر جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

﴿۳﴾ اگر کوئی شخص دوسرے کو ہنسانے کے لئے کلمۂ کفر بولے تو وہ کافر ہو جائے گا اور سننے والے اگر اس کے کلمۂ کفر کو سن کر اپنی خوشی ظاہر کرتے ہوئے ہنسیں تو وہ بھی کافر ہوں گے۔

شرح فقہ اکبر میں ہے:

مَنْ ضَحِكَ مَعَ الرِّضَاءِ عَمَّنْ تَكَلَّمَ بِالْكُفْرِ كَفَرَ.

اور مجمع الفتاویٰ کے حوالے سے اسی میں ہے:

مَنْ تَكَلَّمَ بِكلمة الْكُفرِ وَضَحِكَ بِهِ غَيْرُهُ كَفَرَ. (شرح فقہ اکبر ص ۲۷۵)

﴿۴﴾ شرح فقہ اکبر میں تتمۃ الفتاویٰ کے حوالے سے ہے:

مَنِ اسْتَخَفَّ بِالْقُرْاٰنِ اَوْ بِالْمَسْجِدِ اَوْ بِنَحْوِهٖ مِمَّا يُعَظَّمُ فِى الشَّرْعِ كَفَرَ.

(شرح فقہ اکبر ص: ۲۷۸)

ترجمہ: جس شخص نے قرآن یا مسجد یا اس طرح کی کوئی چیز جو شریعت میں قابل تعظیم ہے اس کو ہلکا سمجھے (یا اس کی توہین کرے) تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

﴿۵﴾ اسی میں جواہر الفقہ کے حوالے سے ہے:

مَنْ سَمِعَ قِرَاءَ ةَ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اسْتِهْزَاءً بِهَا، صَوْتُ طَرفةٍ كفر، اى نغمة عجيبة وانما يكفر اِذَا قصدا لِاسْتِهْزَاءَ بالقراءَ ةِ نَفْسِهَا بِخِلَافِ مَا اِذَا اسْتَهْزَأَ بِقَارِءِ هَا من حيثية قبح صوته فيها أو غرابة تاديته لها. (شرح فقہ اکبر ص ۲۷۹)

ترجمہ: جس نے قرآن کی قرأت سن کر قرأت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: یہ عجیب نغمہ ہے تو وہ کافر ہو گیا، جب کہ قرأت کا مذاق اڑانے کا قصد کیا ہو، لیکن قاری کی آواز قبیح ہو یا قرأت غیر مشروع طریقے سے کرے تو اگر اس کا مذاق اڑایا تو کافر نہیں ہوگا۔

﴿۶﴾ اسی میں الفتاوی الظہیریۃ کے حوالے سے ہے:

مَنْ قَرَأَ اٰيَةً مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلٰى وَجْهِ الْهَزْلِ كفر، قلت: لانه تعالىٰ قال: اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ. (الطارق ۱۳) (شرح فقہ اکبر ص ۲۷۹)

ترجمہ: جس نے قرآن کی کوئی آیت بطور ہزل (ٹھٹھا) پڑھی وہ کافر ہو گیا۔ علامہ علی قاری نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں فرمایا: یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ مذاق نہیں۔

﴿۷﴾ کسی آدمی کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے بلایا گیا تو اس نے کہا: میں تنہا نماز پڑھوں گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى ۔ یہ کہنے کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا۔ کیوں کہ استہزاءً اس نے قرآن کا معنی بدل دیا۔ (شرح فقہ اکبر ص ۲۸۰)

﴿۸﴾ بعض لوگ اپنی جہالت کی بنیاد پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ "میں رام رحیم کچھ نہیں جانتا" یہ کلمہ کفر ہے۔ ایسا بولنے والے پر توبہ، تجدید ایمان واجب ہے۔

﴿۹﴾ جو یہ کہے کہ میں کافر کو کافر نہیں جانتا یا یہ کہ میں نہیں جانتا کہ کافر کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ تو وہ کافر ہے۔

مَنْ قَالَ لَا اَعْرِفُ الْكَافِرَ كَافِرًا فَهُوَ مِثْلُهُ لِاَنَّ الْاَشْيَاءَ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِهَا فَلَمَّا لَمْ يَعْرِفِ الْكُفْرَ لَمْ يَعْرِفِ الْاِيْمَانَ وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ لَا اَدْرِىْ اَيْنَ يَصِيْرُ الْكَافِرُ فَاِنَّهُ يَكْفُرُ لِاَنَّ اللّٰهَ تعالى اَعْلَمَنَا اَنَّ مَصِيْرَهُ اِلَى النَّارِ.

(شرح الفقه الاكبر للامام ابى منصور الماتريدى ص ۲۱، دائرة المعارف حيدر آباد ۱۳۲۱ھ)

ترجمہ: جس نے کہا کہ میں کافر کو کافر نہیں جانتا وہ اسی کے مثل (کافر) ہے کیوں کہ اشیاء اپنی اضداد سے جانی جاتی ہیں۔ تو جب وہ کفر کو نہیں جانتا تو ایمان کو بھی نہیں جانتا۔ اسی طرح اگر کہا کہ میں نہیں جانتا کہ کافر کا ٹھکانہ کہاں ہوگا تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا علم دیا ہے کہ کافر کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

﴿۱۰﴾ کسی شخص سے کہا گیا کہ چلو علم دین کی مجلس میں حاضری دو۔ اس نے جواب میں کہا، وہ لوگ (علماء) جو کچھ کہتے ہیں اس پر کون عمل کر سکے گا؟ یا کہے کہ مجھ کو علم دین سے کچھ لینا دینا نہیں تو وہ کافر ہو گیا۔ (شرح فقہ اکبر ص ۲۸۷)

﴿۱۱﴾ کسی سے کسی نے کہا حرام مال کھانے سے بچو اس نے کہا: میں حرام، حلال نہیں جانتا۔ تو وہ کافر ہو گیا۔ کیوں حلال و حرام کو برابر سمجھا۔

تنبیہ : اس طرح کے بہت سے کلمات کفر ہیں جو بہت سارے مسلمان لاپرواہی سے بے دھڑک بول دیتے ہیں اور ان کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ انہوں نے کتنی بڑی بات کہہ دی۔ ان کلمات کو بولنے کی وجہ سے وہ کفر کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور ان پر توبہ و تجدید ایمان واجب ہو جاتی ہے۔

بدعت کا بیان

بدعت کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر پہلے گفتگو کر لی جائے تا کہ اس کی شرعی حیثیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

بدعت کا لغوی معنیٰ

لفظ **بـــدعة** کا لغوی معنیٰ ہے نئی چیز، جس کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو۔ اَلْبِـــدْعَةُ جَمْعُهَا بِدَعٌ، مَا اُحْدِثَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ۔ (المنجد فی اللغة والأعلام)۔

بدعت کا اصطلاحی معنیٰ

اصطلاحِ شرع میں بدعت ہر اس نئے عقیدہ، عمل، قول اور طریق کو کہتے ہیں جو امرِ شارع کے تحت نہ ہو، یعنی اصولِ شریعت (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاسِ مجتہدین) کے خلاف ہو۔

واضح رہے کہ غیر مقلدین جو خود کو اہل حدیث کہتے ہیں ان کے بعض عالموں نے بھی قرآن وحدیث کے بعد اجماع اور قیاس مجتہدین کو دلیل شرعی تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتاوی کے دیباچہ میں ہے "مسلک اہل حدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی پیروی ہے۔ رائے قیاس واجتہاد واجماع سب کتاب وسنت کے ماتحت ہیں"۔ (دیباچہ فتاوٰی ثنائیہ ص ۲۱ مکتبہ ترجمان دہلی ۲۰۰۱ء)

قاضی شوکانی نے لکھا: اِنَّ الْمُحَرَّمَ اِنَّمَا هُوَ اللَّحْمُ فَقَطْ وَقَدْ اَجْمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰى تَحْرِيْمِ شَحْمِهٖ۔ (فتح القدیر: ج ۱ ص ۲۶۲ دار الفکر بیروت ۲۰۰۵ء)

ترجمہ: قرآنی آیت سے صرف خنزیر کے گوشت کا حرام ہونا ثابت ہے لیکن اجماع امت کے مطابق اس کی چربی بھی حرام ہے۔

بدعت کی شرعی حیثیت

اپنے لغوی معنی و مفہوم کے لحاظ سے ہر بدعت (نئی چیز) شریعت اسلامیہ میں ناجائز و گمراہی نہیں، بلکہ بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ بدعت (نئی چیز) جو امر شارع (واضح رہے کہ امر شارع کا مفہوم کتاب وسنت اور جو کچھ دونوں سے مستنبط ہے، سب کو شامل ہے) کے خلاف نہ ہو۔ یہ بدعت ناجائز نہیں۔ (۲) دوسری بدعت وہ ہے جو امر شارع کے خلاف ہو۔ یہ بدعت ناجائز ہے۔

بدعت (نئی چیز) کی قسم دوم شریعت میں مردود و مذموم ہے اور قسم اول مذموم نہیں۔

بدعت کی تقسیم اور کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کا معنیٰ

یہاں پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بدعت کی تقسیم جائز و ناجائز کی طرف کیسے درست ہو سکتی ہے، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ فرمایا ہے؟ حدیث شریف میں ہے۔

اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الاُمُوْرِ، فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

(ابوداؤد: ۴۶۰۷۔ ترمذی: ۲۶۷۶: ابن ماجہ حدیث: ۴۲)

ترجمہ: اپنے آپ کو نئی چیزوں سے بچاؤ، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اگر بعض بدعت کو جائز کہا جائے تو لازم آئے گا کہ قولِ رسول ''ہر بدعت گمراہی ہے'' غلط ہو جائے کیوں کہ کوئی جائز چیز ضلالت نہیں۔ قولِ رسول ﷺ غلط نہیں ہو سکتا، اس لئے ماننا ہوگا کہ بدعت کی تقسیم جائز و ناجائز کی طرف کرنا درست نہیں۔

اس شبہ کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر قولِ رسول ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کا مطلب یہ لیا جائے کہ ہر نئی چیز گمراہی ہے تو دنیا کے سارے مسلمانوں کا گمراہی میں مبتلا ہونا لازم آئے گا۔ بتایا جائے کون سا مسلمان کسی نئی چیز کے ارتکاب سے بچا ہوا ہے، جو زمانہ نبوی میں موجود نہیں تھی؟ اگر کوئی

کہے کہ نئی چیز سے مراد ہے دین میں نئی چیز ایجاد کرنا، تو اس سے پوچھا جائے کہ قرآن کا اعراب، سورتوں اور آیتوں کے نمبرات، احادیث کا جمع کرنا، علم تفسیر، اصول تفسیر، اصول حدیث وغیرہ علوم و فنونِ دینیہ اور ان کی تعلیم و تعلم کے لئے مدارس قائم کرنا، نصابِ تعلیم وغیرہ یہ سب نئی چیزیں دینی ہیں یا دنیاوی؟ یہ سب تو دین سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ سب امور دور رسالت اور دور صحابہ میں موجود نہیں تھے، بلکہ یہ سب بعد کی ایجاد ہیں، تو انہیں ضلالت و گمراہی ہونا چاہئے؟ کیونکہ ''ہر نئی چیز گمراہی ہے''۔ ظاہر ہے یہ سب دینی امور ہیں اور کارِ خیر ہیں، ان میں سے بعض تو صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجبِ کفایہ کے درجے میں ہیں۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ قول رسول ''ہر نئی چیز گمراہی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ نئی چیز جو قرآن و حدیث اور دلائل شرعیہ کے خلاف ہو، وہ گمراہی ہے۔

حدیث پاک: كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) کا جو مطلب میں نے بیان کیا اس کی تائید صحیح بخاری و مسلم کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حدیث: مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ صحیح بخاری کتاب الصلح حدیث نمبر۲۱۷ صحیح مسلم حدیث ۷۷)

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں ایسی نئی چیز ایجاد کی جو ہمارے دین میں سے نہیں تو وہ نئی چیز نامقبول ہے۔

اس حدیث میں لفظِ اَحْدَثَ اور مَالَيْسَ مِنْهُ قابل غور ہیں۔ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا کا معنی جس نے ہمارے دین میں نئی چیز ایجاد کی۔ اس کے بعد مَالَيْسَ مِنْهُ ذکر ہوا۔ یعنی جس نے ایسی نئی چیز ایجاد کی جو ہمارے دین میں سے نہیں، بلکہ دین سے باہر ہے تو وہ مردود و نامقبول ہے۔ اگر دین میں ہر نئی چیز گمراہی ہوتی تو مَالَيْسَ مِنْهُ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ صرف یہ کہا جاتا کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ نامقبول ہے۔ یہ نہ کہہ کر یہ کہا گیا کہ جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی چیز ایجاد کی جو دین سے نہ ہو بلکہ دین کے خلاف ہو تو وہ نامقبول ہے۔ پتہ چلا کہ ہر نئی چیز لغوی اعتبار سے بدعت تو ہے لیکن نامقبول اس وقت

ہے جب کہ دین میں سے نہ ہو بلکہ دین کے معارض و مخالف ہو اور جو نئی چیز دین کے معارض و مخالف نہ ہو وہ مردود نہیں بلکہ اس میں دینی یا دنیوی منفعت ملحوظ ہو تو وہ بہتر ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے (حدیث آگے آرہی ہے)۔ اس لحاظ سے ہر لغوی بدعت (نئی چیز) کی شرعاً دو قسمیں ہوتی ہیں۔ (۱) بدعت حسنہ (اچھی نئی چیز) (۲) بدعتِ سیئہ (بری نئی چیز)

بدعت حسنہ و سیئہ کا ثبوت احادیث کریمہ سے

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

(۱) حدیث: مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ وَ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْءٌ.

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ، حدیث: ۲۳۵۱، کتاب العلم حدیث ۴۸۰۰)

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی اچھا (نیا) طریقہ جاری کیا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس کا بھی ثواب لے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، ان کے ثواب میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کوئی بُرا طریقہ جاری کیا اس کا گناہ اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس پر ہوگا۔ ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حدیث: مَنْ سَنَّ سُنَّۃَ ضَلَالٍ فَاتُّبِعَ عَلَیْھَا کَانَ عَلَیْہِ مِثْلُ اَوْزَارِھِمْ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئٌ وَمَنْ سَنَّ سُنَّۃَ ھُدًی فَاتُّبِعَ عَلَیْھَا کَانَ لَہٗ مِثْلُ اُجُوْرِھِمْ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ . (مسند احمد حدیث نمبر ۱۰۷۸)

ترجمہ: جس شخص نے گمراہی کا کوئی طریقہ جاری کیا اور اس کی پیروی کی گئی تو تمام پیروی کرنے والوں کا گناہ اس شخص پر ہوگا اور کسی کے گناہ سے کچھ کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے

ہدایت کا کوئی طریقہ جاری کیا اور اس کی پیروی کی گئی تو تمام پیروی کرنے والوں کی نیکیاں اس شخص کو ملیں گی اور ان کی نیکیوں میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔

(۳) امام ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی ابن ماجہ متوفی: ۲۷۵ھ نے سنن ابن ماجہ میں ایک عنوان قائم فرمایا ہے "مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً اَوْ سَيِّئَةً." اس کے تحت حدیثِ مذکورہ کو حضرت جریر، ابوھریرہ، ابوجُحیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ذکر کیا ہے۔ (ابن ماجہ حدیث: ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۷)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بدعت (نئی چیز) کی دو قسمیں ہیں بدعتِ سیئہ (بری نئی چیز) اور بدعتِ حسنہ (اچھی نئی چیز)۔

حدیث مذکور میں جو لفظِ سُنَّةً آیا ہے اس سے مراد لغوی سُنّہ (طریقہ) ہے۔ یہاں سُنّہ کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اصطلاحاً ہر سنت، حسنہ (اچھی) ہے۔ کوئی سنت، سیئہ (بری) نہیں۔ حدیث مذکور کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ جو شخص اسلام میں کوئی اچھا نیا طریقہ (بدعت حسنہ) ایجاد کرے گا، اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور جو شخص اسلام میں کوئی نیا بُرا طریقہ (بدعت سیئہ) ایجاد کرے گا تو اس کا گناہ اس پر ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ اس کے سر ہوگا۔

پتہ چلا کہ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ شریعت اسلامیہ میں جہاں بھی سنت کے بالمقابل بدعت کا استعمال ہوتا ہے وہاں بدعت سے بدعت سیئہ مراد ہوتی ہے۔ بدعت (نئی چیز) کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف، محدثین و فقہاء اور اسلافِ امت کے اقوال میں بھی ملتی ہے بلکہ وہ لوگ جو اپنی نادانی میں ہر نئی چیز کو بدعت و گمراہی کہتے ہیں اور معمولاتِ اہل سنت و جماعت مثلاً، قیام، میلاد، تیجہ، چالیسواں، گیارہویں شریف و بارہویں شریف کے فاتحہ، زیارت قبور اولیاء اور مجالس وعظ وغیرہ کو بدعت و گمراہی کہتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو بدعتی و قبر پرست کہتے ہیں خود انہیں کے اکابر علماء نے بھی بعض بدعت کو حسنہ قرار دیا ہے، آگے چل کر ہم ان کے اقوال کو بھی پیش کریں گے۔

بدعتِ حسنہ کا ثبوت صحابہٴ کرام کے قول و عمل سے

(۱) بخاری شریف کتاب المغازی میں ہے کہ حضرت خبیب ﷛ حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں کے قید میں تھے۔ حارث کے بیٹے، حضرت خبیب کو قتل کرنے کے لئے حرم مکہ سے باہر لے گئے اور ان کو قتل کرنا چاہا تو حضرت خبیب نے ان سے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو۔ انہوں نے مہلت دی۔ حضرت خبیب نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم یہ سمجھوگے کہ میں موت کے ڈر سے نماز پڑھ رہا ہوں تو میں اور بھی نماز پڑھتا۔ اس کے بعد حدیث میں آپ کی شہادت کا ذکر ہے۔ حدیث مذکور کے راوی حضرت ابو ہریرہ ﷛ کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں:

فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ هُوَ. (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث: ۴۰۸۶)

ترجمہ: حضرت خبیب پہلے شہید ہیں، جنہوں نے شہادت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ رائج کیا۔

فائدہ : حدیث مذکور سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت خبیب ﷛ یہ جانتے تھے کہ قتل سے پہلے قتل ہونے والے کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم اگرچہ نبی پاک ﷺ نے نہیں دیا ہے، لیکن آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے۔ نفل نماز پڑھنے کا حکم نبی پاک کے قول و عمل سے ثابت ہے، لہٰذا ان اوقات کے علاوہ جن میں نماز پڑھنے سے نبی پاک ﷺ نے منع فرمایا ہے، کسی بھی وقت نفل نماز پڑھنا درست ہے۔ اوقات ممنوعہ کے علاوہ کسی بھی وقت خاص میں نفل نماز پڑھنے کو اگر حضرت خبیب "بدعت وخلاف سنت" سمجھتے تو ہرگز اپنے قتل سے پہلے دو رکعت نہ پڑھتے۔ بلکہ حضرت خبیب کے پیش نظر نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد تھا کہ "جس نے اسلام میں کوئی اچھا نیا طریقہ ایجاد کیا، اس کو اس کا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا" پتہ چلا کہ حضرت خبیب ﷛ کا یہ موقف تھا کہ دین میں ہر نیا طریقہ رائج کرنا بدعت سیئہ (بُری چیز) نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ ﷛

جو حدیث مذکور کے راوی ہیں، ان کا موقف بھی یہی تھا کہ ہر نیا طریقہ بدعتِ ضلالت نہیں ورنہ حضرت خبیب کے اس عمل کو وہ اس موقع پر بطور خاص ان کی مدح میں ذکر نہ فرماتے۔

(۲) حدیث: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِیِّ اَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ: اِنِّيْ اَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ. الی اخر الحدیث.

(صحیح بخاری کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان حدیث: ۲۰۰۸، جلاء الافهام لابن القیم حدیث: ۲۴۵)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجد کی طرف نکلا۔ وہاں دیکھا کہ لوگ ادھر اُدھر مختلف ٹولیاں بن کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کوئی اپنی نماز تنہا پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ پانچ سات آدمی پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ سب نمازیوں کو کسی ایک امام کے پیچھے جمع کر دوں، تو اچھا ہوگا۔ پھر انہوں نے ایسا کر ہی دیا۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو سب کا امام بنا دیا۔ دوسری رات جب عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کتنی اچھی بدعت ہے یہ۔ (باجماعت تراویح کی نماز)

بدعت حسنہ و سیئہ کا ثبوت اکابر علماءِ اہل سنت کے اقوال سے

(۱) محدث ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی، متوفی ۴۴۹ھ تحریر فرماتے ہیں:

"جو کام سنت کے خلاف ہو وہ بدعتِ ضلالہ ہے اور جو کام سنت کے موافق ہو بدعتِ ہدیٰ ہے۔

(شرح بخاری ابن بطال ۴/۱۷۴)

(۲) پانچویں صدی ہجری کے محدث و فقیہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ اگر وہ کام کسی مُسْتَحْسَنٍ شَرْعِیْ (شرعی اچھی چیز) کے تحت

درج ہو تو وہ بدعتِ حسنہ ہے اور اگر وہ کام کسی مُسْتَقْبَحِ شَرعِیْ (شرعی بری چیز) کے تحت درج ہو تو ہو بدعت مستقبحہ (بُری بدعت) ہے۔ (الاستذکار: ۱۴۷/۵)

(۳) علامہ مبارک بن محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ۔ جو کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو، جس کو اللہ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کام پر ابھارا ہو، اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی، پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو، جیسے سخاوت کی تمام اقسام اور دوسرے نیک کام، بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے نیک کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ نے فرمایا: جس شخص نے کسی سنتِ حسنہ (نیک طریقہ) کو ایجاد کیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا اور اس کے خلاف کے بارے میں فرمایا کہ جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ اس پر ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب وہ کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو۔ (النہایہ ۱۰۶/۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)۔

(۴) علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی متوفی ۶۵۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ جس کام کی، کسی اصلِ شرعی کے بغیر ابتدا کی گئی۔ ہے (المفہم ۵۰۸/۲ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۲۰ھ)۔

علامہ قرطبی نے یہاں بدعتِ سیئہ کی حقیقت ذکر فرمائی ہے۔ ان کی عبارت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس نئے کام کی بنیاد، اصلِ شرعی (شرعی دلیل) پر ہو وہ بدعت سیئہ نہیں۔ بدعت کی تقسیم ماننے پر وہ بدعت حسنہ ہے اور نہیں تو وہ بدعت ہی نہیں بلکہ سنت کے تحت داخل ہے۔ جیسا کہ بعض علماء نے بدعتِ حسنہ کو سنت کے عموم میں داخل فرمایا ہے۔ ان میں سے شیخ ابن تیمیہ بھی ہیں۔ آگے چل کر ہم ان کا قول بھی ذکر کریں گے۔

(۵) شارح صحیح مسلم شریف، علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

بدعت کا شرعی معنی یہ ہے کہ وہ نیا کام جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں،

حسنہ اور قبیحہ (سیئہ) شیخ امام ابو محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ جو تمام علوم میں ماہر اور فائق ہیں اور جن کی جلالت اور امامت پر تمام علماء اہلِ حق کا اتفاق ہے، انہوں نے کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا: بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں: واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعدِ شرعیہ سے مُوَازَنَہْ (مقابلہ) کیا جائے۔ اگر وہ بدعت، قواعدِ ایجاب کے تحت داخل ہو تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہو تو مستحب ہے اور اگر کراہت کے قاعدے کے تحت داخل ہو تو مکروہ اور اباحت کے قاعدے میں داخل ہے تو مباح۔ بدعاتِ واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علمِ نحو کا پڑھنا، جس پر قرآن وحدیث کا سمجھنا موقوف ہے۔ یہ اس لئے واجب ہے کہ علمِ شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن وحدیث کے بغیر علمِ شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کیلئے علم نحو کا سیکھنا واجب ہے۔ دوسری مثال قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لئے علمِ لغت کا حاصل کرنا۔ تیسری مثال یہ ہے کہ دین کے قواعد اور اصولِ فقہ کو مرتب کرنا۔ چوتھی مثال ہے سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا، تاکہ صحیح اور ضعیف میں امتیاز ہوسکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی (دینی) ضروریات سے زیادہ علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے اور یہ علم، مذکورالصدر علم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: سرائے اور مدارس بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام کرنا جو عہدِ رسالت میں نہیں تھا، جیسے جماعتِ تراویح، تصوف کے دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کے لئے جلسے منعقد کرنا، بشرطیکہ اس سے مقصد حق کو ثابت کرنا ہو۔ بدعاتِ مکروہہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کو (یہودیوں کی طرح) مزین وآراستہ کرنا۔

مصحفِ قرآن کو محض زیب وزینت کے لئے مزیّن کرنا۔ بدعاتِ مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے، پینے، پہنے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا۔ اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں: امام بیہقی نے ''مناقب شافعی'' میں اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ بدعات کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو کتاب وسنت واثریا

اجماع کے خلاف ہو، یہ بدعتِ سیئہ ہے۔ دوسری قسم وہ نئے کام ہیں جن میں خیر و بھلائی ہو۔ ان میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اور یہ بدعتِ غیر مذمومہ ہے۔ حضرت عمر نے رمضان میں جماعت قائم کروا کر فرمایا یہ "اچھی بدعت" ہے۔ یعنی یہ وہ اچھا کام ہے جو پہلے نہیں تھا۔ یہ اچھا اس لئے ہے کہ یہ شریعت کے خلاف نہیں اور اس میں خیر ہے۔ یہ امام شافعی کی مکمل عبارت کا مفہوم ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات ۲۲/۱، ۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

(۶) علامہ جمال الدین محمد ابن مکرم ابن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

جس حدیث میں ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ جو نیا کام اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو وہ بدعت ہے اور اکثر بدعت کا استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔

(لسان العرب ۳۷/۲ دار صادر بیروت)۔

(۷) علامہ بدر الدین محمد ابن بہادر زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں: خیر اور شر۔ مذموم وہ بدعت ہے جو کسی امرِ شرعی کو رد کرے یا اس کی نفی کرے۔ (التنقیح علی الجامع الصحیح مع کشف المشکل ۵۳/۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

(۸) علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ عز الدین بن عبد السلام نے "کتاب القواعد" کے آخر میں لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) بدعت واجبہ۔ جیسے قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے علم نحو میں مشغول ہونا، جس کے ذریعہ کلام اللہ اور حدیث رسول کو سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ شریعت کی حفاظت واجب ہے اور یہ کام علم نحو کی معرفت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ جس کے بغیر واجب کی ادائیگی نہیں ہوسکتی وہ بھی واجب ہے۔ اس طرح اصول فقہ کی تدوین اور راویانِ احادیث کے تعلق سے علمِ جرح و تعدیل اور حدیث صحیح وضعیف کی تمیز۔ (۲) بدعتِ محرّمہ۔ جیسے جبریہ، قدریہ اور مُرجئہ وغیرہ یہ فرقے سراپا بدعات محرمہ ہیں۔ ان گمراہ فرقوں کے باطل عقائد کا رد کرنا بدعتِ واجبہ ہے۔ (۳) بدعتِ مستحبہ: جیسے سرائے اور دینی مدارس بنانا اور ہر وہ نیک کام جو عہدِ رسالت میں نہیں تھا۔ جیسے تراویح کی جماعت، وعظ اور علمی مسائل کے لئے مجالس کو منعقد کرنا۔ (۴) بدعتِ مکروہہ: جیسے (دکھاوے اور باہمی فخر کے لئے)

مساجد کو آراستہ کرنا اور مصاحف (قرآن کے نسخے) کو مزین کرنا (اور تلاوت و نصیحت حاصل کرنے سے غافل رہنا)۔ (۵) بدعتِ مباحہ: جیسے صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور انواع و اقسام کے لذیذ کھانے اور مشروبات۔ (شرح الطیبی ص:۳۲۶، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔ ذکریا بکڈپو دیو بند)۔

(۹) امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْاُمُوْرِ ضَرْبَانِ: مَااُحْدِثَ مِمَّا یُخَالِفُ کِتَابًا اَوْ سُنَّةً، اَوْ اَثَرًا اَوْ اِجْمَاعًا فَهٰذِهِ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ وَمَا اُحْدِثَ فِی الْخَیْرِ مِمَّا لَا خِلَافَ فِیْهِ لِوَاحِدٍ مِنَ الْمَذْکُوْرَاتِ فَهٰذِهِ مُحْدَثَةٌ غَیْرُ مَذْمُوْمَةٍ، وَقَدْ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْ قِیَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ ،یَعْنِیْ اِنَّهَا مُحْدَثَةٌ لَمْ تَکُنْ. (شرح الطیبی ۳۲۶/۱)

ترجمہ: نئی چیزیں دو قسم کی ہیں (۱) وہ نئی چیز جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف ہو، وہ بدعت ضلالت ہے۔ (۲) وہ نئی چیز جو ان مذکورہ دلائل شرعیہ میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو وہ نئی چیز مذموم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تراویح کی جماعت کے تعلق سے فرمایا تھا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ نئی چیز جو پہلے نہیں تھی، اچھی ہے۔

(۱۰) شارح بخاری علامہ بدرالدین محمود ابن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) اگر وہ کسی مستحسنِ شرعی کے تحت درج ہو تو بدعت حسنہ (اچھی بدعت) ہے اور اگر کسی مستقبح شرعی کے تحت درج ہو تو بدعت مستقبحہ (بری بدعت) ہے۔

(عمدۃ القاری ۱۱/۷۸، ادارۃ الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ۔)

(۱۱) علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی، المتوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

جس حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہ عام مخصوص البعض ہے اور بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ۔ مستحبہ، مباحہ، مکروہہ، محرمہ۔ (اکمال اکمال المعلم ۲/۲۳۲، ۲۳۵، دارۃ الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

پھر ان کی وہی تعریفیں ذکر کی ہیں جو علامہ طیبی نے کی ہیں۔

(۱۲) شارح بخاری علامہ شہاب الدین احمد علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ وہ نیا کام اگر اُس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں مستحسن ہو تو وہ بدعتِ حسنہ ہے اور اگر وہ نیا کام اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں قبیح ہے تو وہ بدعتِ قبیحہ ہے۔

(فتح الباری ۴/۸۲ء۷دار الفکر، بیروت ۱۴۲۰ھ)۔

(۱۲) حافظ الحدیث شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی، متوفی ۹۰۲ھ تحریر فرماتے ہیں:
صحیح یہ ہے کہ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔ (القول البدیع ص: ۲۸۰ رمکتبۃ المؤید الطائف)
علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ لکھتے ہیں:
اور یہ بات گزر چکی ہے کہ بدعت کبھی مستحب بھی ہوتی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہ عام مخصوص البعض ہے۔ (تحفۃ الباری شرح صحیح البخاری ۲/۵۲۸۔۵۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ)۔

(۱۴) علامہ علی قاری (شارح مشکوٰۃ شریف) متوفی ۱۰۱۴ھ تحریر فرماتے ہیں:
امام شافعی نے فرمایا ہے کہ جو کام کتاب وسنت، اثر یا اجماع کے خلاف ہو وہ بدعتِ ضلالہ ہے اور جو نیا کام ان میں سے کسی کے خلاف نہ ہو وہ مذموم نہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱/۳۶۸ مکتبہ حقانیہ پشاور)

شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک بعض بدعت (نئی چیز) مستحب ہیں

شیخ ابن تیمیہ اس بات میں تو اہل سنت کے موقف میں شریک ہیں کہ ہر نئی چیز بدعت وگمراہی نہیں بلکہ بعض مستحسن ومستحب ہیں، لیکن بعض علماء اہل سنت سے وہ صرف اطلاق بدعت کے معاملے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ بدعتِ حسنہ کو "بدعت" نہیں بلکہ سنت کہتے ہیں۔ نیز مفسر قرآن حضرت شیخ اسماعیل حقی بھی بدعتِ حسنہ کو سنت کہتے ہیں۔ وجہ اطلاق میں تھوڑا سا فرق ہے لیکن دونوں کا منشا ایک ہے۔ علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت (اچھا نیا طریقہ) ایجاد کی اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا۔ اس لئے اسلام میں جو اچھا نیا طریقہ نکالا جائے اسے حدیث کے اطلاق کے مطابق سُنّۃ کہا جائے گا۔ جب کہ ابن تیمیہ یہ لکھتے ہیں کہ اسلام میں جو اچھا نیا طریقہ نکالا جائے یعنی وہ کتاب وسنت واجماع کے معارض نہ ہو تو چونکہ وہ امر شارع کے تحت ہے اور گویا شارع علیہ السلام نے اس کی اجازت دی ہے تو اسے سنت کے تحت درج کیا جانا چاہیے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ابن تیمیہ کو بھی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی جانب کرنے سے انکار نہیں البتہ وہ اطلاق میں فرق کرتے ہوئے بدعت حسنہ کو سنت کے تحت مندرج کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن تیمیہ بدعات سیئہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسی معنی (یعنی بعض بدعت ضلالت ہے) کی وجہ سے شطرنج اور جوئے کی دیگر اقسام مکروہ ہیں۔ کیونکہ یہ آپس میں بغض و عداوت پیدا کرتی ہیں۔ اسی طرح ''گانا'' کا حکم ہے کیوں کہ یہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور زنا کی طرف ابھارتا ہے اور قلب کو علم نافع و عمل صالح سے روکتا ہے اور برائیوں کی دعوت دیتا ہے اور نیکیوں سے منع کرتا ہے۔ اسی طرح بدعات اعتقادیہ اور عملیہ ہوتی ہیں، جو کلمات طیبہ اور اعمال صالحہ سے روکتی ہیں اور وہ حق کے ترک کو متضمن ہوتی ہیں اور ان میں اعتقاد و عمل کا فساد ہوتا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ۲۰/۱۰۷ ادارا لجلیل ریاض ۱۴۱۸ھ۔)

بدعت حسنہ کی تعریف کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

جو علماء بدعت کی حسنہ اور سیئہ کی طرف تقسیم کے قائل ہیں ان کے نزدیک بدعت حسنہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ جن اہل علم کی اقتدا کی جاتی ہے انہوں نے اسے مستحب قرار دیا ہو اور اس کے استحباب پر دلیل شرعی قائم ہو۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ۲۷/۸۷)۔

علماء غیر مقلدین (اہل حدیث) کے اقوال سے بدعت حسنہ کا ثبوت

(۱) غیر مقلدین (اہلِ حدیث وہابیہ) کے مشہور و مقتدا عالم محمد بن علی محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ۔ (یہ بڑی اچھی بدعت ہے) حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا: بدعت اصل میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی کوئی مثال پہلے موجود نہ ہو اور شریعت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جو سنت کے مقابل ہو تو بدعت مذموم ہوگی۔ تحقیق یہ ہے کہ وہ نیا کام اگر اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں مستحسن ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور

اگر وہ نیا کام اس اصول کے تحت درج ہو جو قبیح ہو تو وہ بدعت قبیحہ ہے ورنہ وہ مباح کی قسم ہے۔
(نیل الاوطار ۳۱۲/۲ دارالوفاء، ۱۴۲۱ھ)

(۲) مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں: بدعت لغویہ کی یہ قسمیں ہیں، مباحہ، مکروہہ، حسنہ اور سیئہ (ہدیۃ المہدی ۱۱۶ قدیم میور پریس دہلی ۱۳۲۵ھ)

(۳) ابوالحسن عبداللہ بن محمد عبدالسلام مبارک پوری لکھتے ہیں:

بدعت ضلالہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر دلالت کرے وہ بدعت لغوی ہے اور سلف صالحین کے کلام میں جس بدعت کو حسن کہا گیا ہے اس سے مراد یہی بدعت ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے متعلق کہا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۲۶۴/۱ مکتبہ رحمان سلفیہ برگودھا)۔

علماء دیوبند کے اقوال سے بدعتِ حسنہ کا ثبوت،

(۱) شبیر احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ نے علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی پانچ قسمیں لکھی ہیں، جن کا ذکر پہلے ہوا۔ ان قسموں میں بدعت حسنہ (مستحبہ، واجبہ) بھی ہیں۔
(فتح الملہم ۴۰۶/۲ مکتبہ الحجاز کراچی)۔

(۲) شیخ محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں۔

"علامہ عینی نے کہا کہ بدعت اصل میں اس نئے کام کے کرنے کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اگر وہ کام کسی مستحسن شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ کام کسی مستقبح شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت قبیح ہے (اوجز المسالک ۳۸۲/۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)۔

(۳) شیخ محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی متوفی ۱۳۹۴ھ نے بھی بدعت کی تقسیم واجبہ، مستحبہ، مباحہ کی طرف کی ہے۔ (التعلیق الصبیح ۱۱۵/۱ مکتبہ عثمانیہ لاہور)۔

بدعت کے تعلق سے ایک غلط فہمی کا ازالہ

کچھ لوگوں کو بدعت کے تعلق سے ایک بڑی غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ جس بات کے حرام یا حلال ہونے کی صراحت قرآن وحدیث یا اقوال صحابہ میں نہیں، اس کو جھٹ سے وہ بدعت و گمراہی کہہ دیتے ہیں اور بات بات پر بخاری و مسلم شریف کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ خود انہیں سے ان کے روزمرہ کے وہ اعمال وافعال جنہیں وہ کار خیر سمجھ کر کرتے ہیں، ان کے ثبوت پر دلیل طلب کی جائے تو کم وبیش اپنے ۷۵ فی صد اعمال کے جواز کی صراحت پر بخاری مسلم شریف کی کوئی حدیث پیش کرنا تو دور کی بات ہے حدیث کی کسی کتاب سے کوئی ضعیف حدیث بھی پیش نہیں کر سکتے۔ پھر بھی جہالت وہٹ دھرمی کی حد یہ ہے، کہ کوئی سنی مسلمان کھڑے ہوکر صلوۃ وسلام پڑھتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ بخاری شریف میں کہاں ہے کہ کھڑے ہوکر صلوۃ وسلام پڑھو۔ کوئی سنی میلاد کی محفل منعقد کرے تو کہتے ہیں اس کے ثبوت میں بخاری شریف کی حدیث لاؤ اور جب دلیل میں ان سے سنی مسلمان یہ کہتا ہے کہ احادیث صحیحہ سے ایصال ثواب کا جواز ثابت ہے اور یہ حکم عام ہے، لہٰذا ہر اس طریقے سے ایصال ثواب کر سکتے ہیں جس سے شریعت نے منع نہیں کیا ہے۔ قرآن میں نبی پاک ﷺ پر صلوۃ وسلام پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ حکم عام ہے جس طرح چاہو پڑھو۔ بیٹھ کر پڑھو یا کھڑے ہوکر۔ ہم بیٹھ کر بھی پڑھتے ہیں اور کھڑے ہوکر بھی پڑھتے ہیں۔ لیکن کسی ایک ہیئت کے ساتھ پڑھنے کو واجب نہیں سمجھتے۔ ایصال ثواب کا جواز عام ہے، جب چاہو کرو۔ غوث اعظم کے نام سے ہم گیارہویں کو ایصال ثواب کرتے ہیں اور گیارہویں تاریخ کے علاوہ میں بھی کرتے ہیں، گیارہویں کو واجب نہیں سمجھتے۔ جب اہل سنت وجماعت یہ کہتے ہیں تو یہ نا سمجھ لوگ اپنی نادانی اور ہٹ دھرمی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے! تم قرآن شریف یا بخاری شریف میں یہ لکھا ہوا دکھاؤ کہ گیارہویں تاریخ کو غوث اعظم کے نام سے فاتحہ کروانا جائز ہے اور قرآن یا بخاری شریف میں یہ کہاں ہے کہ نبی ﷺ پر کھڑے ہوکر صلوۃ وسلام پڑھو۔ اس

طرح کی جہالت وہٹ دھرمی کی مثالیں بہت پیش آتی ہیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ کسی بھی نئی چیز کے حرام یا حلال ہونے کا شرعی اصول بیان کر دیا جائے تا کہ غلط فہمی کا ازالہ ہو اور عوام اہل سنت و جماعت، اہل بدعت فرقوں مثلاً: وہابیہ، دیوبندیہ اور غیر مقلدین کے مغالطے کا شکار نہ ہوں۔

شریعت میں حلال وحرام کا معیار

شریعت اسلامیہ میں حرام وہ چیز ہے جسے اللہ اور اللہ کے رسول نے حرام فرمایا ہے اور حلال وہ ہے جسے اللہ اور اللہ کے رسول نے حلال فرمایا ہے۔ اور جس چیز کا حرام یا حلال ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں مذکور نہ ہو بلکہ کتاب وسنت اس کے ذکر سے خاموش ہوں تو وہ مباح ہے۔ بندوں کو اس کے کرنے کی اجازت ہے۔

حضور ﷺ سے ایک بار گھی، پنیر اور دوسری خوردنی اشیاء کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا:

حدیث: اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِهٖ وَ الْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِهٖ وَ مَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ. (جامع الترمذی ۱/ ۲۰۶، السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الضحایا حدیث: ۱۹۷۲۲، ۱۹۷۲۳، ۱۹۷۲۴).

ترجمہ: حلال وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس کے بارے میں اللہ کی کتاب میں کوئی وضاحت نہیں ہے وہ ایسی چیز ہے جس کی اللہ نے چھوٹ دی ہے (چاہو تو کرو چاہو تو نہ کرو، کوئی پابندی نہیں)۔

حدیث: حضرت ابو ثعلبہ الخشنی سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا. (مشکوۃ المصابیح حدیث: ۱۹۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، السنن الکبریٰ للبیھقی باب مالم یذکر

تحریمه: حدیث: ۵/ ۱۹۷۲، سنن الدارقطنی کتاب الاشربة وغیرها، حدیث: ۴۷۶۸)

ترجمہ: بے شک اللہ نے کچھ احکام فرض کئے ہیں، انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حرام کئے ہیں تو (ان کا ارتکاب کر کے) انہیں پامال نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کئے ہیں، انہیں نہ پھلانگو اور کچھ چیزوں کو ذکر نہیں فرمایا ہے بغیر نسیان کے، تو تم ان کے بارے میں بحث نہ کرو (اور از خود نہ کہو کہ وہ حرام یا مکروہ ہیں یا فرض یا واجب ہیں۔ بلکہ وہ تمہارے لئے معاف ہیں، انہیں کرنے کی تمہیں رخصت دی گئی ہے)۔

قاضی شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔

بَابٌ فِیْ اَنَّ الْاَصْلَ فِیْ الْاَعْیَانِ وَالْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَةُ اِلٰی اَنْ یَّرِدَ مَنْعٌ اَوْ اِلْزَامٌ .

ترجمہ: اعیان واشیاء میں اصل مباح ہونا ہے، یہاں تک کہ اس کے ممنوع ہونے یا لازم ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو۔

اس عنوان کے تحت انہوں نے چار احادیث بخاری ومسلم، ابن ماجہ ترمذی اور مسند احمد کے حوالے سے ذکر کی ہیں اور ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ جس چیز سے قرآن یا حدیث یا صحابہ نے نہیں روکا یا ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے اسے ناجائز وحرام ٹھہرا لینا سب سے بڑا جرم ہے۔ پھر انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے جو احکام شرعیہ قرآن واحادیث کے الفاظ سے یا ان کے مفہوم سے نکالے ہیں وہ بھی شریعت میں معتبر ہیں۔

چنانچہ شوکانی کے الفاظ یہ ہیں:

وَمَنْ اَمْعَنَ الْبَحْثَ عَنْ مَعَانِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی مُحَافِظًا عَلٰی مَاجَاءَ فِیْ تَفْسِیْرِهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَنِ الصَّحَابَةِ الَّذِیْنَ شَاهَدُوْا التَّنْزِیْلَ وَحَصَلَ مِنَ الْاَحْکَامِ مَایُسْتَفَادُ مِنْ مَنْطُوْقِهٖ وَمَفْهُوْمِهٖ وَعَنْ مَعَانِی السُّنَّةِ وَمَادَلَّتْ عَلَیْهِ کَذَالِکَ مُقْتَصِرًا عَلٰی مَایَصْلُحُ لِلْحُجَّةِ فِیْهَا ، فَاِنَّهُ الَّذِیْ یُحْمَدُ وَیَنْتَفِعُ بِهٖ وَعَلٰی ذَالِکَ یُحْمَلُ عَمَلُ فقهاء الامصار من التابعین فمن بعدهم .

(نیل الاوطار: ۵/ ۳۲۴، کتاب الاطعمه والصید والذبائح دار الحدیث القاهره ۲۰۰۵ء)

ترجمہ: جس نے کتاب اللہ کے معانی میں گہری نظر ڈالی اور اس کے الفاظ ومفہوم سے

بعض احکام حاصل کیئے، اس طور پر کہ کتاب اللہ کی جو تفسیر رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے اور آپ کے صحابہ سے، جو نزول قرآن کے زمانے میں تھے، اس کی پاسداری کو ملحوظ رکھا اسی طرح سنت (احادیث) کے معانی و مدلول میں غور کر کے صرف انہیں احادیث سے احکام نکالے جو حجت و دلیل بن سکتی ہیں، تو یقیناً اس کا یہ عمل قابل تعریف اور نفع بخش ہے۔ جیسا کہ مختلف بلاد و امصار کے تابعین و تبع و تابعین فقہاء کا عمل ہے۔

احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے حرام و ناجائز نہ فرمایا ہو تو اس کے کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ اگر اس میں نیک نیت شامل ہے تو وہ مستحسن و مستحب بھی ہے۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ اعمال کا ثواب نیتوں کے مطابق ہے۔

اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس نے اپنے نبی کی زبان سے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ. (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا) کہلوا کر دین اسلام کے اصول وکلیات کی تکمیل کا اعلان فرما دیا اور پیارے رسول ﷺ نے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات (اعمال کا مدار نیتوں پر ہے) فرما کر دین کے غیر منصوص فروع و جزئیات کے فہم کی راہ آسان فرما دی۔

جب شارع ﷺ نے ہمیں یہ ضابطہ دے دیا کہ جس چیز کے ذکر سے کتاب اللہ و رسول ﷺ نے سکوت (خاموشی) اختیار فرمایا ہے وہ مباح ہے۔ اس کا کرنا جائز ہے تو اس ضابطے کے مطابق میلاد، قیام، فاتحہ، تیجہ، چالیسواں، مزارات اولیاء کی حاضری وغیرہ کو کم سے کم مباح تو کہنا چاہئے۔ ان کے مباح ہونے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ ان کے حرام و ناجائز ہونے کا ذکر کہیں قرآن و حدیث میں موجود نہیں۔ بلکہ احادیث کریمہ کا عموم حکم ان کے مستحسن و مستحب ہونے کی دلیل ہے۔

جو لوگ ان چیزوں کو ناجائز و حرام کہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ قرآن و حدیث سے ان کے ناجائز و حرام ہونے کی دلیل لائیں۔ اگر قرآن و حدیث سے ان کے حرام ہونے کی دلیل پیش نہیں کرتے بلکہ الٹے ان کو جائز کہنے والوں سے قرآن و حدیث کی دلیل مانگتے ہیں تو یہ سراسر ظلم و زیادتی ہے اور جائز و ناجائز کا جو معیار حدیث پاک نے ہمیں دیا ہے اس کی کھلی خلاف ورزی

ہے۔اس ضابطے کو ایک مثال سے یوں سمجھئے۔ مثلاً زید نے بکر پر چوری کا الزام رکھا تو زید کے ذمہ لازم ہے کہ بکر کی چوری کو دلیل سے ثابت کرے۔ یہ الٹی بات ہوگی کہ بکر ہی سے کہا جائے کہ تم اپنے چوری نہ کرنے پر دلیل دو۔ اگرچہ بکر اپنے چور نہ ہونے کے ثبوت پر ہزار دلائل رکھتا ہو، بکر سے دلیل کا مطالبہ کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ آدمی کا چور نہ ہونا اصل ہے۔ تو جو شخص کسی کو چور کہے گا اس پر لازم ہوگا کہ اس کا چور ہونا ثابت کرے۔ ٹھیک اسی طرح حدیث کے دئے ہوئے ضابطے کے مطابق جن امور کے ذکر سے قرآن وحدیث خاموش ہیں وہ مباح ہیں۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کو بدعتِ ضلالہ کہے تو وہ کتاب وسنت سے اس کا بدعتِ ضلالہ ہونا دلیل سے ثابت کرے۔ یہ اُلٹی بات ہے کہ مباح کہنے والے سے الٹے دلیل مانگے۔ اس کے مباح ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کے ناجائز ہونے کی دلیل موجود نہیں۔ اہل سنت وجماعت کے عوام کو چاہئے کہ وہ حدیث شریف کے دئے ہوئے اس ضابطے کو یاد رکھیں تا کہ وہ اہل بدعت (وہابی دیوبندی وغیرہ باطل فرقوں) کے گمراہ کن وسوسے سے محفوظ رہیں، جو ان سے بات بات پر یہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز جو تم کرتے ہو قرآن وحدیث میں اس کے کرنے کا حکم موجود نہیں اس لئے وہ بدعت وناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے عقائد حقہ کی حفاظت فرمائے اور ہر نئی چیز کو بدعت وگمراہی سمجھنے والوں کو صحیح فہم وہدایت عطا فرمائے۔

حضور ﷺ یا صحابہ کا کسی کام کو نہ کرنا اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں

علامہ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) فتح الباری میں نقل کرتے ہیں کہ:

اَلْفِعْلُ یَدُلُّ عَلَی الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَایَدُلُّ عَلَی الْمَنْعِ. (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۱۵۵)

ترجمہ: کسی کام کا کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا منع کی دلیل نہیں"۔

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

ثُمَّ الثَّابِتُ بَعْدَ هٰذَا نَفِیُ الْمَنْدُوْبِیَّةِ اَمَّا ثُبُوْتُ الْکَرَاهِیَةِ فَلَا اِلَّا اَنْ یَدُلَّ دَلِیْلٌ آخَرُ.

(ابن همام، فتح القدیر، ۱: ۳۳۶)

ترجمہ: ”(یعنی نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کے) نہ کرنے سے اس قدر ثابت ہوا کہ مسنون نہیں۔ رہا کراہت کا ثبوت تو وہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک اور کوئی دلیل اس (کراہت) پر قائم نہ ہو۔“

اشیاء کی اباحتِ اصلیہ پر کتاب وسنت سے دلائل

اسلام ایک آسان، واضح اور قابل عمل دین ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کوئی شئے اس وقت تک ناجائز اور حرام قرار نہیں پاتی ہے جب تک قرآن وسنت اسے ناجائز وحرام قرار نہ دے دیں۔ جس شے کو کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ حرام نہیں قرار دیا گیا اسے از روئے شرع حرام تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ شریعت اسلامیہ نے جائز اور حلال اشیاء کی فہرست نہیں شمار کروائی بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کردی ہے جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا لہو، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات وماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا کر مسلمانوں کو آگاہ کردیا گیا کہ فلاں فلاں چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں اور ان کے علاوہ اس کائنات ارضی وسماوی میں جو کچھ بھی ہے اسے تمہارے لئے حلال اور مسخر کردیا تاکہ تم ان سے استفادہ کرو۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ. (الجاثیہ ۱۳)

ترجمہ: ”اور اس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کردیا ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالق کائنات، رحمٰن ورحیم خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انہیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیونکر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جو اس قرآنی ارشاد میں مذکور ہے:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً. (لقمان ۲۰)

ترجمہ: ''(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر فرمایا دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کردی ہیں۔''

قرآنی ارشاد کی رو سے حلال و جائز اشیاء کے عموم کے پیش نظر جب ہم حرام اشیاء پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اللہ کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ جو اشیاء بھی اسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہو یا اس کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں اپنے تشریعی و تکوینی اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو یا وہ چیزیں جن کی ممانعت کا حکم کتاب و سنت سے ائمہ مجتہدین نے نکالا ہو، وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے مثلاً اسلامی شریعت میں حرام کی گئی اشیائے خورد و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر مضمر ہیں، چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج جدید سائنسی تحقیقات ان کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مذکورہ ضرر رساں اشیاء کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں حلال قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا. (البقرہ ۲، ۲۹)

ترجمہ: ''وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں''۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث نے حرام چیزیں بیان کردی ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں خاموش ہیں وہ مباح و جائز ہیں۔ قرآن کا قاعدہ ہے کہ:

قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ. (الانعام: ۱۱۹)

ترجمہ: اس نے تمہارے لئے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کردیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔''

اس آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جن کے حرام ہونے کا ذکر (صراحتاً یا ضمناً) نہیں کیا گیا وہ حلال ہیں۔ کیونکہ ترک ذکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ترکِ ذکر اباحت کی دلیل ہے نہ کہ حرمت کی۔

ایک اور مقام پر قرآن محرمات (وہ عورتیں جن سے شادی کرنا ممنوع ہے) کا ذکر کرنے کے

بعد کہتا ہے: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذَالِکُمْ. (النساء:۲۴)

ترجمہ: ''اور اس کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں''۔

اس آیت مبارکہ میں قرآن واضح کررہا ہے کہ کسی چیز کے حرام ہونے کا ذکر قرآن میں نہ ہونا (خواہ صراحتاً ہو یا ضمناً یا اشارۃً) اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ تو جب قرآن میں ذکر نہ ہونا حلال ہونے کی دلیل ہے تو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی چیز کو نہ کرنا اس کے حرام ہونے کی دلیل کیسے ہوگا؟

قابل توجہ نکتہ

اس تصریح کے بعد یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ شریعت اگر اس چیز کا نام ہو کہ جسے خدا اور اس کے رسول ﷺ نے جائز اور حلال فرمایا اس کو جائز اور جس پر شریعت خاموش ہے اس کو ناجائز و حرام ٹھہرالیا جائے تو پھر روزمرہ زندگی میں صبح و شام ہزاروں امور ایسے ہیں جن کا حکم نہ اللہ نے دیا ہے اور نہ حضور ﷺ نے ان کے متعلق بظاہر کچھ فرمایا ہے، مثلاً ہمارے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے کی اشیاء غرضیکہ ہمارا ہر لمحۂ حیات ایسی چیزوں سے وابستہ ہے جو ہماری زندگی میں جزولا ینفک کی حیثیت حاصل کرچکی ہیں، جو عہد نبوی اور دورِ صحابہ میں موجود نہیں تھیں، تو وہ بھی حرام ٹھہریں گی اور اس طرح ان لاکھوں نئے معاملات میں گھری ہوئی ہماری مکمل زندگی اس تصور بدعت کے زمرے میں آکر جمود و تعطل کا شکار ہوجائے گی اور شریعت اسلامیہ کی کشش اور تازگی ختم ہوجائے گی۔ یقیناً ایسا نہیں ہے بلکہ وہ معاملات جن کے متعلق قرآن وسنت کے صریح احکامات موجود نہیں ہیں انہیں حضور ﷺ نے وَماسکت عنه فهو مما عفا عنه فرماکر جائز اور مباح قرار دے دیا۔ اس حوالے سے چند احادیث ماقبل میں آپ نے ملاحظہ فرمائیں، اب ذیل میں امام بیہقی کے حوالے سے یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَااَحَلَّ اللّٰهُ فِی کِتَابِهٖ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَاسَکَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّاهُوَ عَافِیَة

فَاقْبَلُوْا مِنَ اللّٰہِ عَافِیَتہ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُنْ نَسِیًّا.(بیہقی، سنن الکبریٰ،۱۰:۱۲)

ترجمہ:''وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرادیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے رخصت کی چیز لے لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔''

حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْئَلَتِہٖ.(بخاری کتاب الاعتصام باب مایکرہ من کثرۃ السوال، حدیث:۷۲۸۹)

ترجمہ: بے شک سب سے بڑا مجرم مسلمان وہ ہے جس نے (رسول سے) کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں کی گئی تھی تو اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام کردی گئی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو کرنے سے نبی نے منع نہیں فرمایا بلکہ اس پر خاموشی اختیار کی تو آپ کی خاموشی اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے ورنہ سوال کے بعد اس کے حرام ہونے کے کیا معنی؟

ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) حضور ﷺ کے اِس ارشاد کہ لا تبحثوا عن تلک الاشیاء (ان چیزوں سے بحث نہ کرو) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل علی أن الاصل فی الاشیاء الا باحۃ کقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً.(مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۲۳)

ترجمہ: حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ چیزوں میں اصل ان کا مباح ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہی (اللہ) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

کتاب وسنت کی عدالت میں اہل بدعت کون؟

آیئے ہم پوری نیک نیتی اور غیر جانب داری کے ساتھ کتاب وسنت کی عدالت میں حاضر ہوجائیں اور وہاں سے فیصلہ حاصل کریں کہ اہل بدعت کون ہیں؟ اہل سنت و جماعت؟ یا وہابی، دیوبندی، تبلیغی، اہل حدیث وغیرہ۔

آپ کو یہ معلوم ہو چکا کہ ہرنئی چیز گمراہی نہیں، بلکہ جو نئی چیز قرآن وحدیث کے خلاف اور اس سے ٹکراتی ہے وہ بدعتِ ضلالت ہے اور جس نئی چیز کے بارے میں قرآن وحدیث خاموش ہیں وہ بدعت وگمراہی نہیں بلکہ مباح وجائز ہے۔ یہی موقف اہل سنت و جماعت کا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے سوا، وہابی، اہل حدیث، تبلیغی، دیوبندی جماعت کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہرنئی چیز بدعت وگمراہی ہے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ قرآن وحدیث میں جس نئی چیز کو ناجائز نہیں کہا گیا وہ جائز ہے اور وہابی تبلیغی وغیرہ کہتے ہیں کہ ہرنئی چیز اگرچہ قرآن وحدیث میں اس کو ناجائز نہیں کہا گیا ہے وہ بھی ناجائز وبدعت ہے۔ ذرا انصاف سے بتایئے کہ ہرنئی چیز کو ناجائز وبدعت کہنا قرآن وحدیث کے حکم کے خلاف اپنی رائے سے جائز چیز کو ناجائز ٹھہرانا ہے یا نہیں؟ اب قرآن سے پوچھئے کہ جو لوگ اپنی رائے سے جائز چیز کو ناجائز کہتے ہیں وہ کیا ہیں؟ قرآن ہمیں جواب دیتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ہ (النحل: ۱۱۶)

ترجمہ: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (کنزالایمان)

قرآن حکیم کے مطابق جو لوگ ہرنئی چیز کو (اگرچہ اس کا ناجائز ہونا قرآن یا حدیث میں مذکور نہ ہو) ناجائز وحرام وبدعت کہتے ہیں، قرآن وحدیث کے خلاف وہ اپنی رائے سے جائز کو ناجائز

کہنے والے ہیں۔ ایسے لوگ، اللہ پر افتراء کرنے والے ہیں اور اللہ پر افتراء کرنے والے فلاح پانے والے نہیں، یہی لوگ درحقیقت اہل بدعت وگمراہ ہیں، ہدایت یافتہ نہیں۔ کیوں کہ جو ہدایت پر ہیں وہ فلاح والے ہیں اور جو فلاح والے ہیں وہی ہدایت والے ہیں۔ قرآن کے مطابق یہ لوگ فلاح والے نہیں، لہٰذا ہدایت والے بھی نہیں بلکہ بدعت وضلالت والے ہیں۔

دورِ صحابہ سے لے کر آج تک ہدایت والوں کا یہی موقف رہا ہے کہ جو نئی چیز دین وشریعت اور کتاب وسنت کی معارض نہیں وہ ناجائز وبدعت نہیں۔ آج اگر کچھ لوگ ہر نئی چیز کو ناجائز وبدعت کہتے ہیں تو وہی درحقیقت دین وشریعت میں قرآن وحدیث کے خلاف ایک نیا ضابطہ (ہر نئی چیز ناجائز و بدعت ہے) گڑھنے والے ہوئے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی عدالت میں خود کو حاضر سمجھ کر بتایئے کہ وہ لوگ بدعتی ہیں جو قرآن وحدیث کے فرمان کو مانتے ہوئے ہر نئی چیز کو ناجائز وبدعت نہیں کہتے، یا وہ لوگ جو ہر نئی چیز کو بدعت وگمراہی کہہ کر اپنے علاوہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو گمراہ وبدعتی کہتے ہیں؟ یقیناً ایک غیر جانب دار طالب حق عام پڑھا لکھا مسلمان بھی یہی کہے گا کہ قرآن وحدیث کے فرمان کے خلاف اپنی مرضی سے ہر نئی چیز کو بدعت وگمراہی کہنے والے ہی بدعتی وگمراہ ہیں۔

بدعت کے بارے میں یہ بات ذہن نشیں کر لینی چاہئے کہ بدعتِ ضلالت اگر حد کفر کو نہ پہنچے تو اس کا حامل گمراہ ہے۔ پھر گمراہی کے مختلف درجے ہیں۔ بعض گمراہی بعض سے بڑھ کر ہے۔ بدعت ضلالت اگر کفر کی حد تک پہنچے تو اس کا حامل کافر ہے۔ کفر سب سے بڑی گمراہی ہے۔ ہر کافر گمراہ ہے۔ لیکن ہر گمراہ کافر نہیں۔

نبی ﷺ اور صحابہ و تابعین کے زمانے میں اہلِ بدعت کن کو کہا جاتا تھا؟

قرونِ اولیٰ میں گستاخانِ رسول، مخالفینِ صحابہ اور کفریہ عقائد رکھنے والوں کو اہلِ بدعت کہا جاتا تھا۔ متعدد احادیثِ مبارکہ اور آثار صحابہ اس بات پر شاہد ہیں کہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں اُمورِ خیر اور اعمال صالحہ اور اچھا طریقہ اپنانے والوں کو اہلِ بدعت نہیں کہا جاتا تھا بلکہ اس کے برعکس بدعتی اُن کو کہا جاتا جو سنتِ رسول، طریقہ صحابہ اور خلفائے راشدین کے راستے کے خلاف نئے طریقے ایجاد کرنے والے تھے اور جمہور اُمت کی اِتباع کی بجائے اِختلافِ کثیر کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوادِ اعظم کی اتباع کی بجائے اپنے خود ساختہ عقائد کی بنا پر امت کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کا موجب بنتے تھے۔ ان اہلِ بدعت اور فرقِ باطلہ کے بعض معروف نام درج ذیل ہیں:

﴿۱﴾............﴿ خوارج

﴿۲﴾............﴿ روافض

﴿۳﴾............﴿ مُرجِہ

﴿۴﴾............﴿ مُعتزلہ

﴿۵﴾............﴿ جہمیہ

﴿۶﴾............﴿ قدریہ

۱......﴿: فرقۂ خوارج

اِسلام کو ابتدائی دور سے ہی جس بڑے اور پہلے فتنے کا سامنا کرنا پڑا اُسے فتنۂ خوارج کہتے ہیں۔ اگرچہ خارجیوں کا باقاعدہ آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا لیکن ان کی فتنہ پروری اور

سازشوں کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) خوارج کو تاریخ اسلام کی سب سے پہلی بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَكَانَ مِنَ اول البدع والتفرق الَّذِیْ وَقَعَ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِدْعَةُ الْخَوَارِجِ.

(ابن تیمیه، مجموع الفتاوی: ۱۲: ۴۷۰)

ترجمہ: اس امت میں سب سے پہلے جو بدعت اور تفرقہ واقع ہوا وہ خوارج کی بدعت تھی۔"

دوسرے مقام پر شیخ ابن تیمیہ نے لکھا کہ اہل بدعت میں سے خوارج وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے خروج کیا۔ وہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

وَالنَّبِیُّ ﷺ اِنَّمَا ذَكَرَ الْخَوَارِجَ الْحَرُوْرِيَّةَ، لِاَنَّهُمْ اَوَّلُ صِنْفٍ مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ خَرَجُوْا بَعْدَهٗ، بَلْ اَوَّلُهُمْ خَرَجَ فِیْ حَيَاتِهٖ فَذَكَرَهُمْ لِقُرْبِهِمْ مِنْ زَمَانِهٖ. (ابن تیمیه، مجموع الفتاوی، ۲۸: ۴۷۶)

"حضور ﷺ نے خوارج حروریہ کا ذکر کیا (پیشین گوئی کی) کیونکہ یہ اہل بدعت کا وہ طبقہ تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خروج کیا بلکہ ان کے پہلے شخص (ذوالخویصرہ) نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں خروج کیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے ساتھ ان کے قرب کی وجہ سے ان کا ذکر کیا۔"

فتنۂ خوارج کی اِبتداء کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جنگ صفین (۳۷ھ/۶۵۷ء) کے بعد بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین (حضرت علی اور حضرت معاویہ) کی طرف سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے، جو قرآن وسنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا مستقل خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حَکَم مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا، جس کے نتیجہ میں لڑائی ختم ہوگئی۔ اشعث بن قیس نے یہ عہد نامہ لے کر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ قبیلۂ بنی تمیم کے لوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروۃ بن ادیہ بھی تھا اور ان کو پڑھ کر سنایا تو عروۃ نے بطور احتجاج یہ آواز بلند کی:

تُحَكِّمُوْنَ فِیْ اَمْرِ اللّٰهِ الرِّجَالَ؟ لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ. (طبری، تاریخ الامم والملوک ۳: ۱۰۴)

ترجمہ: تم اللہ کے امر میں انسانوں کو حَکَم (فیصل) بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا فیصلہ نہیں۔"

حضرت علی ؓ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے آگاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدُ بِهَا بَاطِلٌ، إِنْ سَكَتُوْا غَمَمْنَاهُمْ وَإِنْ تَكَلَّمُوْا حَجَجْنَاهُمْ وَإِنْ خَرَجُوْا عَلَيْنَا قَاتَلْنَاهُمْ. (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳:۲۱۲،۲۱۳ صحیح مسلم حدیث: ۲۴۶۸، البدایہ والنہایہ ۶/۲۰۰۲)

ترجمہ: بات (فیصلہ صرف اللہ کا ہے) تو حق ہے، مگر اس سے جو معنی مراد لیا گیا وہ باطل ہے۔ اگر وہ (خوارج) خاموش رہیں گے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے ہم سے بحث کی تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلیں گے تو ہم ان سے لڑیں گے۔"

امام مسلم (۲۶۱ھ) نے بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ مذکورہ روایت کو باب التحریض علی قتل الخوارج میں نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ؓ قَالُوْا لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ ؓ كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ. (الحدیث: ۲۴۶۸)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت عبیداللہ بن ابی رافع ؓ بیان کرتے ہیں کہ حروریہ (خوارج) کا جس وقت ظہور ہوا تو وہ (حضرت عبداللہ بن ابی رافع ؓ) حضرت علی ؓ کے ساتھ تھے۔ خوارج نے کہا: اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضرت علی ؓ نے فرمایا یہ حق بات ہے، لیکن اس سے جو معنی تمہاری طرف سے مراد لیا گیا وہ باطل ہے۔"

مختصر یہ کہ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور حروراء کے گاؤں میں جا کر لوگوں کو حضرت علی کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا۔ وہ لوگوں کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیتے، یہاں تک کہ حضرت علی کے عمل کو بدعۃ ضلالۃ بلکہ شرک تک کہا گیا۔ آخر کار ان لوگوں نے

آپس کے مشورے سے کوفہ سے نکل کر نہروان کے مقام کو پسند کیا اور سب وہاں جمع ہو گئے۔ خارجیوں کی تشدد پسند اور فتنہ انگیز سرگرمیوں کو روکنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان ۹ صفر ۳۸ ہجری کو نہروان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں خوارج کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

خوارج کے باطل عقائد

ا۔ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے۔

تنبیہ: وہابیوں کے امام محمد بن عبدالوہاب نجدی م ۱۲۰۶ھ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ یہ بعض گناہ کبیرہ بلکہ مکروہ وخلافِ اولیٰ چیزوں کو بھی شرک کا ذریعہ اور بعض کو شرک کہتا تھا۔ آج کل خود کو اہل حدیث کہلانے والا فرقہ بھی خوارج کی شاخ ہے۔ یہ لوگ عقائد میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں اور مسائلِ فقہیہ میں اہلِ مذاہب اربعہ کو بدعتی بلکہ مشرک ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے حرمین طیبین کے بے شمار علماء وعوامِ اہلسنت کو بدعتی ومشرک ٹھہرا کر ان کو قتل کروایا تھا۔ (ردالمحتار ۴۱۳/۶)

۲۔ خوارج کے یہ عقائد بھی تھے کہ جس نے اپنے عمل اور غیر درست رائے سے قرآن کے خلاف کیا وہ کافر ہے۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک وہ گناہ گار ہے کافر نہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۷۱)

۳۔ وہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین سے مروی روایات کا انکار کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ صحابۂ کرام اپنے نزاعی معاملے میں غیر اللہ کو حَکَم ماننے کی وجہ سے خوارج کے نزدیک (معاذ اللہ) کافر تھے۔

۴۔ اخبارِ احاد مثلاً احادیث رجم وغیرہ کا انکار کرتے تھے۔

خوارج نے صحابۂ کرام ﷺ کو کافر کہا

خوارج کی بدعات وعقائد باطلہ اور مسلمانوں کے خلاف ان کے ظالمانہ اور متعصبانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فَكَانَ كَمَا نَعَتَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدَعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ. (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۳: ۱۲۱۹ احدیث: ۳۱۶۶، صحیح مسلم کتاب الزکاۃ حدیث: ۲۳۵۱) وَكَفَّرُوْا عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَمَنْ وَالَاهُمَا. وَقَتَلُوْا عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ مُسْتَحِلِّيْنَ لِقَتْلِهِ. قَتَلَهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مُلْجِمٍ الْمُرَادِيُّ مِنْهُمْ، وَكَانَ هُوَ وَغَيْرُهُ مِنَ الْخَوَارِجِ مُجْتَهِدِيْنَ فِي الْعِبَادَةِ، لٰكِنْ كَانُوْا جُهَّالًا فَارَقُوا السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ: مَا النَّاسُ اِلَّا مُؤْمِنٌ اَوْ كَافِرٌ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ فَعَلَ جَمِيْعَ الْوَاجِبَاتِ وَتَرَكَ جَمِيْعَ الْمُحَرَّمَاتِ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ فَهُوَ كَافِرٌ مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ ثُمَّ جَعَلُوْا كُلَّ مَنْ خَالَفَ قَوْلَهُمْ كَذٰلِكَ، فَقَالُوْا اِنَّ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا وَنَحْوَهُمَا حَكَمُوْا بِغَيْرِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ، وَظَلَمُوْا فَصَارُوْا كُفَّارًا. (مجموع الفتاوی: ۷/ ۴۸۱)

ترجمہ: ''وہ (خوارج) ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور ﷺ نے یہ بیان کی تھی کہ ''وہ اہل اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے'' انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب ؓ، حضرت عثمان بن عفان ؓ اور ان کے پیروکاروں کی تکفیر کی اور حضرت علی ؓ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُن سے جنگ کی۔ چنانچہ حضرت علی ؓ کو عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اس کے علاوہ دیگر خوارج ''خوب عبادت کرنے والے تھے'' لیکن حقیقت میں وہ جاہل تھے۔ انہوں نے اہل سنت وجماعت میں فرقے پیدا کیے۔ ان کے عقیدے کے مطابق انسان مؤمن ہوگا یا کافر۔ ان کے نزدیک مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرمات کو ترک کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کو کافر کہنا شروع کیا جس

نے ان کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ عثمان ﷛، علی ﷛ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی اور ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ پس یہ سارے کافر ہو گئے"۔

اگر خوارج کے عقائد اور ان کی خصوصیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خوارج نے نہ صرف سنت سے خروج کیا بلکہ مسلمانوں کے خون کو بھی مباح قرار دیا۔

خوارج کی چند خصوصیات

شیخ ابن تیمیہ خوارج کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَهُمْ خَاصَّتَانِ مَشْهُورَتَانِ فَارَقُوا بِهِمَا جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَئِمَّتَهُمْ: اَحَدُهُمَا: خُرُوْجُهُمْ عَنِ السُّنَّةِ، وَجَعْلُهُمْ مَالَيْسَ بِسَيِّئَةٍ سَيِّئَةً، اَوْ مَالَيْسَ بِحَسَنَةٍ حَسَنَةً، وَهٰذَا هُوَالَّذِیْ اَظْهَرُوْهُ فِی وَجْهِ النَّبِیِّ ﷺ حَيْثُ قَالَ لَهُ ذُوْ الْخُوَيْصَرَةَ التَّمِيْمِیُّ: "اِعْدِلْ فَاِنَّکَ لَمْ تَعْدِلْ" حَتّٰی قَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ: "وَيْلَکَ اَوَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ (صحیح بخاری کتاب الادب حدیث: ۶۱۶۳ مسلم کتاب الزکلة باب ذکر الخوارج حدیث: ۲۴۵۶) لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِلْ" فَقَوْلُهُ: "فَاِنَّکَ لَمْ تَعْدِلْ" جَعْلٌ مِنْهُ لِفِعْلِ النَّبِیِّ ﷺ سَفْهًا وَتَرْکَ عَدْلٍ، وَقَوْلُهُ: "اِعْدِلْ" اَمْرٌ لَهُ بِمَا اعْتَقَدَهُ هُوَحَسَنَةً مِنَ الْقِسْمَةِ الَّتِیْ لَاتَصْلُحُ، وَهٰذَا الْوَصْفُ تَشْتَرِکُ فِيْهِ الْبِدَعُ الْمُخَالِفَةُ لِلسُّنَّةِ، فَقَائِلُهَالَا بُدَّ اَنْ يُثْبِتَ مَا نَفَتْهُ السُّنَّةُ وَيَنْفِی مَا اَثْبَتَتْهُ السُّنَّةُ، وَيُحَسِّنَ مَاقَبَّحَتْهُ السُّنَّةُ اَوْيُقَبِّحَ مَاحَسَّنَتِ السُّنَّةُ وَاِلَّا لَمْ يَكُنْ بِدْعَةً وَهٰذَا الْقَدْرُ قَدْ يَقَعُ مِنْ بَعْضِ اَهْلِ الْعِلْمِ خَطأً فِی بَعْضِ الْمَسَائِلِ؟ لٰكِنْ اَهْلُ الْبِدَعِ يُخَالِفُوْنَ السُّنَّةَ الظَّاهِرَةَ الْمَعْلُوْمَةَ. وَالْخَوَارِجُ جَوَّزُوْا عَلَى الرَّسُوْلِ نَفْسِهٖ اَنْ يَجُوْرَ وَيَضِلَّ فِیْ سُنَّتِهٖ وَلَمْ يُوْجِبُوْا طَاعَتَهُ وَمُتَابَعَتَهُ، وَاِنَّمَا صَدَّقُوْهُ فِيْمَا بَلَّغَهُ

مِنَ الْقُرآنِ دُوْنَ مَا شَرَعَهُ مِنَ السُّنَّةِ الَّتِیْ تُخَالِفُ بِزَعْمِهِمْ ظَاهِرَ الْقُرآنِ.
وَغَالِبُ اَهْلِ الْبِدَعِ غَيْرَ الْخَوَارِجِ يُتَابِعُوْنَهُمْ فِی الْحَقِيْقَةِ عَلٰی هٰذَا: فَاِنَّهُمْ يَرَوْنَ اَنَّ الرَّسُوْلَ لَوْ قَالَ بِخِلَافِ مَقَالَتِهِمْ لَمَا اتَّبَعُوْهُ، كَمَا يُحْكٰی عَنْ عَمْرِو بْنِ عُبَيْدٍ فِی حَدِيْثِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ، وَاِنَّمَا يَدْفَعُوْنَ نُفُوْسَهُمُ الْحُجَّةَ: اِمَّا بِرَدِّ النَّقْلِ، وَاِمَّا بِتَاوِيْلِ الْمَنْقُوْلِ فَيَطْعَنُوْنَ تَارَةً فِی الْاَسْنَادِ وَتَارَةً فِی الْمَتْنِ، وَاِلَّا فَهُمْ لَيْسُوْا مُتَّبِعِيْنَ وَلَا مُؤْتَمِّيْنَ بِحَقِيْقَةِ السُّنَّةِ جَاءَ بِهَا الرَّسُوْلُ، بَلْ وَلَا بِحَقِيْقَةِ الْقُرآنِ.
وَالْفَرْقُ الثَّانِیْ فِی الْخَوَارِجِ وَاَهْلِ الْبِدَعِ: اَنَّهُمْ يُكَفِّرُوْنَ بِالذُّنُوْبِ وَالسَّيِّئَاتِ، وَيَتَرَتَّبُ عَلٰی تَكْفِيْرِهِمْ بِالذُّنُوْبِ اسْتِحْلَالُ دِمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمْوَالِهِمْ وَاَنَّ دَارَ الْاِسْلَامِ دَارُ حَرْبٍ وَدَارَهُمْ هِیَ دَارُ الْاِيْمَانِ، وَكَذٰلِكَ يَقُوْلُ جُمْهُوْرُ الرَّافِضَةِ، وَجُمْهُوْرُ الْمُعْتَزِلَةِ، وَالْجَهْمِيَّةِ، وَطَائِفَةٌ مِنْ غُلَاةِ الْمُنْتَسِبَةِ اِلٰی اَهْلِ الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ وَمُتَكَلِّمِيْهِمْ. (مجموع الفتاوی ۱۹/ ۷۲، ۷۳)

ترجمہ: ”خوارج کی دو مشہور خصوصیات ہیں، جن سے انہوں نے مسلمانوں کی جماعت اور ان کے ائمہ میں تفرقہ پیدا کیا۔

ان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سنت سے خروج کیا اور ان امور کو گمراہی قرار دیا جو فی الحقیقت گمراہی نہیں تھے یا ان امور کو حسنہ (اچھا) قرار دیا جو حسنہ نہیں تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے کیا۔ جب ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ کے سامنے کہا: اِعْدِلْ فَاِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ”وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِلْ“ ”یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد ہو جاؤں گا“۔ ذوالخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ”فَاِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ“ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل پر محمول کیا۔ اسی طرح اس کے قول ”انصاف کیجئے“ سے اس کا اعتقاد یہ تھا کہ اس کی بات حسنہ (نیکی) ہے بہ نسبت (حضور ﷺ کی) اس تقسیم کے جو (اس کے نزدیک) مبنی بر

انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)۔ یہی وہ (خوارج کا) وصف ہے جس میں دوسری بدعات جو مخالف سنت ہیں شریک ہیں۔ اس عقیدے کا حامل بدیہی طور پر ایسی بات کا اثبات کرتا ہے جس کی سنت نفی کرے اور ایسی بات کی نفی کرتا ہے جس کو سنت ثابت کرے۔ اسی طرح یہ اس بات کو نیکی کہتا ہے جس کو سنت قبیح (بُری) جانے اور اس بات کو قبیح جانتا ہے جس کو سنت حسنہ جانے ورنہ یہ بدعت نہیں ہوگی۔ اور اس رویہ کی وجہ سے بعض اہل علم سے بعض مسائل میں خطاء واقع ہوئی ہے۔ مزید برآں اہل بدعت (کی علامت یہ ہے کہ وہ) معروف و معلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

خوارج نے بزعمِ خویش یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ خود رسول بھی ظلم کر سکتے ہیں اور اپنے طریقے میں گمراہی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے (نبی کے ہر قول و عمل میں) نبی کی پیروی کو واجب نہیں مانا۔ انہوں نے کہا کہ نبی کی وہی بات سچی ہے جو قرآن سے نبی نے بیان کیا۔ آپ کی وہ سنت قابل اعتبار نہیں جو منقول خوارج کے گمان کے مطابق بظاہر قرآن کی مخالف ہو۔

خوارج کے علاوہ دیگر اہل بدعت کی اکثریت حقیقت میں ان امور میں خوارج کی متابعت کرتی ہے۔ ان کی رائے میں اگر رسول بھی ان کی بات کے مخالف بات کرے تو اس کی اتباع کی نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ عمرو بن عبید سے مروی راویت میں صادق و مصدوق کا ارشاد ہے۔ یہ اپنے آپ کو منقول روایات کو رد کرنے یا منقول روایات کی تاویل باطلہ کرنے کی وجہ سے دلیل و حجت سے دور رکھتے ہیں۔ یہ کبھی سند میں طعن کرتے ہیں اور کبھی متن میں۔ حالانکہ نہ یہ اس حقیقی سنت کے متبعین اور پیروکار ہیں جو رسول ﷺ لے کر آئے ہیں اور نہ ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔

خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں کی بنیاد پر گناہ گار مسلمان کو کافر کہتا ہے اور اس بناء پر یہ مسلمانوں کا خون اور ان کے اموال کو مباح گردانتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دار الاسلام دار الحرب ہے اور صرف انکا گھر دار الایمان ہیں۔ اسی طرح جمہور روافض، معتزلہ، جہمیہ اور غلو کرنے والوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے آپ کو حدیث، فقہ اور متکلمین کی طرف منسوب کرتا ہے، کا بھی یہی عقیدہ ہے"۔

نوٹ: اوپر جو خصوصیات خوارج کی بیان کی گئیں آج کل گروہ اہل حدیث میں عموماً پائی جاتی ہیں۔

فرقۂ خوارج کے مختلف نام

مختلف زمانے اور مقام میں فرقۂ خوارج کے مختلف نام ہوتے رہے ہیں۔ یہ فرقہ مختلف ناموں کے ساتھ قیامت تک رہے گا۔ حدیث شریف کے مطابق اس فرقے کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔

شیخ ابن تیمیہ کے زمانے تک خوارج کے جو مختلف نام ابن تیمیہ کو معلوم ہوئے تھے انہیں ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

وَهٰؤُلَاءِ الْخَوَارِجُ لَهُمْ اَسْمَاءٌ يُقَالُ لَهُمْ : اَلْحَرُوْرِيَّةُ لِاَنَّهُمْ خَرَجُوْا بِمَكَانٍ يُقَالُ لَهُ حَرُوْرَاءُ وَيُقَالُ لَهُمْ اَهْلُ النَّهْرَوَانِ لِاَنَّ عَلِيًّا قَاتَلَهُمْ هُنَاكَ وَمِنْ اَصْنَافِهِمْ اَلْإِبَاضِيَّةُ، اَتْبَاعُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اِبَاضٍ وَالْاَزَارِقَةُ اَتْبَاعُ نَافِعِ بْنِ الْاَزْرَقِ وَالنَّجْدَاتُ "اَصْحَابُ نَجْدَةَ الْحَرُوْرِيِّ. (مجموع الفتاوی جلد ۷ ص ۴۸)

ترجمہ: خوارج کے کئی نام ہیں: (۱) حَرُوْرِيَّہ: انہیں حروریہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ خوارج نے حضرت علی کے خلاف خروج کا اعلان "مقام حروراء" میں کیا تھا۔

(۲) اَهْلِ نَهْرَوَانْ: انہیں اہل نہروان اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ان سے مقام نہروان میں قتال فرمایا تھا۔

(۳) اِبَاضِيَّۃ: خوارج کی ایک قسم فرقہ اباضیہ ہے۔ یہ لوگ عبداللہ بن اباض کے پیروکار تھے۔

(۴) اَزَارِقَۃ: یہ گروہ نافع بن ازرق کا پیروکار ہے۔

(۵) نَجْدَات: یہ لوگ نجدہ حروری کے ماننے والے ہیں۔

نوٹ: آج کل خوارج کا ایک گروہ وہابی (اہل حدیث) ہے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی

۱۲۰۶ھ کا ماننے والا ہے۔ اسی طرح جو فرقے ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد کے ماننے والے ہیں وہ بھی خوارج میں سے ہیں مثلاً مولوی اسمعیل دہلوی اور اس کے عقائد کے ماننے والے، دیوبندی، جماعت اسلامی و مودودی وغیرہ۔

۲......﴿: مرجئہ

مرجئہ ایک ایسا فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کا تعلق محض قول اور زبان سے ہے، عمل کا اس میں دخل نہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ بھی پڑھیں اور روزہ نہ بھی رکھیں تو بھی ان کا ایمان انہیں بغیر عذاب کے نجات دلا دے گا۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے کوئی عمل فائدہ یا نقصان نہیں پہنچاتا۔ امام ابو جعفر طبری (۳۱۰ھ) ''تہذیب الآثار'' میں بیان کرتے ہیں کہ جب سفیان بن عیینہ سے مرجئہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

فَاَمَّا الْمُرْجِئَةُ الْيَوْمَ فَهُمْ قَوْمٌ يَقُولُوْنَ: اَلْاِيْمَانُ قَوْلٌ بِلَا عَمَلٍ، فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ، وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ، وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ، وَلَا تُصَلُّوْا مَعَهُمْ، وَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ. (تهذيب الآثار ص ۶۹۵)

ترجمہ: ''آج کل مرجئہ ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''ایمان بغیر عمل کے محض قول (کلمۂ شہادت پڑھنے) کا نام ہے'' لہٰذا تم نہ تو ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو، نہ ان سے ملاقات کرو اور نہ (ان کی اقتداء میں) ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو''

مرجئہ کے نزدیک ایمان فقط دل سے معرفتِ الٰہیہ کے حصول کا نام ہے۔ غالی مرجئہ کا عقیدہ ہے کہ معصیت اور اطاعت نہ نقصان پہنچاتی ہے اور نہ ہی فائدہ۔ نفس ایمان میں فاسق اور عاصی کا ایمان، رسول ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کی طرح ہے۔ انہیں میں سے غیلان دمشقی ہے۔ بعد ازاں مرجئہ متعدد فرقوں میں منقسم ہو گئے اور ہر فرقے نے دوسرے کو گمراہ قرار دیا۔

۳...... ﴿: معتزلہ

اس فرقہ کی ابتداء بنوامیہ کے دور میں ہوئی۔ اس کا بانی واصل بن عطاء تھا جو ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں فوت ہوا۔ یہ امام حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) کے درس میں بیٹھتا تھا۔ (میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۳۲۹)

علامہ عبدالکریم الشہرستانی (متوفی ۵۴۷ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب المِلَلُ وَالنِّحَل میں معتزلہ کی ابتداء کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے حلقۂ درس میں بیٹھے طلباء کو پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: جناب! ہمارے زمانے میں ایک ایسا گروہ (خوارج) پیدا ہوا ہے جس کا کہنا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کفر ہے اور اس کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ (جو مرجئہ کہلاتا ہے) اس بات کا قائل ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کبیرہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ ان کے مذہب میں عمل ایمان کے لئے ضروری نہیں۔ لہٰذا ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے اطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ مختصر یہ کہ اگر ایمان صحیح ہے تو گناہ کبیرہ سے ایمان میں کوئی خلل نہیں آتا۔ آپ ہماری، اس حوالے سے کیا رہنمائی فرماتے ہیں؟

امام حسن بصری اس بارے میں سوچنے لگے۔ ابھی جواب نہیں دے پائے تھے کہ واصل بن عطاء نے خود ہی کہا۔

أَنَا لَا أَقُوْلُ اِنَّ صَاحِبَ الْكَبِيْرَةِ مُؤْمِنٌ وَلَا كَافِرٌ مطلقاً بَلْ هُوَ فِيْ مَنْزِلَةٍ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ لَا مُؤْمِنٌ وَلَا كَافِرٌ، ثُمَّ قَامَ وَاعْتَزَلَ اِلَى اسْطُوَانَةٍ مِنْ اسْطُوَانَاتِ الْمَسْجِدِ، يُقَرِّرُ مَا أَجَابَ بِهِ عَلٰى جَمَاعَةٍ مِنْ اَصْحَابِ الْحَسَنِ فَقَالَ الْحَسَنُ: اِعْتَزَلَ عَنَّا فَسُمِّيَ هُوَ

وَأَصْحَابُهُ مُعْتَزِلَةً. (الملل والنحل جلد ا ص ۱۰۱)

ترجمہ: ”میں یہ نہیں کہتا کہ کبائر کا مرتکب مطلقاً مومن ہوتا ہے یا مطلقاً کافر، بلکہ وہ ان دونوں درجات کے مابین ہوتا ہے۔ یعنی نہ وہ مومن ہوتا ہے اور نہ کافر۔ پھر وہ کھڑا ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ ہو کر امام حسن بصری کے تلامذہ میں اس عقیدے کی تلقین بھی شروع کردی۔ اس پر امام حسن بصری نے فرمایا: اعتزل عنا واصل یعنی واصل ہم سے الگ ہوگیا۔ اسی وجہ سے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ”معتزلہ“ کہا جاتا ہے“

علامہ ابن منظور (متوفی ۷۱۱ھ) نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ”لسان العرب“ میں لکھا ہے:

زَعَمُوْا اَنَّهُمْ اِعْتَزَلُوْا فِئَتَي الضَّلَالَةِ عِنْدَهُمْ يَعْنُوْنَ اَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَالْخَوَارِجِ.

(لسان العرب جلد ۱۱ ص ۴۴۰)

ترجمہ: ”یعنی ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے بقول ان کے دو گمراہ فرقے یعنی اہل سنت اور خوارج سے علیحدگی اختیار کرلی ہے“۔

واصل بن عطاء اپنے سے ماقبل کی بدعتوں سے بھی متاثر تھا۔ اس نے اپنے سننے والوں کو درج ذیل بدعتوں کی دعوت دی۔

۱۔ امت محمدیہ میں سے جو فاسق ہے وہ کفر اور ایمان کے دو درجات کے درمیان ہے۔

۲۔ مسئلہ قدر میں اس نے معبد الجہنی کی رائے کو اختیار کیا، مگر فرق صرف یہ ہے کہ وہ یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے وقوع سے قبل ان کو جاننے والا ہے مگر بندوں سے افعالِ شر کا صدور اللہ کی مشیت اور ارادے سے نہیں ہوتا۔

۳۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی صفات کو نہیں مانتا تھا۔

۴۔ اس کے نزدیک صحابہ کی آپسی جنگوں میں ایک گروہ لامحالہ فاسق ہے اور یہ کہ ان میں سے کسی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

معتزلہ کا دوسرا اہم مسئلہ خلق قرآن کا تھا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز مسئلہ تھا جس نے ایک صدی سے

زائد عرصے تک عالمِ اسلام کو جدل ومناظرہ میں الجھائے رکھا۔ اس کو اول اول الجعد بن درہم نے پیش کیا اس سے الجہم بن صفوان نے اخذ کیا اور ہارون رشید کے عہد خلافت میں بشیر المریسی نے تقریباً چالیس سال تک اس کی باقاعدہ تبلیغ واشاعت کی۔ ہارون الرشید اس کا مطلق حامی نہ تھا لیکن مامون نے نہ صرف اس کی حمایت وتائید کا بیڑا اٹھایا بلکہ اس کو سرکاری عقیدہ قرار دیا اور اس کی مخالفت کرنے والے بڑے بڑے محدثین وفضلاء کو سزا وتعزیر کا مستحق گردانا۔

۴......: جہمیہ

اس فرقہ کا بانی ابومحرز جہم بن صفوان (۱۲۸ھ) تھا جو قدیم زمانہ کے علمائے علمِ الٰہیات میں سے تھا۔ یہ بنی راسب (ازد کے ایک خاندان) کا مولیٰ تھا۔ ان کا ذکر الحارث بن سریج کے کاتب کے طور پر آتا ہے، جس نے بنوامیہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ۱۱۶ھ/۷۳۴ء سے ۱۲۸ھ/۷۴۵ء تک مشرقی خراسان کے ایک حصے کا، بعض اوقات ترکوں کے اشتراک میں، فرمانروا بھی رہا تھا۔ حارث بن سریج کی گرفتاری سے چند روز پہلے ۱۲۸ھ میں جہم بن صفوان کو گرفتار کرکے قتل کردیا گیا۔

(تاریخ الامم والملوک للطبری: جلد ۲ ص ۱۵۰۷ تا ۱۵۸۳)

فرقہ جہمیہ کی نسبت جہم بن صفوان کی جانب کی جاتی ہے۔ جہاں تک فرقۂ جہمیہ کے عقائد کا تعلق ہے تو انہوں نے عقیدۂ جبر کی انتہائی شکل کو اختیار کیا، جس کی رو سے انسانوں کی طرف فعل کی نسبت محض مجازی ہے جیسا کہ غروب ہونے میں سورج کا فعل مجازی ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ کے لئے کوئی مستقل صفتِ علم ثابت ہے۔ اس کے نزدیک حوادثِ دنیوی کا علم اللہ کو ان کے ظہور کے بعد ہوتا ہے۔ بالعموم وہ تمام صفات الٰہیہ کے وجود کا انکار کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں ''مُعَطِلہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ ایمان کے بارے میں ان کے عقائد مرجئہ کے عقائد کے مماثل تھے۔ یعنی یہ کہ ایمان لانے کے بعد عمل کچھ بھی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچاتا۔ (مقالات الاشعری جلد ا ص ۲۷۹)

۵......: روافض و باطنیہ

علامہ ابن جوزی (۵۹۷ھ) تلبیس ابلیس میں روافض کی ابتداء اوران کے عقائد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں۔

كَمَا لَبَّسَ اِبْلِيْسُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْخَوَارِجِ حَتّٰى قَاتَلُوْا عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ. حَمَلَ آخَرِيْنَ عَلَى الْغُلُوِّ فِيْ حُبِّهِ. فَزَادُوْهُ عَلَى الْحَدِّ فَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ يَقُوْلُ هُوَا لْاِلٰهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ هُوَ خَيْرٌ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ، وَمِنْهُمْ مَنْ حَمَلَهُ عَلٰى سَبِّ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ حَتّٰى اَنَّ بَعْضَهُمْ كَفَّرَ اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ. (تلبیس ابلیس ص ۹۷)

ترجمہ: ”جس طرح ابلیس نے خوارج کو گمراہ کیا حتی کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی۔ اسی طرح اس نے بعض دوسرے لوگوں کو حضرت علی کی محبت میں غلو کی وجہ سے راہِ ہدایت سے دور کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ حب علی میں حدود سے بڑھ گئے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے حضرت علی کو معبود مانا اور بعض نے انبیاء سے بہتر کہا اور بعض نے حضرت ابوبکر وعمر کو گالی گلوج کرنا شروع کر دیا“۔

علامہ ابراہیم حلبی (۹۵۶ھ) غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں غالی روافض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَاَمَّا لَوْ كَانَ مُؤَدِّيًا اِلَى الْكُفْرِ فَلَا يَجُوْزُ اَصْلًا كَالْغُلَاةِ مِنَ الرَّوَافِضِ الَّذِيْنَ يَدَّعُوْنَ الْاُلُوْهِيَّةَ لِعَلِيٍّ اَوْ اَنَّ النُّبُوَّةَ كَانَتْ لَهٗ فَغَلَطَ جِبْرَئِيْلُ وَنَحْوَ ذَالِكَ مِمَّا هُوَ كُفْرٌ وَكَذَا مَنْ يَقْذِفُ الصِّدِّيْقَةَ اَوْ يُنْكِرُ صُحْبَةَ الصِّدِّيْقِ اَوْ خِلَافَتَهٗ اَوْ يَسُبُّ الشَّيْخَيْنِ.

(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی: ص ۴۸۰).

ترجمہ: ”اگر ان (روافض) کی بدعت ان کو کفر تک پہنچادے تو پھر ان کے پیچھے نماز باطل ہے۔ جیسا کہ غالی روافض جو حضرت علی کے لئے الوہیت کے مدعی ہیں یا جو کہتے ہیں کہ نبوت حضرت علی کے لئے تھی اور جبرائیل سے غلطی ہوگئی (اور وحی نبی کے پاس لے آئے) یا اس قسم

کے اور عقائد رکھتے ہیں جو کفر ہیں یا اسی طرح جو حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے یا جو حضرت ابو بکر صدیق کی صحابیت یا خلافت کا انکار کرے یا جو حضرت ابو بکر و عمر کو سب وشتم کرے"۔

علامہ ابن عابدین شامی (۱۳۰۶ھ) رد المحتار علی الدر المختار میں روافض کے کفریہ عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لَاشَکَّ فِیْ تَکْفِیْرِ مَنْ قَذَفَ السَّیِّدَۃَ عَائِشَۃَ اَوْ اَنْکَرَ صُحْبَۃَ الصِّدِّیْقِ اَوِ اعْتَقَدَ الْاُلُوْھِیَۃَ فِیْ عَلِیٍّ اَوْ اَنَّ جِبْرَائِیْلَ غَلَطَ فِی الْوَحْیِ اَوْنَحْوَ ذَالِکَ مِنَ الْکُفْرِ الصَّرِیْحِ الْمُخَالِفِ لِلْقُرآنِ. (ردالمحتار جلد ۴ ص ۲۳۷)

ترجمہ: "اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے وہ کافر ہے یا جو حضرت ابو بکر صدیق کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت علی کو خدا مانے یا جو وحی لانے میں حضرت جبرئیل کی غلطی مانے وہ کافر ہے یا جو شخص قرآن کریم کی صریح مخالفت کرے وہ کافر ہے"۔

ہم تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کر چکے کہ "مُحْدَثَاتُ الْاُمُوْرِ" اور بدعات سے مراد ایسے فتنے ہیں جو ارتداد پر مبنی ہوں اور دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے یا ان سے انکار کا موجب ہوں۔ بدعت کے اس مفہوم کی روشنی میں وہ لوگ جو:

☆ حضرت علی کی الوہیت کا عقیدہ رکھیں۔

☆ وحی لانے میں حضرت جبرئیل کی غلطی مانیں کہ وحی تو حضرت علی پر لانی تھی مگر وہ غلطی سے حضرت محمد ﷺ پر لے آئے۔

☆ قرآن مجید میں تحریف یا ترمیم کا عقیدہ رکھیں۔

☆ جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ پر بدکاری کی تہمت لگائیں۔

☆ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد تین چار صحابہ کے سوا سب مرتد ہو گئے تھے۔

☆ جو حضرت ابو بکر صدیق کی صحابیت کا انکار کریں۔

جو یہ عقیدہ رکھیں کہ نبی کی وہی بات مانی جائے گی جو نبی نے قرآن سے اخذ کر کے بتائی ہے اور آپ کا وہ قول وعمل جو بظاہر قرآن کے خلاف ہو (اگر چہ وہ حقیقت میں قرآن کے خلاف نہیں کیوں کہ آپ کا قول وعمل وحی پر مبنی ہے) اسے نہیں مانا جائے گا۔

☆ جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔

☆ نبی کا علم معاذ اللہ شیطان کے علم سے کم ہے۔

☆ جیسا علم غیب نبی کے لئے مانا جاتا ہے ویسا علم غیب بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو حاصل ہے۔

☆ انبیاء واولیاء کے وسیلے سے اللہ سے دعا مانگنا شرک ہے۔

ایسے عقائد بدعت وگمراہی اور کفر ہیں۔

ان عقائد سے اساسِ دین میں اس قدر تغیر اور بگاڑ واقع ہو جاتا ہے کہ ان سے دین کی شکل بگڑ جاتی ہے، جس کے نتیجے میں اسلام سے اخراج یا ارتداد یا جماعت حقہ اہل سنت وجماعت سے خروج لازم آتا ہے۔

علامہ ابن جوزی روافض کے عقائد واحوال بیان کرنے کے بعد باطنیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْبَاطِنِيَّةُ قَوْمٌ تَسَتَّرُوْا بِالْاِسْلَامِ وَمَالُوْا اِلَى الرَّفْضِ وَعَقَائِدُهُمْ وَاَعْمَالُهُمْ تُبَايِنُ الْاِسْلَامَ فَمَحْصُوْلُ قَوْلِهِمْ تَعْطِيْلُ الصَّانِعِ وَاِبْطَالُ النُّبُوَّةِ وَالْعِبَادَاتِ وَاِنْكَارُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّهُمْ لَايُظْهِرُوْنَ هٰذَا فِى اَوَّلِ اَمْرِهِمْ. بَلْ يَزْعَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَقٌّ وَاَنَّ مُحَمَّدًا. رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالدِّيْنَ صَحِيْحٌ لٰكِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ: لِذٰلِكَ سِرٌّ غَيْرُ ظَاهِرٍ وَقَدْ تَلَاعَبَ بِهِمْ اِبْلِيْسُ فَبَالَغَ وَحَسَّنَ لَهُمْ مَذَاهِبَ مُخْتَلِفَةً. (تلبیس ابلیس ص: ۱۰۲)

ترجمہ: ’’باطنیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کو چھپاتے ہیں اور اس کے انکار کی طرف راغب ہیں۔ ان کے عقائد واعمال کلی طور پر اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کے عقیدے کے مطابق کائنات کے خالق کی حیثیت معطل (بے کار) ہے۔ مزید برآں وہ نبوت، عبادات، اور بعثت کا انکار کرتے ہیں، لیکن وہ ابتدائی طور پر اس امر کا اظہار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے، (سیدنا) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور دین صحیح ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک راز اور غیر ظاہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے انہیں دھوکے میں رکھا اور مختلف گمراہ مذاہب انہیں حسین کر کے دکھائے"۔

۶......﴾: قدریہ

کفار و مشرکین اپنے شرک اور اعمال فاسدہ کو جواز فراہم کرنے کے لئے تقدیر کا سہارا لیتے تھے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْشَاءَ اللّٰهُ مَاعَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۔(النحل آیت :۳۵)

ترجمہ: "اور مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی پرستش نہ کرتے، نہ ہی ہم اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔"

ان کفار و مشرکین کا مدعا یہ تھا کہ اگر اللہ کے نزدیک ہمارے یہ اعمال ناپسندیدہ ہوتے تو وہ سختی سے ہمیں ان سے باز رکھتا اور ہم وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتے۔ اللہ نے ان کے ان شبہات کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (النحل آیت ۳۵) "تو کیا رسولوں کے ذمہ (اللہ کے پیغام اور احکام) واضح طور پر پہنچا دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟"

ارشادِ باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اے منکرین حق! معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ اللہ نے تمہیں ان اعمال باطلہ سے منع نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اس نے تمہیں ان امور سے سختی سے منع کیا ہے اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی ہے۔ اس مقصد کے حصول اور پیغام حق کے ابلاغ کے لئے اس نے ہر امت اور انسانوں کے ہر طبقے میں اپنے رسول بھیجے۔

مشرکین قریش تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اور اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کو ترک کرنے میں اسے حجت ٹھہراتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ اور امت کو قدریہ کے خیالات

ونظریات سے دور رہنے اور ان سے قطع تعلق کرنے کی تلقین کی ہے اور قدریہ کو اس امت کے مجوسی قرار دیا ہے۔

امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے کتاب السنۃ میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ.

(سنن ابو داؤد باب فی القدر حدیث: ۴۶۹۱)

ترجمہ: ''قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو''۔

مسئلہ قدر پر بحث وتمحیص کا آغاز دورِ صحابہ کے آخر میں عبدالملک بن مروان بن حکم (۸۶ھ) کے عہد میں ہوا (سیر اعلام النبلاء جلد۴ ص۲۶۴)۔ پہلا شخص جس نے تقدیر پر کلام کیا معبد الجہنی تھا (الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد۴ ص۷۵)۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ قدر پر سب سے پہلے بحث کا آغاز اہل عراق میں سے سوسن نامی شخص نے کیا جو پہلے نصرانی تھا پھر مسلمان ہوا اور اس کے بعد دوبارہ عیسائی ہو گیا (تہذیب التہذیب جلد۱۰ ص۲۲۶)۔ اس کے نظریات کو معبد الجہنی نے اختیار کیا جسے عبدالملک بن مروان نے ۸۰ھ میں قتل کر دیا تھا (العبر فی خبر من غبر للذہبی جلد۱ ص۶۸)۔ اور معبد الجہنی سے اس عقیدے کو غیلان بن مسلم الدمشقی نے لیا اور آگے پھیلایا۔ (شرح اعتقاد اہل السنۃ للالکائی: ص۴۲۱)

معتزلہ نے قدر کے حوالے سے یہ موقف اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ افعال العباد کو ان کے وقوع سے قبل جاننے والا ہے لیکن افعال شر اس کی مشیت اور تخلیق سے نہیں ہیں بلکہ یہ فقط بندوں کے پیدا کردہ افعال ہیں۔ اس کے بعد قدریہ کے کئی گروہ بن گئے اور ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔

معتزلہ کہتے تھے کہ عدل الٰہی کا تقاضا ہے کہ اگر انسان کے لئے سزا اور جزا کا مستحق ہونا ضروری ہے تو اس کا اپنے افعال میں آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔

قرونِ اُولیٰ میں مستحب اور نیکی کے امور پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا تھا

قرونِ اولیٰ میں نیکی اور بھلائی کے امور پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی بدعت کے مفہوم اور اس کے دائرے کو متعین فرما کر واضح کر دیا تھا کہ کس سطح کے امور محدثات و بدعات ہوں گے اور کون سے نہیں۔ اگر ہر نئے کام کو اس کی ماہیت، افادیت، مقصدیت اور مشروعیت کا تجزیہ کئے بغیر بدعت قرار دے کر مذموم تصور کر لیا جائے تو عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی، اجتہادی اور اجتماعی فیصلے، احکام، جائز مذہبی رسوم اور معاملات معاذ اللہ ضلالت و گمراہی قرار پاتے اور ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اجتہاد و استحسان اور مصالح اور صلاح اور اس کے ارتقا کا دروازہ بند ہو جاتا، جس سے لامحالہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا قابلِ عمل ہونا بھی ناممکن ہو جاتا۔ پس اگر کوئی عمل نہ قرآن میں صراحت کے ساتھ مذکور ہو اور نہ ہی رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو اور بعد ازاں امت کے صلحاء و علماء از خود کسی نئے عمل یعنی "بدعت مباحہ" کو اپنا لیں لیکن اس کا محرک رضائے الٰہی کا حصول ہو تو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے تحت یہ نئی چیز بھی عند اللہ مقبول اور باعث اجر و ثواب قرار پائے گی، اسی کو بدعتِ حسنہ یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔

نیکی اور بھلائی کے امور کو بدعت اور ضلالت کہنا بذاتِ خود بدعت و ضلالت ہے۔ اسی طرح دین کے مستحب امور، نفلی عبادات و خیرات اور نفلی صدقات یہ سب نہ دین کی ضروریات میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ دین میں اضافہ ہیں، لہٰذا ایسے جملہ امور کو بدعت کہنا فتنہ پروری اور حکمتِ دین کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین نے دین میں فتنہء ارتداد، فتنہء انکارِ زکوٰۃ اور فتنہ ادعائے نبوت کی سطح کے امور اور ان نئے امور کو بدعات کہا ہے جو دین اسلام کے مخالف اور معارض ہیں اور جن کی اصل اور دلیل شرعی موجود نہیں ہے اور ان کے علاوہ دیگر تمام مستحبات اور مستحسن چیزوں کو بدعت یا ضلالت نہیں فرمایا ہے۔

ہر نئی چیز کو بدعت جان کر گمراہی پر محمول کرنا نہ صرف ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے بلکہ علمی وفکری اعتبار سے باعثِ ندامت اور قابلِ افسوس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اور دین میں بے جا مداخلت و بذاتِ خود بدعت وضلالت بھی ہے۔ قرونِ اولیٰ میں اجتہادی اور استحبابی نوعیت کے نئے امور پر بدعتِ ضلالت کا اطلاق نہیں ہوتا تھا بلکہ ضرورت ومصلحتِ دین کے تحت ایسے اجتہادات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس حوالے سے چند نظائر وواقعات ملاحظہ فرمائیں:

☆ جمع وتدوینِ قرآن کے لئے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ راشد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حالات کا تقاضا ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اس کی حفاظت کا مستقل انتظام ہو سکے تو پہلے پہل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں؟ لہٰذا انہوں نے فرمایا: كَيْفَ اَفْعَلُ شَيْئًا مَالَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قول لقد جاء کم رسول، حدیث:۴۴۰۲)۔ "میں ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا" حضرت عمر فاروق کی بصیرت افروز نگاہیں اس حکمت ومصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمع قرآن میں مضمر تھی لہٰذا انہوں نے جواب دیا: اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے اپنی ظاہری حیات مقدسہ میں نہیں کیا، لیکن هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب یستحب للکاتب ان یکون امینا عاقلا، حدیث:٦٧٦٨)۔ "یعنی اللہ کی قسم یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے" لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیئے۔

اس گفتگو کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انشراحِ صدر نصیب ہوا لہٰذا انہوں نے جب حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو قرآن کو یکجا کرنے کا حکم دیا تو شروع میں ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر کے ذہن میں ابھرے تھے، لہٰذا کہنے لگے: كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا؟ لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: اَبُوْبَكْرٍ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ۔ (صحیح بخاری حدیث:۴۴۰۲) "آپ دونوں وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔

ابوبکر صدیق نے فرمایا "اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے"

مذکورہ حدیث مبارک میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت کے اس سوال پر کہ: کَیْفَ تَفْعَلَانِ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْهُ النَّبِیُّ ﷺ۔ سیدنا صدیق اکبر نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے نئے ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کیا، بلکہ ان کے سوال کے جواب میں حضرت عمر فاروق کے یہ الفاظ دہرائے کہ ''ھُوَ وَاللّٰہِ خَیْرٌ'' واللہ یہ کام بہتر ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ قرونِ اولیٰ میں ہر وہ نیا کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت اور موافقِ دین ہوتا، نہ صرف اسے جائز تصور کیا جاتا تھا بلکہ ایسے امور کا بجالانا سنت صحابہ بھی تھا۔

☆ احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نمازِ تراویح باجماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ ﷺ ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام بھی انفرادی طور پر اپنی اپنی نمازِ تراویح پڑھ لیتے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب کا دورِ خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ہی ترک کردیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ارادہ کو پختہ فرما کر سب کو حضرت ابی بن کعب کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کے لئے جمع فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ میں جب دوسری رات حضرت عمر کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ ترجمہ: ''یہ کتنی اچھی بدعت ہے''۔

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق نے خود ''نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ '' فرما کر واضح کر دیا کہ دین میں ہر نیا کام بدعتِ ضلالہ نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے امور، خیر بھی ہوتے ہیں ورنہ آج تک امت مسلمہ کے جو افراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نمازِ تراویح کی

صورت میں اکھٹے ہو کر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دورِ صحابہ میں اچھے نئے امور کو استحسان کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ہر نئے عمل پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نماز جمعہ سے قبل کی دوسری اذان (جو آج اذان اول کہلاتی ہے) کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَنَّ التَّاذِیْنَ الثَّانِیَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَمَرَ بِهٖ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ حِیْنَ کَثُرَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ. (بخاری کتاب الجمعة باب الجلوس علی المنبر حدیث ۸۷۳)

ترجمہ: ''جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔

علامہ ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

وَمِنْ ذٰلِکَ اَذَانُ الْجُمُعَةِ الْاَوَّلُ زَادَهٗ عُثْمَانُ لِحَاجَةِ النَّاسِ اِلَیْهِ، وَاَقَرَّهٗ عَلِیٌّ وَاسْتَمَرَّ عَمَلُ الْمُسْلِمِیْنَ عَلَیْهِ. وَرُوِیَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ: هُوَبِدْعَةٌ، وَلَعَلَّهٗ اَرَادَ مَا اَرَادَ اَبُوْهُ فِیْ قِیَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ. (جامع العلوم والحکم جلد ۳ ص ۲۵۲)

ترجمہ: ''اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا اور ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی اذانِ اول کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی، قیامِ رمضان کے بارے میں تھی (یعنی یہ اچھی بدعت ہے)''

مذکورہ بالا تینوں امور اگرچہ حیاتِ نبوی میں موجودہ صورت میں رواج پذیر نہیں تھے لیکن چونکہ مبنی بر خیر و حکمت تھے لہٰذا صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک افرادِ امت ان پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں اور ان امورِ حسنہ پر کسی نے بھی کبھی بدعتِ ضلالت کا اطلاق نہیں کیا۔

تابعین و تبع تابعین اہل بدعت سے دور رہتے تھے

حضور ﷺ نے دینِ اسلام کے خلاف کسی چیز کے موجدین ومرتکبین اور فتنہ پروروں کی شدید مذمت فرمائی ہے۔صحابہ وتابعین اور تبع تابعین اپنے اپنے ادوار میں اہل بدعت اور گمراہوں سے اجتناب کرتے تھے اور عام لوگوں کو بھی ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ذیل میں ہم نفسِ مضمون سے متعلق پہلے چند احادیث نبویہ پیش کریں گے پھر اس کے بعد اسی حوالے سے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال درج کریں گے جس سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ اسلافِ امت شروع سے ہی اہل بدعت سے اجتناب کرتے چلے آرہے ہیں۔

﴿۱﴾۔امام بخاری (۲۵۶ھ) اور امام مسلم (۲۶۱ھ) نے حضرت علی سے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے نئے فتنے پیدا کرنے والے بدعتیوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلْمَدِیْنَةُ حَرَمٌ مَابَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِیْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفٌ وَّلَاعَدْلٌ۔

(صحیح بخاری کتاب الفرائض باب اثم من تبرأ من موالیه حدیث:۶۳۷۴)

ترجمہ:''مدینہ منورہ مقام عیر سے لے کر مقام ثور تک حرم ہے۔جس نے اس میں کوئی فتنہ پیدا کیا یا کسی فتنہ کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، قیامت کے روز نہ اس کا کوئی مال قبول ہوگا اور نہ فدیہ''۔(اللہ کے عذاب سے اپنی جان نہ چھڑا پائے گا)

﴿۲﴾۔امام ابن ماجہ (۲۷۳ھ) نے حضرت حذیفہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین میں نئے فتنے پیدا کرنے والوں کی کوئی عبادت قبول نہیں مزید برآں وہ دین سے ایسے خارج ہوجائیں گے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا

ہے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لَایَقْبَلُ اللّٰہُ لِصَاحِبِ بِدْعَۃٍ صَوْمًا وَلَا صَلٰوۃً وَلَا صَدَقَۃً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَۃً وَلَا جِھَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا یَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ کَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَۃُ مِنَ الْعَجِیْنِ.

(سنن ابن ماجه باب اجتناب البدع والجدل حديث: ۴۹)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کا روزہ، نماز، صدقہ، حج وعمرہ اور جہاد قبول نہیں کرتا اور نہ کوئی مال قبول کرے گا اور نہ فدیہ۔ بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔''

﴿۳﴾ امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ لالکائی (۴۱۸ھ) نے عن ہشام بن حسان عن الحسن کے طریق سے بھی اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے۔

﴿۴﴾ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) نے حضرت غضیف بن حرث الثمالی سے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

مَااَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّۃٍ خَیْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَۃٍ.

(مسند احمد حديث: ۱۷۰۹۵)

ترجمہ:''جب کوئی قوم دین میں نیا فتنہ (بدعت) نکالتی ہے تو اس کی مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔''

﴿۵﴾۔امام طبرانی (۳۶۰ھ) نے حضرت انس ؓ سے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے آپ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ حَجَبَ التَّوْبَۃَ عَنْ کُلِّ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ.

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے ہر گمراہ پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔''

﴿۶﴾۔امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے ابراہیم بن میسر سے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَۃٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ھَدْمِ الْاِسْلَامِ.

(المعجم الاوسط ۷/۳۵، شعب الایمان حدیث: ۹۴۶۴)

ترجمہ:''جس نے کسی گمراہ کی تعظیم وتوقیر کی تو گویا اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد کی۔''

امت میں فرقہ بندی پیدا کرنے والے بدعتی ہیں

﴿۷﴾۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا" اِنَّمَا هُمْ اَصْحَابُ الْبِدَعِ وَاَصْحَابُ الْاَهْوَاءِ وَاَصْحَابُ الضَّلَالَةِ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ. یَاعَائِشَةُ اِنَّ لِكُلِّ صَاحِبِ ذَنْبٍ تَوْبَةً غَیْرَ اَصْحَابِ الْبِدَعِ وَاَصْحَابِ الْاَهْوَاءِ، لَیْسَ لَهُمْ تَوْبَةٌ وَاَنَابَرِیْءٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مِّنَّا بُرَآءُ.

(حلیة الاولیاء ۱۳۸/۴ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۹۷/۷)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقوں میں بٹ گئے وہ اس امت کے بدعتی، نفس پرست اور گمراہ طبقے ہیں۔ اے عائشہ! فتنہ پروروں اور خواہش پرستوں، گمراہوں کے علاوہ ہر گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ میں ان سے بیزار اور وہ مجھ سے بیزار ہیں۔''

﴿۸﴾۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ (۶۸ھ) آیت:

یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (ال عمران ، ۳: ۱۰۶) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تَبْیَضُّ وُجُوْهُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَهْلِ الْبِدْعَةِ.

(تفسیر ابن کثیر ۵۸۴/۱، تفسیر قرطبی ۱۰۷/۴)

ترجمہ: ''روشن چہرے اہل سنت کے ہوں گے اور سیاہ چہرے اہل بدعت کے ہوں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر (۷۳ھ) نے بھی یہی الفاظ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ۱۰۸/۴)

﴿۹﴾۔ حضرت عبداللہ بن مبارک، امام اوزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عطا خراسانی نے فرمایا:

مَایَكَادُ اللّٰهُ اَنْ یَاْذَنَ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ بِتَوْبَةٍ. (حلیة الاولیاء ۱۹۸/۵ تهذیب الکمال للمزی ۱۱۲/۲۰)

''اللہ تعالیٰ کسی گمراہ، بدعقیدہ شخص کو توبہ کی توفیق نہیں دیتا''۔

﴿۱۰﴾۔ یوسف بن اسباط بیان کرتے ہیں کہ محمد بن نضر الحارثی نے فرمایا:

مَنْ اَصْغٰی سَمْعَهُ اِلٰی صَاحِبِ بِدْعَةٍ، وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ صَاحِبُ بِدْعَةٍ، نُزِعَتْ مِنْهُ الْعِصْمَةُ وَوُكِّلَ اِلٰی نَفْسِهِ. (شرح اعتقاد اهل السنة ۱/ ۷۸)

ترجمہ: ’’جواپنے کان بدعتی شخص کی باتیں سننے پر لگائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ بدعتی ہے تو اس سے اللہ کی حفاظت کا ہاتھ اُٹھالیا جاتا ہے اور اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے‘‘

﴿۱۱﴾۔ امام حسن بصری (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

لَاتُجَالِسْ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَاِنَّهُ يُمْرِضُ قَلْبَكَ. (شعب الايمان ۴/ ۳۷۴)

’’کسی بدعتی، گمراہ کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا‘‘

﴿۱۲﴾۔ اسماعیل الطوسی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ ابن مبارک (۱۸۱ھ) نے فرمایا:

يَكُوْنُ مَجْلِسُكَ مَعَ الْمَسَاكِيْنِ، وَاِيَّاكَ اَنْ تُجَالِسَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ. (شعب الايمان ۷/ ۶۴)

’’تیری مجلس، مساکین (اللہ والوں) کے ساتھ ہونی چاہئے۔ گمراہ شخص کے ساتھ بیٹھنے سے بچو‘‘

﴿۱۳﴾۔ امام اوزاعی (۱۵۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے فرمایا:

اِذَا لَقِيْتَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فِیْ طَرِيْقٍ، فَخُذْ فِیْ غَيْرِهٖ. (شعب الايمان جلد:۷ص ۶۰)

’’جب تو کسی گمراہ سے کبھی راستہ میں ملے تو راستہ بدل لے۔‘‘ (اس سے اعراض کر)

﴿۱۴﴾۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بدعتیوں سے دور رہنے اور ان سے رابطہ نہ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

لاتجلسْ مع صاحبِ بدعةٍ، احبطَ اللّٰهُ عملهُ، واخرجَ نورَالاسلامِ مِنْ قلبهٖ. واِذَا احبَّ اللّٰهُ عبداً، طيّبَ لهُ مطعمهُ. وقالَ: صاحبُ البدعةِ لاتامنهُ علٰى دِينكَ، وَلا تُشاورهُ فِی امْرِكَ، ولا تجلِسْ اليهِ، فَمَنْ جلسَ الٰى صاحبِ بدعةٍ، ورثهُ اللّٰهُ الْعمىٰ. و قال فی مقام آخر اِنَّ لِلّٰهِ ملائِكةً يَطْلُبُوْنَ حلقَ الذِّكْرِ، فانظُرْ مع من يكونُ مجلسُكَ: لا يكونُ مع صاحبِ بدعةٍ، فانَّ اللّٰهَ لا ينظُرُ اِليهِمْ، وعلامةُ النِّفَاقِ اَنْ يَقُوْمَ الرَّجُلُ وَيَقْعُدَ مع صاحبِ بدعةٍ. وقالَ ادرَكْتُ خِيَارَ النَّاسِ كُلُّهُمْ اصحابَ سنةٍ، ينهونَ عن اصحابِ البدعِ. وقالَ لَا يُرْفَعُ لِصاحبِ بدعةٍ الى اللّٰهِ عملٌ. (حلية الاولياء

۱۰۳/۸، سیر اعلام النبلاء ۴۳۵/۸)

ترجمہ: ''بدعتی گمراہ کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو ضائع کر دیا ہے اور اسلام کا نور اس کے سینے سے نکال دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی خوراک کو پاک کر دیتا ہے۔ مزید فرمایا کہ اپنے دین کے معاملے میں کسی گمراہ شخص پر بھروسہ نہ کرو، نہ اس سے مشورہ لو اور نہ اس کے پاس بیٹھو۔ کیونکہ جو کسی بدعتی کی صحبت اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اندھا کرے گا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ہر وقت مجالس ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں لہٰذا تو اس امر پر غور کر کہ تیرا ہم مجلس کون ہے۔ بدعتی کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم نہیں فرماتا۔ نفاق کی علامت یہ ہے کہ کسی کا اٹھنا بیٹھنا بدعتی کے ساتھ ہو۔ مزید فرمایا کہ میں نے امت کے تمام اچھے لوگوں کو گمراہ آدمی سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ فرمایا کہ بدعتی کا کوئی عمل قبولیت کے لئے اللہ کی طرف اٹھایا نہیں جاتا''۔

﴿۱۵﴾۔ علامہ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا:
كُلُّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ ذَلِيْلٌ وَتَلا هٰذِهِ الْآيَةَ (اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) (اعراف،۷: ۱۵۲، تفسیر طبری ۷۰/۹، تفسیر ابن کثیر ۲۵۹/۲)۔

ترجمہ: ''بدعتی گمراہ، ذلیل ہے پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی (بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا ہے انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب بھی پہنچے گا اور دنیوی زندگی میں ذلت بھی)''۔

﴿۱۶﴾۔ امام حسن بصری (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:
''بدعتی و گمراہ شخص کے چہرے پر بدعت کی وجہ سے ذلت برستی رہتی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی شان و شوکت رکھتا ہو۔'' (تفسیر ابن کثیر ۲۹۵/۲)

﴿۱۷﴾۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک (۱۸۱ھ) گمراہوں کی ظاہری نحوست بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: صَاحِبُ الْبِدْعَةِ عَلٰى وَجْهِهِ الظُّلْمَةُ، وَاِنِ ادَّهَنَ كُلَّ يَوْمٍ

ثَلاثِيْنَ مَرَّةً. (شرح اعتقاد اهل السنة ۱/۸۱)

ترجمہ: ''گمراہ شخص کے چہرے پر ظلمت چھائی رہتی ہے اگرچہ وہ دن میں تیس مرتبہ اس میں تیل لگایا کرے''۔

﴿۱۸﴾۔امام اعمش بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا:

لَيْسَ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ غِيْبَةٌ. (ایضا)

ترجمہ: ''بدعتی کی (گمراہی کو واضح کرنا) کوئی غیبت نہیں ہے''۔

﴿۱۹﴾۔اسی طرح امام حسن بصری (۱۱۰ھ) بیان فرماتے ہیں:

ثَلاثَةٌ لَيْسَتْ لَهُمْ حُرْمَةٌ فِي الْغِيْبَةِ: اَحَدُهُمْ صَاحِبُ بِدْعَةِ الْغَالِيْ بِبِدْعَتِهٖ. (ایضا)

ترجمہ: ''تین افراد ایسے ہیں جن کی غیبت کرنا حرام نہیں ہے۔ان میں سے ایک غالی بدعتی ہے جو اپنی بدعت میں بہت غلو کرنے والا ہے''۔

﴿۲۰﴾۔مؤمل بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) کو فرماتے ہوئے سنا:

اَلْمُسْلِمُوْنَ كُلُّهُمْ عِنْدَنَا عَلٰى حَالَةٍ حَسَنَةٍ اِلَّا رَجُلَيْنِ: صَاحِبُ بِدْعَةٍ اَوْ صَاحِبُ سُلْطَانٍ. (ایضا ص ۶۵)

ترجمہ: ''ہمارے نزدیک دو افراد کے علاوہ تمام مسلمان اچھی حالت پر ہیں۔ایک گمراہ اور دوسرا امراء کی دریوزہ گری کرنے والا''۔

﴿۲۱﴾۔ آیت فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ. (النساء: ۱۴۰)
کے تحت علامہ محمود آلوسی بغدادی (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ بَعْضُهُمْ بِالْاٰيَةِ عَلٰى تَحْرِيْمِ مُجَالَسَةِ الْفَاسِقِ وَالْمُبْتَدِعِيْنَ مِنْ اَيِّ جِنْسٍ كَانُوْا، وَاِلَيْهِ ذَهَبَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاِبْرَاهِيْمُ وَاَبُوْ وَائِلٍ، وَبِهٖ قَالَ عُمَرُبْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ.

(روح المعانی ۳/۱۷۴)

ترجمہ: ''بعض مفسرین نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ہر قسم کے فساق اور بدعتیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے اور یہی قول عبداللہ بن مسعود، ابراہیم نخعی، ابووائل، اور عمر بن

عبدالعزیز کا ہے"۔

﴿۲۲﴾۔امام قرطبی (۶۶۸ ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عَنِ الضَّحَّاکِ قَالَ دَخَلَ فِی هٰذِهِ الآیَةِ کُلُّ مُحدِثٍ فِی الدِّیْنِ مُبْتَدِعٍ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَةِ. (تفسیر قرطبی :۲۶۸/۵)

"امام ضحاک فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جو دین میں نئی بات نکالے اور قیامت تک آنے والا ہر گمراہ بھی اس میں شامل ہوگیا۔"

علامہ فخر الدین رازی (۶۰۶ ھ) آیت:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ. (الانعام ۱۵۹)

کی تفسیر میں امام تفسیر حضرت مجاہد (۱۰۲ ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال المجاهد "اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ" من هذه الامة هم اهل البدع والشبهات واعلم ان المراد من الآیة الحث علی ان تکون کلمة المسلمین واحدة وان لا یتفرقوا فی الدین ولا یبتدعوا البدع. (تفسیر کبیر ۱۳/۹)

ترجمہ: "حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس امت میں جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کیا وہ بدعتی اور اہل شبہات ہیں۔ آیت کا مقصود امت کو اجتماعیت اور کلمہ واحدہ پر آمادہ کرنا ہے اور یہ کہ دین میں فرقہ بندیوں اور بدعات سے احتراز کرے۔"

بدعتی (گمراہ) سے دور رہنے کی تاکید کیوں؟

قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک وکفر کو نہیں بخشے گا۔ کافر کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل فرمائے گا۔ کافر کے علاوہ کوئی کتنا ہی بڑا گناہ گار ہوا گر ذرہ برابر بھی اس کے دل میں ایمان ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے نکال کر جنت میں داخل فرمائے گا۔ لہٰذا اخروی انجام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو گمراہی کفر کی بہ نسبت چھوٹا جرم ہے۔ جس شخص کی گمراہی حد کفر کو نہیں پہنچی وہ کافر نہیں، اس خیال سے عموماً لوگ بہت ہلکے انداز میں کسی بدعتی وگمراہ شخص کے بارے میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ

اس کے ساتھ شدت کا برتاؤ کیوں کیا جائے؟ کہ اس کے ساتھ اٹھو بیٹھو نہیں۔ کھاؤ پیو نہیں۔ اسے بڑھ کر سلام نہ کرو۔ وہ بیمار ہو تو عیادت کو نہ جاؤ۔ یہ بے جا شدت ہے۔

لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں۔ کیوں کہ گمراہی اگر چہ اخروی انجام کے اعتبار سے کفر سے کم درجے کا گناہ ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں انجام کے اعتبار سے گمراہی کفر سے زیادہ خطرناک ہے۔ کسی شخص کا کفر معلوم ہو تو مسلمان دین کے معاملے میں اس کو نا قابل اعتبار سمجھ کر اپنے دینی مسائل اس سے دریافت نہیں کریں گے۔ اسے اپنا دینی پیشوا نہیں بنائیں گے۔ نتیجہ کے طور پر مسلمان اس کے کفر کے شر وفساد سے محفوظ رہیں گے اور دوسروں کے دین وایمان کو اس کی طرف سے زیادہ خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ لیکن جو شخص کافر نہ ہو، گمراہ ہو تو لوگ اس کو مسلمان سمجھنے کی وجہ سے ان سے قرب اختیار کرنے میں کچھ قباحت محسوس نہیں کریں گے۔ اپنے اسلامی معاملات و مسائل میں اس کی طرف رجوع بھی کریں گے۔ اس لئے اس میں اس بات کا خطرہ زیادہ ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان اس کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس کی بدعقیدگی و بدعت کے اثر کو قبول کرلیں گے۔ اس حکمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت نے بدمذہبوں اور بدعقیدہ لوگوں کی صحبت سے دور رہنے کی سخت تاکید کی ہے اور بدعقیدہ لوگوں کی سخت مذمت بیان کی ہے۔

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: اَصۡحَابُ الۡبِدَعِ کِلَابُ النَّارِ (کنز العمال حدیث: ۱۰۹۰)

ترجمہ: گمراہ لوگ جہنم کے کتے ہیں۔

حدیث شریف میں یہ بھی ہے: اَهۡلُ الۡبِدَعِ شَرُّ الۡخَلۡقِ وَالۡخَلِیۡقَةِ (کنز العمال حدیث: ۱۰۹۱)

ترجمہ: گمراہ لوگ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں۔

مَنۡ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدۡعَةٍ فَقَدۡ اَعَانَ عَلٰی هَدۡمِ الۡاِسۡلَامِ .(کنز العمال ۱۰۹۸)

ترجمہ: جس نے کسی گمراہ شخص کی تعظیم و توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔

گمراہ شخص چونکہ بظاہر صحیح العقیدہ مسلمان نظر آتا ہے بلکہ کبھی دینی پیشوا کی صورت میں ہوتا ہے لیکن اندر سے اپنی بدعقیدگی کی بنیاد پر یا تو کافر ہو چکا ہوتا ہے اور زندیق کی طرح ہوتا ہے یا کفر کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے، اسلئے صحیح العقیدہ مسلمان کو اپنے عقیدے کی حفاظت کے لئے اس سے بچنا

ضروری ہے۔ ایسے گمراہ شخص کے بارے میں تو حدیث پاک میں یہاں تک آیا ہے:

لَایَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَاصَلٰوةً وَلَاصَدَقَةً وَلَاحَجًّا وَلَاعُمْرَةً وَلَاجِهَادًاوَلَاعَدْلًا، يَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ.

(سنن ابن ماجه مقدمه: حديث: ۴۹)

ترجمہ: اللہ کسی گمراہ کا روزہ، نماز، صدقہ، حج، عمرہ، جہاد، کوئی بدلہ واحسان قبول نہیں فرمائے گا وہ اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل آتا ہے۔

حضور رسول اکرم ﷺ نے آئندہ زمانے میں آنے والے کچھ گمراہ قوموں کے بارے میں فرمایا کہ آنے والے زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو میرے صحابہ اور میرے رشتے داروں کو برا کہیں گے، ان کی شان گھٹا کر پیش کریں گے۔ تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، نہ کھاؤ، نہ پیو اور نہ نکاح کا رشتہ قائم کرو۔ (کنز العمال کتاب الفضائل حدیث: ۳۲۴۶۵)۔

اس حدیث کی روایت خطیب بغدادی اور ابن عسا کر نے کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر وہ مریض ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ اگر مر جائیں تو انہیں دیکھنے نہ جاؤ۔ انہیں سلام نہ کرو اور ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو۔ (کنز العمال حدیث: ۳۲۵۳۹)۔

دار قطنی اور ابن نجار کی روایت میں یہ بھی ہے کہ "ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو"

(کنز العمال حدیث: ۳۲۵۲۵)۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ آنے والے زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ ہم، لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ کتاب اللہ کو وہ اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال چکے ہوں گے۔ ایسے وقت میں تم علم شریعت کو اپنے اوپر لازم کر لو اور خود کو بدعت سے بچاؤ (سنن دارمی ۱/۶۷ باب من ہاب الفتیا)۔

سنن دارمی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ صُبیغ نام کا ایک عراقی شخص حضرت عمر فاروق ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے قرآن کی متشابہ آیات (وہ آیات جن کی مراد اللہ کو معلوم ہے اور بندوں کو ان کی مراد معلوم کرنے کی کوشش کرنا گمراہی ہے) کے بارے میں بحث کرنے لگا تو حضرت عمر ﷺ نے اس کی

گمراہی کی وجہ سے اسے بہت مارا۔ اس نے توبہ کرلی اور مصر چلا گیا۔ مصر میں صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ مسلمانوں سے کہہ دو کہ صبیغ سے میل جول نہ رکھیں۔ مسلمانوں نے صبیغ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ صبیغ پر یہ معاملہ بہت بھاری پڑا تو اس نے لوگوں کو اپنی توبہ کا یقین دلایا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر ﷛ کو خط لکھا کہ صبیغ نے اچھی طرح توبہ کرلی ہے، تب جا کر حضرت عمر ﷛ نے لوگوں کو اس سے ملنے جلنے کی اجازت دی۔ (سنن دارمی ۱/۶۷ باب من ہاب الفتیا)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق ﷛ کے اس عمل سے یہ درس ملتا ہے کہ گمراہ و بدمذہب آدمی اگرچہ توبہ کرلے، اس وقت تک اس پر دینی معاملات میں اعتماد نہیں کرنا چاہئے جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ اس نے صدق دل سے توبہ کی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے ذمہ دار علماء و مشائخ، عوام اہل سنت کو بدمذہب و گمراہ جماعتوں (مثلاً وہابی، اہل حدیث، غیر مقلد، سلفی، جماعت اسلامی، دیوبندی، تبلیغی) کے علماء اور پیشواؤں سے دور رہنے کی سخت تاکید کرتے ہیں، ان کی یہ بے جا شدت اور تعصب نہیں، بلکہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بدعقیدہ لوگوں کی گمراہ گری سے بچانے اور ان کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کے ارادے سے انہیں احادیث کریمہ کے مطابق نصیحت کرتے ہیں۔ یہ ان کی دینی ذمہ داری ہے۔ یہ فرمان رسول ﷺ پر عمل کرنا ہے اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق ﷛ کی سنت پر چلنا ہے۔

ایک گمراہ کن خیال کا ازالہ

بدمذہب اور گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ''اہل حدیث'' کا ہے۔ اس فرقے کے باطل عقائد و نظریات کو ہم ان شاء اللہ، بعد میں ذکر کریں گے۔ یہاں پر بدعت کے ضمن میں ان کی ایک گمراہ کن بدعت کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اہل حدیث کے علماء دینی تعلیم سے ناواقف یا کم پڑھے لکھے لوگوں کے دماغ میں ایک خیال یہ جما دیتے ہیں کہ جب تک کوئی بات صحیح حدیث سے ثابت نہ

ہو، اس کو ماننا درست نہیں ۔اسی کے ساتھ ایک دوسری بات دماغ میں یہ جما دیتے ہیں کہ بخاری و مسلم شریف کی سب حدیثیں صحیح ہیں بلکہ بعض تو صرف بخاری ہی کا اور کہتے ہیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بعض حدیثیں صحیح ہیں اور بعض ضعیف۔ پھر عام لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم کے سوا دوسری کتابوں کی کون سی حدیث صحیح ہے کون سی ضعیف؟ تم چھان بین کر کے معلوم نہیں کر سکتے ،اس لئے تم کسی بھی چیز کے ثبوت کے لئے بخاری شریف کی حدیث کا مطالبہ کرو۔ دینی تعلیم سے ناواقف بعض لوگ اس گمراہ کن بات کا شکار ہو جاتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے کم پڑھے لکھے یا ناخواندہ عوام سے معمولات اہل سنت و جماعت کے تعلق سے بات بات پر بخاری شریف و مسلم شریف کی حدیث کا حوالہ مانگتے ہیں اور بڑی بے باکی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی حدیث پیش کرو ورنہ ہم نہیں مانتے۔ یہ خیال باطل و گمراہ کن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بات سے یہ لازم آتا ہے کہ بخاری و مسلم اور حدیث صحیح کے علاوہ دوسری حدیثیں ناقابل اعتبار و نامقبول ہوں۔ حالانکہ بے شمار مسائل شرعیہ ایسے ہیں جن کا ثبوت حدیث صحیح سے نہیں بلکہ حدیث حسن سے ہے اور بہت سی ضعیف حدیثیں ہیں جن پر امت کا عمل ہے۔ امام ترمذی نے اپنی جامع میں جا بجا حدیث ضعیف کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ "اس پر علماء و مشائخ کا عمل ہے" صرف حدیث صحیح کو قابل عمل قرار دینا اور حدیث کی باقی قسموں کو ناقابل قبول و مردود قرار دینا بدعت و گمراہی ہے۔

عام ذہنوں میں ایک باطل خیال یہ بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ جو حدیث صحیح نہیں وہ غلط ہے۔ حالانکہ یہ سراسر جہالت پر مبنی اور گمراہ کن بات ہے۔ عام بول چال میں لفظِ صحیح، غلط کے مقابلے میں بولا جاتا ہے لیکن محدثین کی اصطلاح میں صحیح، غلط کے مقابلے میں نہیں بولا جاتا بلکہ لفظِ صحیح محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ سند کے اعتبار سے جو حدیث اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اسے وہ صحیح کہتے ہیں۔ جس حدیث کو کوئی محدث صحیح کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے بالمقابل جو حدیث ہے وہ صحیح نہیں یا اگر یہ کہتا ہیکہ فلاں حدیث صحیح نہیں تو اس محدث کے کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سند مذکور کے ساتھ حدیث مذکور صحیح نہیں ہے، بلکہ حدیث کی دیگر اقسام میں سے کوئی اور قسم ہے۔ مثلاً وہ حَسَن لِذَاتِہٖ ہے یا حَسَن لِغَیْرِہٖ ہے یا غریب ہے۔ انہیں اس بات سے بھی انکار نہیں ہوتا کہ حدیث مذکور دوسری

سند سے صحیح ہو۔

بات بات پر بخاری و مسلم کا حوالہ مانگنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خود امام بخاری و مسلم نے کہیں یہ نہیں فرمایا ہے کہ کسی چیز کے ثبوت کے لئے صرف بخاری یا مسلم ہی کا حوالہ پیش کرنا ضروری ہے اور کہیں یہ بھی نہیں فرمایا ہے کہ صرف حدیث صحیح ہی قابل قبول ہے اور حدیث کی باقی قسمیں نا قابل قبول ہیں۔ بلکہ کسی بھی محدث نے یہ نہیں لکھا ہے کہ احادیث پر عمل کے معاملے میں صرف انہیں کی تحقیق مانی جائے گی اور انہوں نے جس حدیث کو صحیح لکھا وہ ہر محدث کے نزدیک صحیح ہے یا یہ کہ ہر حدیثِ صحیح پر عمل کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا بات بات پر بخاری و مسلم کا حوالہ مانگنا اور صرف حدیثِ صحیح کو ہی قابل قبول قرار دینا اپنی طرف سے شریعت میں ایک من گھڑت ضابطہ بنانا ہے جو سراسر بدعت ضلالت ہے۔ لیکن خود کو اہل حدیث کہنے والا ایک جاہل آدمی بھی بات بات پر صحاح ستہ کی رٹ لگاتا ہے اور خود کو مجتہد سمجھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔

حق یہ ہے کہ بعض احادیثِ صحیحہ پر عمل نہیں ہوتا، کیوں کہ سند کے لحاظ سے بعض حدیث صحیح ہوتی ہے لیکن اس کے منسوخ ہونے کی وجہ سے وہ نا قابل عمل ہوتی ہے یا وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل کے ساتھ خاص ہوتی ہے، یا وہ مؤوّل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنی نواسی لبابہ بنت زینب کو اپنے کندھے پہ بٹھا کر سجدہ کرتے تھے۔ یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن یہ عمل حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔ حضور نے اپنی امت کے لئے یہ عمل مشروع نہیں فرمایا کہ آدمی جب سجدے میں جائے تو اپنی نواسی کو کندھے پر بٹھائے رکھے۔ اس کے برعکس بعض احادیثِ ضعیفہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث شریف ہے کہ عاشوراء کے دن جو مسلمان اپنے اہل وعیال پر زیادہ خرچ کرے گا' سال بھر اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں وسعت و کشادگی عطا فرمائے گا۔ (شعب الایمان حدیث نمبر: ۳۷۹۵)

حدیث مذکور کے اسناد کے تعلق سے امام بیہقی نے تحریر فرمایا:

هٰذِهِ الْاَسَانِيْدُ وَاِنْ كَانَتْ ضَعِيْفَةً اِذَا ضُمَّ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ اَخَذَتْ قُوَّةً.

ترجمہ: حدیث مذکور کی یہ اسناد اگرچہ ضعیف ہیں لیکن سب اسناد کے باہم ملنے سے قوت پیدا

ہوگئی ہے۔ اور قابل عمل ہوگئی۔

بعض احادیثِ صحیحہ پر عمل نہ ہونے کی بھی متعدد وجہیں ہوتی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ بعض حدیثیں سند کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہیں لیکن وہ منسوخ ہوتی ہیں۔ ایسی حدیثوں کو صحیح تو کہا جائے گا لیکن ان کو قابل عمل نہیں کہا جائیگا۔ مثلاً نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین کی احادیث اگرچہ سنداً صحیح ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عملاً منسوخ ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک عملاً منسوخ نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رفع یدین کی احادیث صحیح ہونے کے باوجود ان پر عمل درست نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان پر عمل درست ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ ہر حدیثِ صحیح، ہر محدث یا مجتہد کے نزدیک قابل قبول و عمل نہیں ہوتی اور ہر مقبول و معمول بہ حدیث، سنداً ہر محدث یا مجتہد کے نزدیک حدیثِ صحیح نہیں ہوتی۔

احادیث کریمہ کے تعلق سے یہ باتیں کہ کون حدیث قابل عمل ہے اور کون قابل عمل نہیں؟ استنباطِ احکام میں کس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ احادیث سے احکام کے استنباط کے اصول کیا ہیں؟ یہ سب فقہاءِ امت و مجتہدین کا کام ہے، نہ کسی عام مولوی کا نہ کسی اسلامی ریسرچ اسکالر کا اور نہ ہی کسی ڈاکٹر کا۔ آج کل عام مسلمانوں میں عقائد کے باب میں جو گمراہی پھیلتی جارہی ہے اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہر کس و ناکس قرآن و حدیث سے براہ راست از خود کسی حکم شرعی کا ثبوت ڈھونڈھتا ہے۔ بلکہ ستم یہ ہے کہ صرف قرآن و حدیث کے اردو ترجموں سے بلکہ بعض حضرات تو انگریزی ترجموں سے از خود اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود سے حق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہالت و گمراہی میں بھٹکتے ہوئے دنیا سے گزر جاتے ہیں یا برسوں بھٹکنے کے بعد علماء حق کی صحبت اختیار کر کے توفیق خداوندی سے راہ راست پر آتے ہیں۔

نبوت سے متعلق عقائد

نبی اس بشر کو کہتے ہیں، جس کے پاس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہے۔
رسول، بشر کے ساتھ خاص نہیں، ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

مومن ہونے کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح اللہ کے تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ جو شخص بعض رسولوں کو مانے اور بعض کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ دنیا میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام آئے۔ ان میں سے بعض کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے اور حضور پرنور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہوئے۔ آپ کی نبوت تمام عالم کے لئے قیامت تک کے لئے عام ہے۔

انبیاء سب بشر تھے اور مرد۔ نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ کوئی شخص کثرت عبادت وریاضت کے ذریعہ نبی نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے جسے چاہا نبی بنایا۔ البتہ جسے نبی بنایا اسے نبوت کے لائق بنا کر پیدا فرمایا۔ نبی انسانی کمالات کے سب سے اعلیٰ درجے پر فائز ہوئے۔ نبی میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔ سب نبی معصوم ہوئے۔ اللہ کا پیغام پہنچانے میں نبی سے بھول چوک ہونا محال ہے۔ اللہ کے بعد نبی، علم کے اعتبار سے مخلوق میں سب سے برتر ہیں۔ جو شخص کہے کہ شیطان کا علم نبی کے علم سے زیادہ ہے وہ کافر ہے۔ کوئی ولی کسی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو شخص ولی کو نبی سے افضل کہے وہ کافر ہے۔

نبی کی تعظیم فرض عین ہے۔ نبی کی ادنیٰ توہین کفر ہے۔ سارے نبی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ووجاہت والے ہیں۔ ان کو اللہ کے سامنے چمار کی مثل کہنا کھلی گستاخی اور کلمۂ کفر ہے۔ انبیاء اپنی قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح دنیا میں زندہ تھے۔ اللہ کا وعدہ پورا ہونے کے لئے انہیں

موت آئی پھر ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹا دی گئیں۔آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تمام نبیوں سے اعلیٰ وافضل ہیں۔آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوا نہ ہوگا۔جو شخص آپ کے بعد یا آپ کے زمانے میں کسی اور کو نبی مانے یا نبوت ملنی جائز مانے وہ کافر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مخصوص فضائل وکمالات

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہمارے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔تمام مخلوقات کو حضور کے نور سے بنایا۔اللہ یا اللہ کی ذات وصفات میں شریک یا مساوی ہونے کے سوا جتنے کمال وخوبیاں ہیں سب اللہ نے ہمارے نبی کو عطا فرمایا۔سارے عالم میں کوئی خوبی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی کے برابر نہیں ہوسکتی۔آپ افضل الخلق ،اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔سارے عالم کے نبی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی کنجیاں آپ کو بخش دیں۔دنیا ودین کی سب نعمتوں کا دینے والا اللہ ہے اور بانٹنے والے حضور رسول اکرم ﷺ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کروائی ،یعنی عرش پر بلوایا اور آپ نے اللہ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔اللہ نے آپ سے کلام فرمایا۔جنت،دوزخ وغیرہ کی سیر کرائی۔یہ سب کچھ رات کے تھوڑے حصے میں ہوا۔قیامت کے دن سب سے پہلے آپ ہی کو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش سے مسلمانوں کے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ان کے درجے بلند فرمائے گا۔حضور ﷺ کی شفاعت کا انکار کرنے والا سخت گمراہ،محروم شفاعت ہے۔حضور کی محبت مدار ایمان ہے۔حضور کی محبت اپنی جان ومال،اولاد اور سارے جہان کی محبت سے زیادہ نہ ہو تو آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

معجزہ کا بیان

وہ عجیب وغریب کام جو عادۃً ناممکن ہو، جسے نبی اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش کرے اور نبوت کے انکار کرنے والے جس سے عاجز آجائیں وہ معجزہ ہے۔جیسے مردہ زندہ کرنا،مادرزاد

اندھے اور کوڑھ کو ہاتھ پھیر کر شفا دینا۔ لوہے کو ہاتھ میں لے کر موم کی طرح نرم کر دینا۔ انگلیوں کے اشارے سے چاند کے ٹکڑے کرنا، ڈوبے ہوئے سورج کو دوبارہ پلٹانا وغیرہ۔

(المواہب اللدنیہ جلد ۶ ص ۴۰۶، برکات رضا پور بندر گجرات)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو الگ الگ معجزات عطا فرمائے اور آخری نبی ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو انبیاء کے تمام معجزات اور ان پر مزید بے شمار معجزات عطا فرمائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَامِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّاقَدْ اُعْطِیَ مِنَ الْاٰیَاتِ مَامِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَیَّ فَاَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَهُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

(صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن حدیث: ۴۹۸۲، صحیح مسلم : کتاب الایمان، ۳۸۵)

ترجمہ: ہر نبی کو اتنے معجزات عطا کئے گئے جتنے لوگ ان پر ایمان لائے اور یقیناً جو چیز مجھے دی گئی ہے وہ عظیم وحی (قرآن) ہے، جو اللہ نے میرے پاس بھیجی ہے۔ تو مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ (یعنی نبی پاک ﷺ کو سب انبیاء سے زیادہ معجزات عطا کئے گئے) معجزات کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ قَدْ جَاءَکُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. فَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ جَاءُوْا بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ. (آل عمران : ۱۸۳، ۱۸۴)

ترجمہ: (اے نبی آپ یہودی، کافروں سے) کہیے کہ تمہارے پاس کئی رسول واضح نشانیاں (معجزات) اور تمہاری مطلوبہ نشانی بھی لے کر آئے، پھر بھی تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ تو اگر وہ آپ کو (رسول) نہ مانیں تو (آپ غم نہ کریں) آپ سے پہلے کئی رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے وہ سب واضح نشانیاں، آسمانی صحیفے اور (دلوں کو) روشن کرنے والی کتاب لے کر آئے تھے۔

قرآن حکیم میں ہے: وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَا اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ (العنکبوت: ۴۷)

ترجمہ: اور ہماری نشانیوں (انبیاء کے معجزات) کا انکار نہیں کرتے مگر کافر۔

۞ ۞ ۞

محبت رسول ﷺ ایمان کی بنیاد ہے

قرآن حکیم میں ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (النور: ۶۲)

ترجمہ: بے شک ایمان والے وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔

ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں عطا فرمایا۔ تو ایمان کا اعتبار موقوف ہوا ایمان بالرسول پر اور ایمان بالرسول محبت رسول کے بغیر نفاق ہے اور نفاق کفر کی بدترین قسم ہے۔ منافقین اللہ پر ایمان رکھتے تھے، لیکن دل میں رسول کی عداوت رکھتے تھے اور آپ کی توہین و تنقیص کرتے تھے، پھر بھی خود کو مومن کہتے تھے۔ ان کا دل محبت رسول سے خالی تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان باللہ کے دعویٰ کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ. (البقرہ: ۸)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر، حالانکہ وہ مومن نہیں۔

قرآن حکیم میں یہ بھی ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: (اے پیارے نبی) آپ فرمائیے۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم کو محبوب بنا لے گا۔

اس آیت کریمہ میں غور کیا جائے تو یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ محبت رسول کے بغیر ایمان غیر معتبر و نامقبول ہے۔

اللہ سے محبت کرنے کا تصور ایمان باللہ کے بغیر ناممکن ہے اور آیت مذکورہ میں اللہ کی محبت کی معتبریت کو اتباع رسول پر موقوف کیا گیا ہے اور اتباع رسول بغیر محبت رسول کے غیر مقبول ہے۔ کچھ لوگ آیت کریمہ کا غلط مطلب بتاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جہاں اتباع رسول (ظاہری پیروی) ہے

وہاں محبت رسول موجود ہے۔ جو بظاہر متبع رسول ہوگا وہ رسول سے محبت کرنے والا ضرور ہوگا۔ یہ خیال درست نہیں کہ جہاں ظاہراً اتباع رسول ہے وہاں محبت رسول ضرور ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے اتباع کا معنی سمجھئے۔ اتباع کا لغوی معنی ہے کسی کے پیچھے چلنا، کسی کا حکم ماننا۔ مفردات راغب میں ہے:

قَفَا اَثَرَهُ وَذَالِکَ تَارَةً بِالْاِرْتِسَامِ وَالْاِئْتِمَارِ۔

لغوی معنی کے اعتبار سے اتباع کے لئے محبت لازم نہیں۔ کسی کے حکم کو بظاہر ماننا، اس کی بظاہر پیروی کرنا، محبت کے سوا کسی دوسری وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ کبھی اس کے ضرر سے بچنے کیلئے ہوتا ہے یا اس سے صرف ذاتی فائدہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، یا بظاہر اس کا متبع بن کر اس کو ضرر پہنچانا مقصد ہوتا ہے۔ بہر حال ظاہری پیروی کیلئے محبت کا پایا جانا ضروری نہیں۔

منافقین، رسول کے فرمان کو محبت رسول کے جذبے سے نہیں مانتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اپنے مومن، مسلمان ہونے پر قسمیں کھاتے تھے، آپ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ جہاد میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ رسول کی مجالس وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن یہ سب محبت رسول کے جذبے کے ساتھ نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے ان کا مقصد اللہ کے رسول اور مومنوں کو نقصان پہنچانا تھا۔ قرآن حکیم میں ان کے تعلق سے یہ فرمایا گیا کہ اس طرز عمل سے ''وہ اللہ کے رسول اور مومنوں کو دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں'' (البقرہ:٩)

معلوم ہوا کہ محض اتباع رسول (رسول کی ظاہری پیروی) بغیر محبت رسول کے شرعاً نامعتبر ہے۔ یہ نفاق ہے۔ لہذا بغیر محبت رسول کے، صرف بظاہر شرعی احکام پر عمل کرنے والا اللہ سے محبت کرنے والا (اللہ پر ایمان رکھنے والا) نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا شخص منافق ہے۔ تو آیت کریمہ کا صحیح مفہوم یہ ہوا کہ اگر کوئی اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے، یعنی اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ رسول کی ایسی پیروی کرے جو محبت رسول پر مبنی ہے۔ تب وہ اللہ کا محبوب (مومن) بندہ ہو سکے گا۔ ورنہ نہیں۔

قرآن حکیم میں ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (النساء:٨٠)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔

یہاں بھی آیت کریمہ کا مطلب یہی ہے کہ جس نے محبت رسول کے ساتھ رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔ ورنہ صرف ظاہری طور پر رسول کے حکم کو ماننا اور دل کو محبت رسول سے خالی رکھنا اللہ کا حکم ماننا نہیں بلکہ کفر کی بدترین قسم ''نفاق'' ہے۔ جیسا کہ منافقین بظاہر رسول کے حکم کو مانتے ہوئے نماز پڑھتے تھے، لیکن ان کے دلوں میں رسول کی محبت نہیں تھی۔ وہ پیٹھ پیچھے، رسول کی توہین کرتے تھے۔ رسول کا اور مومنوں کا مذاق اڑاتے تھے، تو رسول کی ظاہری اطاعت کے باوجود ان کو اللہ کی اطاعت کرنے والا (مومن) نہیں مانا گیا۔

رسول اکرم ﷺ سے جس بندے کو جتنی زیادہ محبت ہوگی اور وہ محبت رسول کے جذبے کے ساتھ جتنا کامل متبع رسول ہوگا اس کا ایمان اتنا ہی زیادہ کامل ہوگا۔

امام مسلم نے صحیح مسلم میں عنوان قائم فرمایا ہے:

بَابُ وُجُوْبِ مَحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَكْثَرَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْوَالِدِ وَالْوَلَدِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ وَاِطْلَاقِ عَدَمِ الْاِيْمَانِ عَلٰى مَنْ لَمْ يُحِبَّهٗ هٰذِهِ الْمَحَبَّةَ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی محبت بیوی، والدین، اولاد اور تمام لوگوں کی محبت سے زیادہ ہونا واجب ہے۔ جس آدمی کو آپ ﷺ سے ایسی محبت نہیں اسے مومن نہیں کہا جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ.

(صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث: ۱۵ و مسلم: کتاب الایمان: حدیث: ۱۶۹)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

محبت رسول کے ساتھ جو بندہ رسول کی اطاعت کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے۔ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جو بظاہر عبادت کرنے والا ہے وہ محبت رسول والا بھی ہے۔ دیکھئے تلاوت قرآن بھی عبادت ہے۔ تلاوت کرنے والے کو ثواب بھی ملتا ہے اور اس کے ذریعہ ہدایت بھی۔ لیکن دل محبت رسول سے خالی ہو اور جس دل میں شان رسالت کی تنقیص و توہین کا جذبہ ہو اگرچہ وہ کلمہ گو ہو اور قرآن کی تلاوت کرے، اسے ہدایت نہیں مل سکتی اور تلاوت قرآن پر اسے ثواب نہیں ملتا۔

چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص (ذوالخویصرہ تمیمی) نے حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ کلمات کہے: حدیث پاک میں اس شخص کی علامات بھی مذکور ہیں وہ شخص اپنا سر منڈایا ہوا تھا۔ اس کی داڑھی بڑی گھنی تھی۔ تہبند ٹخنوں سے بہت اونچا اٹھایا ہوا تھا۔ جب آپ ﷺ چند صحابہ کرام کے درمیان مال تقسیم فرما رہے تھے تو اس شخص نے کہا کہ "اے محمد ﷺ تم نے مال تقسیم کرنے میں انصاف نہیں کیا۔ اس مال کے ہم زیادہ حق دار تھے" یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: اگر میں انصاف کرنے والا نہیں تو روئے زمین میں کون انصاف کرنے والا ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ اجازت دیجئے میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اسے چھوڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا:

"اس (ذوالخویصرہ تمیمی) کی نسل سے ایسی قوم نکلے گی جو قرآن پڑھے گی لیکن اس کے حلق سے نہ اترے گا (یعنی انہیں قرآن کے ذریعہ ہدایت نصیب نہ ہوگی) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو چھید کر نکل جاتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے اگر میں اس قوم کا زمانہ پاتا تو ضرور قوم ثمود کی طرح اسے قتل کرتا۔"

(صحیح بخاری ج ۲ کتاب المغازی حدیث نمبر: ۴۳۵۱، ۵۰۵۷، ۵۰۵۸، ۶۹۳۰، ۶۹۳۳، ۶۹۳۴)

حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک جماعت نکلی جس نے حضرت علی کے خلاف خروج کیا یہ گروہ خارجی کہلایا۔ یہ گروہ نماز روزہ کا پابند تھا۔ لیکن اس کا عقیدہ یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ یہ گروہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتا تھا۔ (دلائل النبوۃ ابن کثیر ص ۳۹۷ تا ۴۰۴) اللہ کے رسول ﷺ نے اس گروہ کے بارے میں فرمایا تھا:

يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلَاتَهٗ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهٗ مَعَ صِيَامِهِمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ. (صحیح بخاری حدیث: ۶۹۳۳)

ترجمہ: اے مسلمانو! تم اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر سمجھوگے۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو چھید کر نکل جاتا ہے۔ بخاری کی حدیث نمبر ۶۹۳۰ کے مطابق اور امام ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ

جلد ۷ ص ۲۴۱۵ میں ذکر کردہ حدیث کے مطابق اس قوم کی علامت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ وہ بات بات پر قرآن اور حدیث پیش کریں گے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ ان کی دھوکہ دھڑی ہوگی۔ وہ قرآن وحدیث، ہدایت کے لئے نہیں پڑھیں گے بلکہ مسلمانوں کو گمراہ اور مشرک ٹھہرانے کے لئے پڑھیں گے۔

انہیں خارجیوں کے گمراہ کن عقائد کا جھنڈا لے کر نجد کی سرزمین سے اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں محمد بن عبدالوہاب نجدی تمیمی اٹھا۔ اس نے حرمین طیبین میں اپنے باطل عقائد کا پرچار کیا اور اپنے متبعین کا ایک گروہ تیار کرلیا۔ یہ گروہ اپنے اور اپنے ماننے والوں کے علاوہ تمام مسلمانوں کو مشرک کہتا تھا اور ان سے جنگ کرنے کو حلال سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے حرمین طیبین کے بہت سے مسلمانوں اور علماءِ حق کو قتل کروایا۔ یہ گروہ اپنے آپ کو اہل توحید کہتا تھا۔ یہ ظاہری طور پر اسلام کے ارکان واحکام پر عمل کرتا تھا۔ نماز روزہ بھی کرتا تھا، لیکن ان کا دل محبت رسول سے خالی تھا۔ اس گروہ کو محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرتے ہوئے وہابی اور نجد سے پیدا ہونے کے لحاظ سے نجدی کہا گیا۔ علامہ ابنِ عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اس گروہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

كَمَا وَقَعَ فِيْ زَمَانِنَا فِيْ اَتْبَاعِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْوَهَّابِ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَى الْحَرَمَيْنِ وَكَانُوْا يَنْتَحِلُوْنَ مَذْهَبَ الْحَنَابِلَةِ لٰكِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَنَّ مَنْ خَالَفَ اعْتِقَادَهُمْ مُشْرِكُوْنَ، اسْتَبَاحُوْا بِذَالِكَ قَتْلَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَقَتْلَ عُلَمَاءِ هِمْ. (رد المحتار ۶/۴۱۳، مکتبہ زکریا دیوبند)

ترجمہ: جیسا کہ ہمارے زمانے میں محمد ابن عبدالوہاب کے ماننے والوں کا حال ہے۔ وہ نجد سے نکلے اور مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ پر زبردستی قابض ہوگئے۔ وہ اپنے آپ کو حنبلی المذہب کہتے تھے، لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقائد کو نہیں مانتے وہ مشرک ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اہل سنت اور اہل سنت کے علماء کے قتل کو جائز ٹھہرایا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد کے رد میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور خود ان کے حقیقی بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے ان کے رد میں **اَلصَّوَاعِقُ الْاِلٰهِيَّةُ فِى الرَّدِّ عَلَى الْوَهَّابِيَّةِ** کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرح آج بھی اس کے عقائد کی حمایت کرنے والے، پوری دنیا کے سنی مسلمانوں کو گمراہ، بدعتی اور مشرک کہتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل توحید کہتے ہیں۔ دورِ حاضر کے اہل حدیث غیر مقلدین وہابی، دیوبندی، تبلیغی وغیرہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی پیروکار جماعتیں، درحقیقت خوارج کی مختلف شکلیں ہیں۔

واضح رہے کہ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق جس شخص نے ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کی بات کہی تھی اور حضرت عمر اسے قتل کرنا چاہتے تھے اس کا نام ذوالخویصرہ تھا۔ وہ قبیلہ بنوتمیم سے تعلق رکھتا تھا اور محمد بن عبدالوہاب نجدی بھی قبیلۂ بنوتمیم سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ پھر کیا عجب کہ وہابیوں کا امام الکل محمد بن عبدالوہاب نجدی تمیمی ذوالخویصرہ تمیمی کی اولاد سے ہو، جس کے متعلق مخبر صادق رسول خدا ﷺ نے یہ خبر دی تھی کہ اس کی اولاد سے کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نہیں اترے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے اندر سے صاف نکل جاتا ہے۔

اب تو کسی مسلمان کو یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ لوگ (وہابی، دیوبندی) بڑے نمازی، قرآن وحدیث کے عالم اور قرآن وحدیث کی تبلیغ کرنے والے ہیں تو یہ گمراہ یا کافر کیسے ہوسکتے ہیں؟

مسلمانو یادرکھو! ایمان وہدایت کا اصل معیار نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ نہیں بلکہ معیار ایمان محبتِ رسول ہے۔ بخاری شریف کی حدیث کا یہ ٹکڑا اس فلسفہ کی عقدہ کشائی کے لئے کافی ہے:

مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ. محمد رسول اللہ ﷺ ہی لوگوں (مسلمان وکافر) کے درمیان وجہ فرق اور حدّ فاصل ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام، حدیث: ۷۲۸۱)

رسول ﷺ کی تعظیم فرض اور توہین کفر ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا. (الفتح :۸،۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے بھیجا آپ کو (اے نبی!) گواہ بنا کر، خوش خبری سنانے والا، ڈر سنانے والا۔ تا کہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر اور تم دل سے انکی تعظیم وتوقیر کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح وشام۔

رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

(۲) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الاعراف : ۱۵۷)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اس نبی امی پر اور تعظیم کی آپ کی اور مدد کی آپ کی اور اس نور کی پیروی کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ۔ وہی لوگ کامیاب وکامراں ہیں۔

فائدہ: اس آیتِ کریمہ میں صاف بتلا دیا گیا ہے کہ فلاح پانے والے، یعنی ایمان والے وہی لوگ ہیں جو رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں اور رسول کی تعظیم کرنے والے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ جو رسول پر ایمان لانے والے اور آپ کی تعظیم کرنے والے نہیں ہیں وہ فلاح والے اور ایمان والے نہیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (الحجرات : ۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے سامنے بات کیا کرو، جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر نہ ہو۔

آیت کی تفسیر: صحیح بخاری شریف حدیث ۴۳۶۷، ۷۳۰۲، ترمذی شریف حدیث ۳۲۶۶ اور مسند احمد بن حنبل میں یہ حدیث مذکور ہے کہ: حضرت اقرع بن حابس ﷺ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ابوبکر ﷺ نے حضور ﷺ سے درخواست کی: یارسول اللہ اقرع کو ان کی قوم کا امیر مقرر فرمائیے۔ حضرت عمر نے کہا یارسول اللہ، اقرع کو امیر نہ بنائیے۔ اس بات پر حضرت

ابوبکر وعمر کی تھوڑی تکرار ہوگئی۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا، تم نے میری بات کی مخالفت میں اپنی بات کہی۔ حضرت عمر نے کہا، نہیں بلکہ آپ میری مخالفت کرتے ہیں۔ دونوں کی آواز بلند ہوگئی تو آیت کریمہ نازل ہوگئی اور مسلمانوں کو نبی پاک ﷺ کی بارگاہ کے ادب واحترام کی تعلیم دی گئی اور بے ادبی کے خطرناک انجام پر بھی آگاہی دی گئی کہ اے ایمان والو! نبی کی بارگاہ میں اپنی آواز اونچی نہ کرو، بلکہ ان کی بارگاہ کا ادب ملحوظ رکھو۔ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے تیز آواز میں بات کرتے ہو، اس طرح نبی کی بارگاہ میں بات نہ کرو۔ کیوں کہ بے ادبی کے سبب تمہارے اعمال برباد ہوجائیں گے اور تمہیں شعور واحساس نہ ہوگا۔ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی تعظیم وادب فرض ہے اور بے ادبی، بربادیٔ اعمال کا سبب ہے اور اعمال کی بربادی کفر سے ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ نبی کی بارگاہ کی بے ادبی وتوہین کفر ہے۔

آیتِ مذکورہ کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام کا یہ حال ہوا کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بہت ہی آہستہ بولتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ حضور ﷺ کے سامنے بات کرتے تو ان کی آواز بہ مشکل سنائی دیتی تھی۔ یہاں تک کہ جب وہ کوئی بات کہتے تو ان سے پوچھنا پڑتا تھا کہ آپ نے کیا کہا؟

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بلند آواز والے صحابی تھے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اپنے گھر بیٹھ گئے اور سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی مجلس سے حضرت ثابت کو غیر حاضر پایا تو صحابہ کرام سے وجہ دریافت کی۔ ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ! میں ان کی خبر لے آؤں گا۔ وہ صحابی حضرت ثابت کے گھر آئے۔ ان سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ حضرت ثابت نے کہا: بہت برا ہوا۔ میں ہی نبی اکرم ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بولتا تھا۔ میرے اعمال تو ضائع ہوگئے، اب میں اہل دوزخ سے ہوگیا۔ صحابی رسول نے حضرت ثابت کی یہ بات حضور ﷺ تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ ثابت کو بشارت دے دو کہ تم اہل دوزخ سے نہیں بلکہ اہل جنت سے ہو (صحیح بخاری حدیث: ۳۶۱۳)۔

درحقیقت تقویٰ والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ آپ

کا نام تعظیم وادب سے لیتے ہیں۔ دیکھئے قرآن کیا فرماتا ہے:

(۴) اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی۔ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ (الحجرات:۳)

ترجمہ: بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ کے رسول کی بارگاہ میں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

قرآن، نبی ﷺ کی بارگاہ کا یوں ادب سکھاتا ہے:

(۵) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

(البقرہ:۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! ''رَاعِنَا'' نہ کہو۔ کہو کہ حضور ہم پر نظر فرمائیں اور بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو جب حضور ﷺ کی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی تو وہ آپ سے دوبارہ پوچھنے کیلئے ''رَاعِنَا'' بولتے تھے، یعنی یارسول اللہ ہماری رعایت فرمائیں، دوبارہ ارشاد فرمائیں۔ یہودیوں کی زبان میں یہ لفظ بددعا کیلئے بولا جاتا تھا۔ ان کی زبان میں اس لفظ کا معنی تھا ''سنو تمہاری بات نہ سنی جائے'' یہودیوں (منافقوں) کو بڑا سہانا موقع ملا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ اب تک تو ہم محمد ﷺ کو تنہائی میں گالی دیتے تھے اب سرعام گالی دیں گے۔ چنانچہ دوران گفتگو یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رَاعِنَا'' کہتے تھے اور آپس میں خوب ہنستے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کی زبان جانتے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہودی لفظ ''رَاعِنَا'' بری نیت سے کہتے ہیں۔ حضرت سعد نے یہودیوں سے کہا کہ اگر میں نے تم میں سے کسی کی زبان سے حضور ﷺ کے لئے ''رَاعِنَا'' کا لفظ سنا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہودیوں نے کہا: کیا بات ہے؟ یہی لفظ تو آپ لوگ بھی بولتے ہیں، پھر ہمارے بولنے پر اعتراض کیوں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو ''رَاعِنَا'' کہنے سے روک دیا گیا۔ انہیں یہ حکم دیا گیا کہ نبی کی بارگاہ میں، اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تم ''رَاعِنَا'' نہ کہو، بلکہ ''اُنْظُرْنَا'' کہو یعنی یہ کہو کہ حضور ہم پر نظر کرم فرمائیں۔ بلکہ یہ کہنے کی بھی نوبت نہ آئے، پہلے سے بغور سنا کرو۔ (الجامع لاحکام

القرآن للقرطبی ج ۲ ص ۵۷)

آیت مذکورہ میں وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی بولی بولنا کفر ہے اور جس لفظ میں بُرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہے، نبی کی شان میں اس کا استعمال حرام ہے۔ چنانچہ سورہ نساء آیت ۴۶ میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ جو یہودی گستاخی کے ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رَاعِنَا'' کہتے تھے وہ ملعون کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(٦) مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰکِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا.

(النساء: ۴۶)

ترجمہ: بعض یہودی، کلمات کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہیں مانا (اور کہتے ہیں) سنئے آپ کی بات نہ سنی جائے اور اپنی زبانوں کو موڑ کو ''رَاعِنَا'' کہتے ہیں اور دین میں طعن کرنے کے لئے (ایسا کرتے ہیں) اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا اور یہ کہتے: سنئے اور ہم پر نظر کرم فرمایئے تو ان کے لئے بہتر اور درست ہوتا۔ لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی۔ تو وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے۔

(۷) نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے، نبی کو اذیت پہنچانے والے ہیں اور نبی کو اذیت پہنچانے والا کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ.

(التوبہ: ٦١)

ترجمہ: اور اُن (منافقین) میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو (اپنی بدزبانی) سے نبی کو اذیت پہنچاتے ہیں اور (نبی کی شان میں) کہتے ہیں کہ وہ کان کا کچا ہے۔ فرمایئے! وہ سنتا ہے وہ بات جو تمہارے لئے بہتر ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی بات پر یقین رکھتا ہے اور تم

میں سے ایمان والوں کے لئے رحمت ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیت کا سببِ نزول: کچھ منافقین رسول خدا ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ محمد ﷺ کان کے کچے ہیں۔ ہر آدمی کی بات سن کر اس کو سچا مان لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گستاخی کا جواب دیا کہ نبی، جھوٹے اور سچے کو جانتے ہیں لیکن بغیر اذن الٰہی کسی کے راز کو ظاہر کر کے اسے رسوا کرنا نہیں چاہتے۔ کیوں کہ آپ سب کے لئے رحمت ہیں۔ لہٰذا منافقین کی جھوٹی قسموں پر خاموش رہنا، ان کے راز کو نہ کھولنا منافقین کے لئے خیر تھا، لیکن انہوں نے نبی کے علم پر طعن کر کے اور آپ کی گستاخی کر کے خود ہی رسوائی حاصل کی کہ نبی ﷺ نے بحکم الٰہی منافقین کے راز کو کھول دیا اور بالآخر وہ ذلیل ورسوا ہو گئے اور ہمیشگی کا دردناک عذاب ان کا مقدر بن گیا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۲۰۳، ۲۰۴، زکریا بکڈپو دیوبند)

ایک اہم نکتہ: اس سے پہلے سورۃ الحجرات کی آیت ۲ ذکر کی گئی اس میں ہے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (بارگاہ رسالت مآب میں گستاخی کی وجہ سے تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہوگا) اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ) والے گستاخ رسول ہو سکتے ہیں ورنہ اعمال برباد ہونے کا کیا معنیٰ؟ لہٰذا بارگاہ رسالت میں جنہوں نے گستاخی کی ہے، ان کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ قرآنی ارشاد کے مطابق وہ اپنی گستاخیوں کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ اور ان کے اعمال اللہ کے نزدیک بے کار و برباد ہو گئے ہیں، لیکن انہیں اپنے ایمان کے جانے کا شعور و احساس نہیں۔ وہ خود کو بہت بڑے مومن متقی سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ کا دو آتشہ عذاب ہے کہ ایک تو ایمان ان سے رخصت ہو چکا ہے۔ اس پر غضب یہ ہے کہ انہیں اس کا شعور و احساس بھی نہیں۔ شعور ہوتا تو شاید توبہ کر لیتے۔
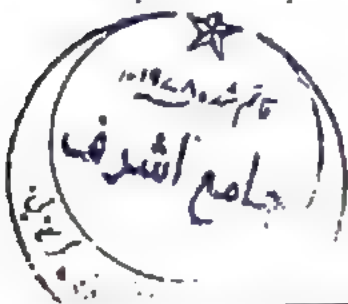
عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام

انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے محفوظ فرمایا ہے، جس کی وجہ سے ان سے گناہوں کا صادر ہونا شرعاً محال ہے۔ یعنی گناہوں پر قدرت و اختیار ہونے کے باوجود ان سے گناہ کا صدور نا ممکن ہے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے حساب لطف واحسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی گناہوں سے معصوم ہیں، لیکن اُن میں اور انبیاء کرام میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام گناہوں پر قدرت واختیار رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لطف واحسان سے گناہوں سے باز رہے اور فرشتوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت ہی پیدا نہیں کی ہے۔ کیوں کہ گناہ خواہش نفس سے صادر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں یہ چیز پیدا نہیں فرمائی۔

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

وَالْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنَزَّهُوْنَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ

(الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری ص ۱۰۰ دارالایمان سہارنپور)

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے معصوم ہیں اور خاص طور سے کفر اور تمام قبیح اور قابل نفرت امور سے پاک ہیں۔

انبیا کی یہ عصمت قبلِ نبوت اور بعد نبوت ثابت ہے صحیح مسلک یہی ہے۔ (شرح الفقہ الاکبر ملا علی قاری ص ۱۰۰)

قبل اعلانِ نبوت انبیاء کرام کے گناہوں سے معصوم ہونے کے تعلق سے امام قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيْ عِصْمَتِهِمْ مِنَ الْمَعَاصِيْ قَبْلَ النُّبُوَّةِ، فَمَنَعَهَا قَوْمٌ وَجَوَّزَهَا اٰخَرُوْنَ وَالصَّحِيْحُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَنْزِيْهُهُمْ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ وَعِصْمَتُهُمْ مِنْ كُلِّ مَايُوْجِبُ الرَّيْبَ، فَكَيْفَ وَالْمَسْاَلَةُ تَصَوُّرُهَا كَالْمُمْتَنِعِ، فَاِنَّ الْمَعَاصِيَ وَالنَّوَاهِيَ اِنَّمَا تَكُوْنُ بَعْدَ تَقَرُّرِ الشَّرْعِ. (الشفاء ۲/۱۱۵)

ترجمہ: قبل نبوت انبیاء کے گناہوں سے معصوم ہونے کے مسئلے میں اختلاف ہوا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ قبل نبوت گناہ صادر ہونا محال ہے اور بعض لوگوں نے کہا ممکن ہے۔ ان شاء اللہ صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء قبل نبوت ہر عیب و تہمت سے محفوظ تھے تو زیر بحث مسئلہ میں گناہ کا صدور تو محال ہوگا۔ کیوں کہ معاصی اور منہیات تو شریعت کے نفاذ کے بعد ہوں گے۔ (تو اس سے پہلے معاصی کے صدور کا کیا سوال؟)

عصمت انبیاء کے تعلق سے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے کچھ دلائل ذکر کئے ہیں، ان میں سے بعض کو اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا يَنَالُ عَهْدِيَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (البقرة:۱۲۴)

ترجمہ: میرا عہد ظالموں کو نہیں ملتا۔

اگر عہد سے مراد نبوت ہے، تب تو معنی ظاہر ہے۔ کیونکہ جس سے گناہ کا صدور ہوا وہ ظالم ہے اور ظالم کو نبوت نہیں ملتی، تو جسے اللہ نے نبوت دی اس سے گناہ کا صدور شرعاً محال ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ظالم کو نبوت ملے۔

اور اگر کہا جائے کہ عہد سے مراد امامت ہے تو بھی دعویٰ ثابت ہے۔ کیونکہ جب امامت ظالموں کو نہیں دی جاسکتی تو نبوت بدرجۂ اولیٰ ظالم کو نہیں دی جائے گی۔ اس لئے کہ نبوت کا درجہ امامت سے بڑا ہے۔ اگر کوئی گناہ گار امامت کا حق دار نہیں ہوسکتا تو نبوت کا حقدار کیسے ہوسکتا ہے؟ پتہ چلا کہ نبی شرعاً گناہ سے معصوم ہیں۔

﴿۲﴾ انبیاء کرام اپنی امت کے لئے ہادی ہوتے ہیں۔ بالخصوص ہمارے نبی ﷺ کے اقوال و افعال قیامت تک، تمام انسانوں کے لئے بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ انبیاء کے اتباع کے ذریعہ ہی امت کو دارین کی فلاح حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر انبیاء سے گناہ صادر ہو تو وہ امت کے لئے قابل اتباع اور ان کے لئے ہادی کیسے ہوسکتے ہیں اور ان کی پیروی سے دارین کی فلاح کیسے حاصل ہوگی؟ اور ان کی پیروی کیوں کر لازم ہوگی؟

﴿۳﴾ ابلیس نے اللہ سے کہا تھا:

"لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ (الحجر:۴۰)

ترجمہ: میں ضرور انہیں (اولاد آدم کو) گمراہ کروں گا، مگر ان میں سے جو تیرے چُنے ہوئے بندے ہیں (انہیں بہکا نہ سکوں گا)۔

شیطان، اللہ کے منتخب و پسندیدہ بندوں کو گناہوں میں مبتلا کر کے گمراہ نہیں کر سکتا۔ انبیاء کرام اللہ کے سب سے زیادہ پسندیدہ بندے ہیں، اللہ نے ان کے بارے میں خود ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ. وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ. (ص: ۴۶، ۴۷)

ترجمہ: ہم نے انہیں خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چن لیا ہے اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چُنے ہوئے اور نیک ترین ہیں۔

معلوم ہوا کہ شیطان، انبیاء کرام کو گناہوں میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ انبیاء کرام، قبل نبوت و بعد نبوت اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں اس لئے انہیں قبل نبوت و بعد نبوت گناہوں سے معصوم ماننا ہوگا۔ اگر قبل نبوت گناہوں سے معصوم نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ انبیاء کرام قبل نبوت اللہ کے چُنے ہوئے بندے نہ ہوں، حالانکہ دلائل کی رو سے یہ باطل ہے۔

جو لوگ عصمت انبیاء میں طعن کرتے ہیں وہ قرآن کریم کی بعض آیات و بعض احادیث، جن میں انبیاء کرام کیلئے ذنب عَصٰی وغیرہ الفاظ ذکر کئے گئے ہیں، جن کا معنی گناہ و نافرمانی ہے، ان سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے تعلق سے امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

وَالطَّاعِنُوْنَ فِیْ عِصْمَةِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَتَمَسَّكُوْنَ بِهٖ وَنَحْنُ نَحْمِلُ عَلَى التَّوْبَةِ عَنْ تَرْكِ الْاَوْلٰى وَالْاَفْضَلِ. (تفسیر کبیر)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے بے گناہ ہونے پر جو لوگ طعن کرنے والے ہیں وہ ذنب، استغفار وغیرہ الفاظ سے دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ ہمارے نزدیک ان سے مراد ترک اولیٰ و ترک افضل سے توبہ کرنا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالذَّنْبِ مَا فَرَطَ مِنْ خِلَافِ الْاَوْلٰى بِالنِّسْبَةِ اِلٰى مَقَامِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَهُوَ مِنْ قَبِيْلِ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ" وَقَدْ يُقَالُ الْمُرَادُ مَاهُوَ ذَنْبٌ فِیْ

نَظْرِهِ الْعَالِيِّ ﷺ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ ذَنْباً وَّلَا خِلَافَ الْأَوْلَىٰ عِنْدَهُ تعالىٰ وَرَمَزَ إِلَىٰ ذَالِكَ الْإِضَافَةُ .(روح المعانی جلد ۱۴ جز ۲۱ ص ۱۳۸ زکریا بکڈپو دیوبند، تفسیر آیت: ۲ سورۃ الفتح)

ترجمہ: ذنب سے مراد وہ چیز ہے جو نبی ﷺ کے مقام کے لحاظ سے خلاف اولیٰ و افضل ہے۔ یہ اس زمرے میں داخل ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین بارگاہ الٰہی کے حق میں گناہ ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذنب سے مراد وہ چیز ہے جو نبی پاک ﷺ کی نظر عالی میں گناہ ہو، اگرچہ درحقیقت وہ اللہ کے نزدیک نہ گناہ ہو اور نہ خلاف اولیٰ۔ جیسا کہ "ذَنْبِكَ" کی اضافت سے یہ اشارہ ملتا ہے۔ (گویا اللہ نے فرمایا ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی تا کہ اللہ آپ کے ان تمام امور کو بخش دے جنہیں آپ اپنے اعلیٰ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اپنے لئے گناہ سمجھتے ہیں اگرچہ درحقیقت وہ گناہ نہیں۔)

علامہ قاضی عیاض و علامہ علی قاری رحمتہ اللہ علیہما فرماتے ہیں:

(وَهِيَ ذُنُوْبٌ بِالْإِضَافَةِ إِلَىٰ عَلِيِّ مَنْصَبِهِمْ) وَمَعَاصٍ بِالنِّسْبَةِ إِلَىٰ كَمَالِ طَاعَتِهِمْ لَا أَنَّهَا كَذُنُوْبِ غَيْرِهِمْ وَمَعَاصِيْهِمْ فَإِنَّ الذَّنْبَ مَاخُوْذٌ مِنَ الشَّيْءِ الدَّنِيِّ الرَّذْلِ وَمِنْهُ ذَنْبُ كُلِّ شَيْءٍ أَيْ آخِرُهُ وَأَذْنَابُ النَّاسِ رُذَالُهُمْ فَكَانَ هٰذِهِ الْأُمُوْرُ الَّتِيْ تَصَرَّفُوْا فِيْهَا (أَدْنَىٰ أَفْعَالِهِمْ وَأَسْوَأُ مَا يَجْرِيْ مِنْ أَحْوَالِهِمْ) بِالْإِضَافَةِ إِلَىٰ أَعْلَىٰ مَرَاتِبِ أَفْعَالِهِمْ لِتَطْهِيْرِهِمْ وَتَنْزِيْهِهِمْ وَعِمَارَةِ بَوَاطِنِهِمْ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ وَالْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَالذِّكْرِ الظَّاهِرِ وَالْخَفِيِّ وَالْخَشْيَةِ لِلّٰهِ وَإِعْظَامِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَغَيْرُهُمْ يَتَلَوَّثُ مِنَ الْكَبَائِرِ وَالْقَبَائِحِ مَاتَكُوْنُ بِالْإِضَافَةِ إِلَيْهِ (هٰذِهِ) أَيِ الْعَثَرَاتُ وَالزَّلَّاتُ (فِيْ حَقِّهِ) أَيْ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمْ (كَالْحَسَنَات) بَلْ حَسَنَاتٌ إِذْ لَيْسَتْ فِي الْحَقِيْقَةِ سَيِّئَاتٌ بَلْ طَاعَاتٌ (كَمَا قِيْلَ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ) مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ أَيْ يَرَوْنَهَا أَيْ يَظُنُّوْنَهَا تِلْكَ الْحَسَنَاتِ (بِالْإِضَافَةِ إِلَى عَلِيِّ أَحْوَالِهِمْ كَالسَّيِّئَاتِ) وَهٰذَا كَمَا قِيْلَ كَانَ الْمُقَرَّبُوْنَ أَشَدَّ اسْتِعْظَامًا لِلزَّلَّةِ الصَّغِيْرَةِ مِنَ الْأَبْرَارِ لِلْمَعْصِيَةِ الْكَبِيْرَةِ فَبَيْنَ الْمَقَامَيْنِ بَوْنٌ بَيِّنٌ. مُلَخَّصًا. (الشفاء و شرح الشفاء جلد: ۱ ص ۳۰۷، ۳۰۸)

پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے لئے قرآن و حدیث میں بعض ایسے الفاظ ذکر کئے گئے ہیں جن کا ظاہری معنیٰ گناہ ہے، لیکن ان سے مراد گناہ نہیں بلکہ انبیاء کرام کے بلند

مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ترک اولیٰ و افضل مراد ہے اور ترک اولیٰ و افضل گناہ نہیں، بلکہ انبیاء کے سوا دیگر صالحین کے لئے وہی ترک اولیٰ نیکی ہے۔

شارح الفقہ الاکبر امام ابوالمنتہیٰ احمد بن محمد المغنیساوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

(والانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح) یعنی قبل النبوة وبعدها

(شرح الفقہ الاکبر ص ۲۰،۱ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۲۱ھ، اسلامک بک سینٹر حیدرآباد)

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب چھوٹے بڑے گناہ، کفر اور بری باتوں سے قبل نبوت وبعد نبوت پاک تھے۔

مزید تحریر فرمایا:

قال الامام عمر النسفی فی التفسیر: ائمة سمرقند لا یطلقون اسم الزلّة علی افعال الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لانها نوع ذنب ویقولون فعلوا الفاضل وترکوا الافضل فعوتبوا علیه لان ترک الافضل منهم بمنزلة ترک الواجب من الغیر، قیل زلة الانبیاء والاولیاء سبب القربة الی اللہ تعالیٰ. (ایضاً)

ترجمہ: امام عمر النسفی نے تفسیر میں فرمایا کہ سمرقند کے ائمہ دین، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افعال کو زلّہ (لغزش) نہیں فرماتے تھے۔ کیوں کہ یہ (زلّہ) بھی ایک طرح کا گناہ ہے۔ وہ حضرات یہ فرماتے تھے کہ کبھی انبیاء نے فضیلت والی چیز کو کیا اور زیادہ فضیلت والی چیز کو چھوڑ دیا تو اللہ نے (ان کے مرتبہ کے لحاظ سے) ان پر عتاب فرمایا۔ کیوں کہ (اللہ کے نزدیک) انبیاء کا افضل چیز کو چھوڑنا غیر نبی کے واجب چھوڑنے کی طرح ہے۔ کہا گیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کا افضل چیز کو چھوڑنا ان کے لئے اللہ کے قرب کا سبب ہوتا ہے۔

(کیوں کہ ترک افضل پر اللہ کی طرف سے عتاب ہوتا ہے تو وہ اس پر اللہ سے استغفار کرتے ہیں جو رب تعالیٰ سے ان کو قریب کرنے کا سبب بنتا ہے۔ مولف غفرلہ)

امام مغنیساوی امام ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کے حوالے سے مزید تحریر فرماتے ہیں:

قال ابو سلیمان الدارانی رحمه الله، مَاعَمِلَ دَاوٗدُ عَمَلًا اَنْفَعَ لَهٗ مِنَ الْخَطِیْئَةِ مَازَالَ

يَهْرُبُ مِنْهَا اَلٰى رَبِّهٖ حَتّٰى وصل اليه فالخطيئة سبب الفرار الى الله تعالىٰ من نفسه ودلياه. (ايضا)

ترجمہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں کوئی عمل ان کے اس ترک افضل سے زیادہ نفع بخش نہیں ہوا، جس سے وہ بچنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ رب کی بارگاہ تک پہنچ گئے۔ لہٰذا نبی کا کبھی افضل عمل چھوڑنا اپنی ذات اور دنیا سے بیزاری اور رب سے نزدیکی کا سبب ہے۔

بعض اسلاف علماء اہل سنت نے جو لکھا ہے کہ انبیاء صغائر سے معصوم نہیں، ان کی مراد بھی صغیرہ سے عام بندوں کے صغیرہ کی طرح نہیں، بلکہ ان کی مراد بھی ترک افضل ہے، جس کی تعبیر بعض نے زَلَّۃ سے کی ہے۔ یعنی انبیاء کے ترک افضل کو بعض نے صغیرہ کہا ہے اور بعض نے زلّۃ۔ لیکن دونوں کی مراد ایک ہی ہے۔ یعنی ترکِ افضل، نہ کہ گناہ۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ تحریر فرماتے ہیں:

وبعض اصحابنا لم يلفظ الصغائر وانما يسمّونها الزلل ولا فرق بين اللفظين في الحقيقة. (شرح الفقه الاكبر للامام الماتريدى ص ۳۹ دائرالمعارف حيدرآباد)

ترجمہ: ہمارے بعض اصحاب (اہل سنت) نے انبیاء کے حق میں صغائر کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان پر لفظ زلّہ (لغزش و ترک افضل) کا اطلاق کیا ہے اور در حقیقت انبیاء کے حق میں لفظ صغیرہ اور لفظ زلّہ میں کوئی فرق نہیں (بلکہ دونوں کا معنی ترک افضل ہے)۔

صاحب تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی اور صاحب تفسیر روح البیان علامہ اسماعیل حقی، عارف باللہ علامہ فاسی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہم الرضوان نے لفظ ذنب (جو حضور ﷺ کے لئے قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے۔) کی ایک نفیس توجیہ ذکر فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ترقی کر کے ایک مقام سے دوسرے مقام قرب میں پہنچتے رہتے تھے، تو ہر پہلے مقام کو بعد والے مقام کے لحاظ سے ذنب کہا گیا ہے۔ کیونکہ ذنب کا لغوی معنی ''پیچھے'' ہے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے حق میں یہ فرمایا ہے: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰى. (الضحیٰ: ۴) اے نبی آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔ اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی تحریر فرماتے ہیں:

وَلَـقَدْ ذَكَرُوْا لِنَبِيِّنَا ﷺ فِىْ كُلِّ لَحْظَةٍ عُرُوْجًا اِلٰى مَقَامٍ اَعْلٰى كَمَا كَانَ فِيْهِ لِيَكُوْنَ

مَاعَرَجَ مِنْهُ فِیْ نَظْرِہِ الشَّرِیْفِ ذَنْبًا بِالنِّسْبَةِ اِلٰی مَاعَرَجَ اِلَیْهِ فَیَسْتَغْفِرُ مِنْهُ.

(روح البیان وشرح الفقہ الاکبر ص ۱۰۲)

ترجمہ: علماء نے بیان فرمایا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ہر لمحہ اس بلند مقام پر فائز ہوتے جو آپ کے پہلے والے مقام سے اعلیٰ ہے۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں پہلے والا مقام، بعد کے مقام کی نسبت "ذنب" ہوتا تھا۔ اس لئے آپ اس سے استغفار کرتے تھے۔ ذنب کی دیگر توجیہات کے مقابلے میں اس توجیہ کو علامہ ملا علی قاری نے امام رازی کے حوالے سے بہتر قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وَهٰذَا الْمَعْنٰی هُوَ الْاَوْلٰی لِمُطَابَقَتِهٖ قَوْلَهٗ تَعَالٰی وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی.

(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۰۲)

ترجمہ: یہی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ یہ معنی اس آیت کریمہ کے مطابق ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی. (الضحی:۴)

ترجمہ: اے نبی: آپ کا ہر آنے والا مرتبہ پچھلے مرتبہ سے بہتر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء کرام قبل نبوت و بعد نبوت گناہ کبیرہ وصغیرہ سے معصوم تھے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔
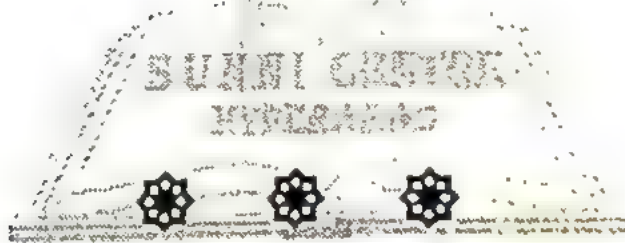
عقیدۂ ختم نبوت

ہمارے آقا و مولیٰ رحمتہ للعالمین سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اس عقیدے کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ جو شخص کسی بھی معنی میں نبی رحمت، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانے، خواہ اسے کسی طرح کا نبی کہے مثلاً: ظلّی نبی، مثلی نبی، اصلی نبی، فرعی نبی یا کسی قسم کا نبی کہے وہ کافر ہے۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہے اور یہ کہے کہ اگر نبی اکرم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے تو آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، وہ کافر ہے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے آپ کو ظلّی اور فرعی نبی کہا اگر چہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں پھر بھی قادیانی باتفاق مسلمین کافر ہے اور قادیانی فرقہ مرتد و کافر ہے۔

اگر آپ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن مانا جائے تو آپ کا خاتم النبیین نہ ہونا جائز ہوگا حالانکہ آپ کا خاتم ہونا بحکم شرع واجب ہے۔ حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر درج ذیل آیت و احادیث شاہد ہیں:

آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔ (سب سے آخری نبی ہیں)

﴿۱﴾ صحیح مسلم کتاب المساجد میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ، اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ طَهُوْرًا وَّمَسْجِدًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ.

(صحیح مسلم حدیث:۱۱۶۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے۔ جوامع الکلم (مختصر کلام میں کثیر معنی) اور رعب (دشمن پر خوف) کے ذریعہ میری مدد کی گئی۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ زمین میرے لئے پاک کرنے والی اور سجدہ گاہ بنا دی گئی۔ اور مجھ کو ساری مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھے خاتم النبیین بنایا گیا۔

فائدہ: اس حدیث میں اگرچہ حضور ﷺ کی چھ خصوصیات کا ذکر ہے، لیکن آپ کی خصوصیات چھ میں منحصر نہیں۔ یہاں خاص طور سے چھ کا ذکر اہتمام کے طور پر ہے نہ کہ حصر کے طور پر۔

﴿۲﴾ صحیح بخاری کتاب المناقب میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتاً فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ: هَلَّاوُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ: فَاَنَااللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. (بخاری حدیث:۳۵۳۵ مسلم: فضائل ۵۹۶۱، ۵۹۶۳، ابوداؤد فتن، ترمذی: فتن، سنن الدارمی: مقدمہ، مسند احمد ۳۹۸/۲، ۴۱۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری مثال اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی آدمی نے ایک خوبصورت مکان بنوایا اور اس کو خوب آراستہ کیا، لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اسے گھوم گھوم کر دیکھتے اور اسے پسند کرتے ہوئے کہنے لگے۔ یہاں اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: (نبوت کی آخری) وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

فائدہ: حدیث پاک کے اس تمثیلی اسلوب بیان میں جو حسن ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ جس طرح اس خوبصورت مکان میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے کی وجہ سے وہ عمارت ناقص تصور کی گئی اسی طرح اگرچہ ہر نبی کی شریعت اپنے اپنے زمانے میں کامل تھی لیکن شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بہ نسبت ناقص تھی۔ جب سرکار دو عالم ﷺ آخری نبی بن کر تشریف لائے تو آپ کی لائی ہوئی اکمل شریعت نے تمام انبیاء کی شریعتوں کو مکمل کر دیا۔ اور جب اکمل شریعت آ گئی تو کامل

شریعت، جو اکمل کی بہ نسبت ناقص تھی منسوخ ہوگئی۔ اور آپ کی اکمل شریعت قیامت تک کے لئے نافذ ہوگئی۔ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

وَفِیْ الْحَدِیْثِ ضَرْبُ الْاَمْثَالِ لِلْاَفْهَامِ وَفَضْلُ النَّبِیِّ ﷺ عَلٰی سَائِرِ النَّبِیِّیْنَ وَاَنَّ اللّٰهَ خَتَمَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاَکْمَلَ بِهٖ شَرَائِعَ الدِّیْنِ. (فتح الباری ۶/ ۱۹۲).

ترجمہ: حدیث مذکور میں سمجھانے کیلئے مثال کا بیان ہے اور تمام انبیاء پر نبی ﷺ کی فضیلت کا ذکر ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ اللہ نے آپ کے ذریعہ رسولوں کی بعثت پر مہر لگادی اور دین کے احکام مکمل فرمادیے۔

﴿۴﴾ صحیح مسلم شریف کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ.

(حدیث: ۶۲۱۷، ترمذی ۳۷۳۰، ۳۷۳۱، مسند احمد ۱/ ۱۷۹، ۳/ ۳۲، مجمع الزوائد ۹/ ۱۰۹، کنز العمال ۳۲۲۴۲، ۳۲۸۸۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس تمہارا مرتبہ وہی ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہارون (علیہ السلام) کا مرتبہ تھا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

فائدہ: حدیث میں لَا نَبِیَّ میں لانفی جنس کے لئے ہے۔ یعنی جنس نبی میں کوئی بھی نبی فرض کرو حضور کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر چلنے والے اور اسی کی تبلیغ کرنے والے نبی تھے۔ حضور ﷺ نے اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ فرماکر اس قسم کی نبوت (غیر تشریعی) کی بھی نفی فرمادی۔ گویا نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ امت میں کچھ ایسے کذاب پیدا ہوں گے جو خود کو اس معنی میں نبی کہیں گے کہ وہ فرعی نبی ہیں اور حضور ﷺ اصلی نبی ہیں، حضور حقیقی نبی ہیں اور وہ ظلی فرعی وغیر تشریعی نبی ہے۔ اس لئے آپ نے اس خیال کا بھی سدِ باب فرمادیا کہ کوئی بھی شخص کسی بھی معنی میں آپ کے بعد نبی نہیں ہوسکتا۔

﴿۵﴾ جامع ترمذی شریف کتاب الفتن میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی

يَعْبُدُوا الْاَوْثَانَ وَاِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِي اُمَّتِي ثَلاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ. (حدیث: ۲۲۱۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میری امت کے کچھ قبائل مشرکین سے نہ مل جائیں اور جب تک کہ وہ بتوں کی عبادت نہ کریں۔ بے شک میری امت میں تیس بڑے جھوٹے ہوں گے۔ ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

فائدہ: حضور ﷺ کے، غیب کی خبر دینے کے مطابق اب تک متعدد جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوکر جہنم رسید ہو چکے ہیں۔ جن میں مسیلمہ کذاب، سجاح اور اسود عنسی ہیں اور ماضی قریب میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی گزرا ہے، جس کے ماننے والوں کی ایک جماعت ابھی ہندو پاک میں بھی موجود ہے۔

امام الوہابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی تمیمی متوفی ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء اگرچہ زبان سے نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا تھا، لیکن اس کی حیات وحالات کے تاریخی حقائق کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے نہاں خانہ دل کے کسی نہ کسی گوشے میں یہ جھوٹی خواہش ضرور انگڑائیاں لے رہی تھی۔ چنانچہ اہل سنت وجماعت کے ایک محقق عالم دین اپنی کتاب **"حدوث الفتن و جهاد اعيان السنن"** میں، محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

"ابتداء میں اسے (ابن عبدالوہاب کو) ان لوگوں کے حالات کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ جیسے مسیلمہ کذاب، سجاح، اسود عنسی اور طلحہ اسدی وغیرہ۔ گویا وہ اپنے دل میں نبوت کی خواہش رکھتا تھا۔ اگر اس خواہش کا اظہار ممکن ہوتا تو ضرور اسے وہ ظاہر کر دیتا۔ وہ اپنے پیروکاروں سے کہتا تھا "میں تمہارے پاس ایک نیا دین لے کر آیا" اس کا لایا ہوا نیا دین اُس کے قول وفعل سے ظاہر بھی ہوتا تھا۔ اس نے ہمارے نبی کے دین میں قرآن کے سوا کسی چیز کو نہیں مانا۔ اس نے ائمہ مذاہب اور علماء حق پر طعن کیا۔ قرآن میں اپنے مطلب کی تاویل کی۔ دراصل بظاہر وہ قرآن کا تبع خود کو ظاہر کرتا تھا، تاکہ لوگ اس کی

حقیقت سے واقف ہو کر اس سے الگ نہ ہوں۔ وہ اور اس کے پیروکار قرآن میں اپنی رائے کے مطابق تاویل کیا کرتے تھے۔ وہ اس تفسیر کو قبول نہیں کرتا تھا جو خود نبی پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ یا اسلاف امت وائمہ مجتہدین نے کی ہے۔ وہ قرآن کے علاوہ احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کو نہ مانتا تھا۔ قرآن وحدیث سے ائمہ مجتہدین کے استنباط کو بھی وہ تسلیم نہیں کرتا تھا اور اجماع کا بھی منکر تھا اور قیاس صحیح بھی اس کے نزدیک مردود تھا۔ (حدوث الفتن، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور۔ یوپی۔)

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں

حیات انبیاء کا ثبوت قرآن حکیم سے

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اپنے جسموں کے ساتھ اسی طرح زندہ ہیں جس طرح دنیا میں باحیات تھے۔ اس پر شریعت اسلامیہ میں مضبوط دلائل موجود ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

﴿۱﴾ قرآن حکیم میں ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (سورۃ آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: اور ہر گز گمان نہ کرو انہیں مردہ، جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں ان کے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ کو امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ متوفی ۹۱۱ھ نے حیات انبیاء کی دلیل میں بھی پیش فرمایا ہے: وہ تحریر فرماتے ہیں۔

قَدْقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الشُّهَدَاءِ "وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًابَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" وَالْاَنْبِيَاءُ اَوْلٰى بِذَالِكَ فَهُمْ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ وَقَلَّ نَبِيٌّ اِلَّا وَقَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّةِ وَصْفَ الشَّهَادَةِ فَيَدْخُلُوْنَ فِيْ عُمُوْمِ لَفْظِ الْاٰيَةِ. (انباء الاذکیا، ص ۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے

انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ انبیاء کرام تو بدرجہ اولی زندہ ہیں، کیوں کہ شہداء سے ان کا مرتبہ بہت بالاتر ہے۔ ہر نبی میں وصف نبوت کے ساتھ وصف شہادت ضرور ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام اس آیت کے عموم لفظ (جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے) میں داخل ہیں۔

یعنی تمام انبیاء کرام وصف شہادت سے بھی متصف ہیں۔ وہ بھی شہید ہیں، اس طرح ان کی حیات پر بھی یہ آیت دلیل ہے۔ امام سیوطی نے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کے مرتبہ شہادت کے ثبوت کی دلیل میں یہ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

﴿۱﴾ وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَاَبُوْ يَعْلٰى وَالطِّبْرَانِىْ وَالْحَاكِمُ فِى الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَيْهَقِى فِىْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَاَنْ اَحْلِفَ تِسْعًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ قَتْلًا اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ وَاحِدَةً اَنَّهٗ لَمْ يُقْتَلْ وَذَالِكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اتَّخَذَهٗ نَبِيًّا وَاتَّخَذَهٗ شَهِيْدًا.

﴿۲﴾ وَاَخْرَجَ الْبُخَارِى وَالْبَيْهَقِى عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَقُوْلُ فِىْ مَرَضِهِ الَّذِىْ تُوُفِّىَ (مات) فِيْهِ (ياعائشة) لَمْ اَزَلْ (مازال) اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِىْ اَكَلْتُ بِخَيْبَرَ فَهٰذَا اَوَانُ اِنْقِطَاعِ اَبْهَرِىْ مِنْ ذَالِكَ السُّمِّ.

(انباء الاذکیا للسیوطی، بخاری کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاتہ: حدیث: ۴۴۲۸)

ترجمہ: امام ابویعلی، طبرانی اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ میرے نزدیک نو مرتبہ اس بات پر قسم کھانا بہتر ہے کہ اللہ کے رسول شہید کئے گئے اور ایک بار یہ قسم کھانا پسند نہیں کہ آپ شہید نہیں کئے گئے۔ اس لئے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنایا اور شہید بھی۔

اور بخاری و بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ اپنے مرض وفات کے موقع پر فرماتے تھے کہ میں برابر اس (زہر آلود) کھانے کی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ اس زہر کی وجہ سے اب میری گردن کی شہ رگ کے پھٹنے کا وقت آگیا (موت کا وقت آگیا)۔ حضور ﷺ کے مرتبہ شہادت پر یہ دونوں حدیثیں ذکر کرنے کے بعد امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں:

فَثَبَتَ كَوْنُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيًّا فِىْ قَبْرِهٖ بِنَصِّ الْقُرْاٰنِ اِمَّا مِنْ عُمُوْمِ اللَّفْظِ

وَاِمَّا مِنْ مَفْهُوْمِ الْمُوَافَقَة. قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْاِعْتِقَادِ اَلْاَنْبِيَاءُ بَعْدَمَا قُبِضُوْا رُدَّتْ اِلَيْهِمْ اَرْوَاحُهُمْ فَهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَاءِ. (انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء/۱۲)

ترجمہ: نص قرآن سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں یا تو عموم لفظ سے یہ ثابت ہے یا مفہوم موافق سے۔ بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ انبیاء کی روحیں قبض کرنے کے بعد انہیں کے جسموں میں لوٹا دی گئیں۔ تو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ جیسے شہداء زندہ ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

﴿۲﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيْدًا (النساء: ۱۴)

ترجمہ: (اے محبوب) کیسی (عظیم شان) ہوگی آپ کی جب ہم، ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر پیش کریں گے۔

اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے:

﴿۳﴾ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: اور رسول تم سب پر گواہ ہوں گے۔

فائدہ: گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ کے فرمان کے مطابق رسول ﷺ قیامت تک کے تمام انسانوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ جب گواہی دیں گے تو ضرور مشاہدہ فرماتے ہیں اور مشاہدہ کرنے والا کیا کوئی مردہ ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پتہ چلا کہ اللہ کے رسول اپنی قبر شریف میں باحیات ہیں۔

حیات انبیاء کا ثبوت احادیث کریمہ سے

﴿۳﴾ حدیث: امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ

صَلاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ: فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: بَلِيْتَ. فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ. حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ

(سنن ابو داؤد حدیث: ۱۵۳۱).

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، تو اس میں زیادہ سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ہمارا درود آپ کو کیسے پیش کیا جائے گا؟ حالانکہ آپ تو (اپنی قبر میں) بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو آپ نے فرمایا۔ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے انبیاء کے جسموں کو (کھانا)۔

﴿۴﴾ نسائی شریف میں یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامِ.

(حدیث: ۱۳۷۵)

ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔

سنن ابن ماجہ کی روایت جو حضرت ابوالدرداء ﷛ سے ہے، اس میں حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں: فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ. اللہ کے ہر نبی قبر میں زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز حدیث: ۱۶۳۷)

﴿۵﴾ حضرت امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت کی:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَامِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

(سنن ابو داؤد حدیث: ۲۰۴۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص بھی مجھ پر سلام پیش کرے گا، دراں حالانکہ اللہ میری روح کو (میری وفات کے بعد) میرے جسم میں دوبارہ ڈال چکا ہوگا، تو میں اس کے سلام کا جواب ضرور دوں گا۔

﴿۶﴾ امام بیہقی نے حدیث مذکور کا یہی معنی ذکر فرمایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

وَاِنَّمَا اَرَادَ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ : اِلَّا وَقَدْ رَدَّاللّٰهُ اِلَىَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

(حیاۃ الانبیاء ص۷)

ترجمہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میری وفات کے بعد جو شخص مجھ پر درود پڑھے گا میں اس کے درود کا جواب دوں گا دراں حالیکہ اللہ میرے جسم میں میری روح لوٹا چکا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

امام سیوطی حدیث مذکور کو ذکر کرنے کے بعد شیخ تاج الدین ابن الفا کہانی مالکی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

يُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ حَیٌّ عَلَى الدَّوَامِ وَذَالِکَ اَنَّهُ مُحَالٌ عَادَةً اَنْ يَخْلُوَ وُجُوْدُ كُلِّ زَمَانٍ مِنْ وَّاحِدٍ مُسَلِّمٍ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ لَيْلاً وَّنَهَارًا. (انباء الاذکیا: ۱۷)

ترجمہ: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ دائمی طور پر زندہ ہیں (ایسا نہیں کہ قبر شریف میں جسم مبارک میں روح بار بار لوٹائی جاتی ہے) اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ محال عادی ہے کہ رات دن کا پورا وقت گزر جائے اور نبی پاک ﷺ پر ایک شخص بھی سلام پیش کرنے والا نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کے پاس قبر شریف میں آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ہر جمعرات کو امت کے اعمال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اپنی امت کے اچھے اعمال کو دیکھ کر حضور کو خوشی ہوتی ہے اور رب کا شکرادا کرتے ہیں اور امت کے برے اعمال کو دیکھ کر آپ کو رنج ہوتا ہے اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرماتے ہیں۔

﴿۷﴾ محدث ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَيَاتِیْ خَيْرٌ لَّكُمْ يَنْزِلُ عَلَیَّ الْوَحْیُ عَنِ السَّمَاءِ فَاُخْبِرُكُمْ بِمَا يَحِلُّ لَكُمْ وَيَحْرُمُ عَلَيْكُمْ وَمَوْتِیْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُكُمْ كُلَّ خَمِيْسٍ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ وَمَا كَانَ مِنْ ذَنْبٍ اَسْتَوْهِبُ اللّٰهَ ذُنُوْبَكُمْ.

(الوفا باحوال المصطفیٰ: ۸۱۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میری دنیاوی حیات تمہارے لئے خیر ہے۔ مجھ پر

آسمان سے وحی آتی ہے تو میں تمہیں حلال وحرام کی خبر دیتا ہوں اور میری موت تمہارے لئے بہتر ہے۔ مجھ پر تمہارے اعمال پیش جائیں گے ہر جمعرات کو۔ جوعمل اچھا ہوگا اس پر میں اللہ کا شکرادا کروں گا اور جو گناہ ہوگا تمہارے لئے اس کی مغفرت اللہ سے طلب کروں گا۔

فائدہ: محدث ابن جوزی کی ذکر کردہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، بلکہ اپنی گناہ گار امت کے لئے رب سے استغفار بھی کرتے ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے مخالفین بالخصوص وہابی، دیوبندی ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ کی باتوں کو بہت مستند قرار دیتے ہیں۔ آیئے انہیں کی ذکر کردہ حدیث ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

﴿۸﴾ ابن القیم سند صحیح کے ساتھ حدیث کے یہ الفاظ روایت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّی عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ .قُلْنَاوَ بَعْدَ وَفَاتِکَ؟ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ.اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ.

(جلاء الافهام ص ۵۵: مکتبہ لنزار مصطفی البازسعودیہ عربیہ ۱۴۳۶ھ)

ترجمہ جوشخص مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ ہم نے (صحابہ ﷺ نے) پوچھا: آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں! وفات کے بعد بھی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

﴿۹﴾ حدیث: صحیح مسلم شریف میں حضرت انس بن مالک ﷺ کی یہ روایت مذکور ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی (علیہ السلام) لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّی فِیْ قَبْرِہٖ. (صحیح مسلم باب فضائل موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیث: ۶۱۵۷، ۶۱۵۸)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں شب اسرا (معراج کی رات) موسی علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کثیب احمر کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(کثیب احمر سرخ ریت کا ٹیلہ جو بیت المقدس کے قریب واقع ہے جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر

مبارک ہے صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کی موجودگی میں فرمایا: اگر میں اس وقت بیت المقدس کے پاس ہوتا تو تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھادیتا، وہ راستے کے ایک کنارے ''کثیب احمر'' کے پاس ہے۔ (۱۲ مولف غفرلہ)

حدیث: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَقَدْرَاَیْتُنِیْ فِی الْحِجْرِ وَاَنَااُخْبِرُ قُرَیْشاً عَنْ مَسْرَایَ فَسَاَلُوْنِیْ عَنْ اَشْیَاءَ مِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ اُثْبِتْھَافَکُرِبْتُ کُرْبًامَاکُرِبْتُ مِثْلَہٗ فَرَفَعَہُ اللّٰہُ لِیْ اَنْظُرُاِلَیْہِ مَایَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُھُمْ بِہٖ وَقَدْرَاَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَۃٍ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فَاِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ فَاِذَارَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ کَاَنَّہٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَ ۃَ وَاِذَا عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ اَقْرَبُ النَّاسِ بِہٖ شَبَھًا عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَاِذَااِبْرَاھِیْمُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ اَشْبَہُ النَّاسِ بِہٖ صَاحِبُکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَہٗ. فَحَانَتِ الصَّلٰوۃُ فَاَمَمْتُھُمْ، فَلَمَّافَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاۃِ قَالَ لِیْ قَائِلٌ یَامُحَمَّدُ ھٰذَا مَالِکٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ فَالْتَفَتُّ اِلَیْہِ، فَبَدَاَنِیْ بِالسَّلَامِ. (حیاۃ الانبیاء للبیھقی ص:۶،۷ صحیح مسلم حدیث: ۴۳۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کعبہ کے پاس تھا اور قریش کو اسراء (مسجد حرام سے بیت المقدس تک اپنی سیر) کے بارے میں خبر دے رہا تھا۔ قریش، مجھ سے بیت المقدس کے بارے میں کچھ ایسی باتیں پوچھنے لگے جو میرے ذہن میں محفوظ نہیں تھیں، مجھے بے چینی لاحق ہوئی، اتنی زیادہ بے چینی کبھی لاحق نہ ہوئی تھی۔ اتنے میں اللہ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کردیا۔ میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا اور اس سے متعلق قریش کے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ وہ منظر مجھے یاد ہے، میں انبیاء کی ایک جماعت میں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں کی طرح گھنگرالے بال والے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ بن مسعود لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ تمہارے نبی سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہیں۔ پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان (انبیاء) کی امامت کی۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا: اے محمد! یہ مالک ہیں، جہنم کے داروغہ۔ انہیں سلام کیجئے۔ میں جب ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھے پہلے سلام

کیا۔

﴿۱۰﴾ حدیث: مسند ابویعلیٰ میں اور امام بیہقی کی کتاب حیاۃ الانبیاء میں حضرت انس ﷜ سے یہ حدیث مروی ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ.

(مسند البزار حدیث: ۲۳۳۹، مسند ابو یعلی حدیث: ۳۴۲۵، فیض القدیر ۱۸۴/۳، مجمع الزوائد ۲۱۱/۸)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔

حدیث: عن عبداللہ قال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ. (سنن نسائی حدیث: ۱۲۸۳)

﴿۱۱﴾ امام حافظ الحدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ نے نقل فرمایا ہے:

لَمَّا کَانَ یَوْمَ الْحَرَّۃِ لَمْ یُؤَذَّنْ فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ ﷺ ثَلَاثًا وَلَمْ یُقَمْ وَلَمْ یَبْرَحْ سَعِیْدُبْنُ الْمُسَیِّبِ مِنَ الْمَسْجِدِ وَکَانَ لَایَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاۃِ اِلَّا بِھَمْھَمَۃٍ یَسْمَعُھَا مِنْ قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ. (سنن دارمی حدیث: ۹۳، مکتبہ دارالایمان سہارنپور دیوبند ۲۰۰۷ء)

ترجمہ: یوم الحرہ کے موقع پر نبی پاک ﷺ کی مسجد میں تین دنوں تک اذان واقامت نہ کہی جا سکی (کیوں کہ یہ وہ دلخراش موقع تھا جب کہ یزید پلید نے ۶۳ھ میں مدینہ طیبہ پر فوج کشی کی تھی۔ قتل وخون ریزی اور طرح طرح کے ظلم ڈھائے تھے) اس موقع پر حضرت سعید ابن المسیب مسجد نبوی ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ نماز کے وقت نبی پاک ﷺ کی قبر مبارک سے آواز آتی تھی، جس سے وہ نماز کا وقت معلوم کرتے تھے (اور نماز ادا کرتے تھے)۔

﴿۱۲﴾ امام محمد بن یوسف صالحی متوفی ۹۴۲ھ نے نقل فرمایا ہے:

رَوَی اَبُوْنُعَیْمٍ فِی الدَّلَائِلِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ قَالَ: لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ لَیَالِیَ الْحَرَّۃِ وَمَا فِی الْمَسْجِدِ غَیْرِیْ وَمَایَاْتِیْ وَقْتُ اَذَانٍ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ. وَرَوَی الزُّبَیْرُ بْنُ بَکَّارٍ عَنْہُ قَالَ: لَمْ اَزَلْ اَسْمَعُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَۃَ فِیْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ایام الحرۃ حتّٰی عَادَ النَّاسُ. (سبل الھدی ۳۵۷/۱۲)

ترجمہ: محدث ابونعیم نے دلائل النبوہ میں سعید بن میسب کی روایت ذکر کی ہے۔ انہوں

نے کہا کہ مجھے یاد ہے فتنہ حرہ کے زمانے میں مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی نہ تھا جب اذان کا وقت آتا تھا تو میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ زبیر بن بکار نے ابن المسیب ہی سے روایت کی ہے، سعید ابن المسیب نے کہا کہ میں فتنہ حرہ کے ایام میں رسول ﷺ کی قبر سے اذان اور اقامت کی آواز سنتا رہا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوا اور لوگ اپنی پچھلی حالت میں لوٹ آئے۔

﴿۱۳﴾ وَرَوَىٰ بْنُ سَعْدٍ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يُلَازِمُ النَّاسَ اَيَّامَ الْحَرَّةِ وَالنَّاسُ يَقْتَتِلُوْنَ قَالَ فَكُنْتُ إِذَا حَانَتِ الصَّلٰوةُ اَسْمَعُ اَذَانًا يَخْرُجُ مِنَ الْقَبْرِ الشَّرِيْفِ۔ (سبل الهدىٰ ۳۵۷/۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت: ۲۰۰۷ء)

امام دارمی، ابونعیم، زبیر بن بکار اور ابن سعد کی ذکر کردہ ان آثار سے معلوم ہوا کہ سیّد التابعین حضرت سعید ابن میسب متوفی ۹۴ھ نے "فتنہ حرہ" کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف سے نماز کے وقت اذان اور اقامت کی آواز سنی۔ اس سے بھی حیات نبی کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔

﴿۱۴﴾ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ اَحَداً لَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ: قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔

(سنن ابن ماجه حديث:۱۶۳۷، نسائی حديث:۱۳۷۵، ابوداؤد حديث:۱۵۳۱)

ترجمہ: حضرت ابودرداء ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرو، کیوں کہ یہ خاص فرشتوں کے حاضر ہونے کا دن ہے۔

بے شک جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا فرشتے اس کا درود مجھ تک ضرور پہنچائیں گے۔ ابوالدرداء ؓ نے پوچھا (یارسول اللہ ﷺ) کیا موت کے بعد بھی ایسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں موت کے بعد بھی۔ بے شک اللہ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔ لہٰذا اللہ کے نبی زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

﴿۱۵﴾ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوْسٰى، فَقَالَ مُوْسٰى: اَنْتَ آدَمُ الَّذِي اَخْرَجَتْ ذُرِّيَّتَكَ مِنَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: اَنْتَ مُوْسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى

بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ ثُمَّ تَلُوْمُنِىْ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ قُدِّرَ عَلَىَّ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ؟ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى. (بخاری کتاب التوحید حدیث: ۷۵۱۵، مسلم باب حجاج آدم و موسیٰ حدیث: ۶۷۴۲ تا ۶۷۴۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدم اور موسیٰ (علیہما السلام) نے بحث کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ آدم ہیں، آپ ہی نے اپنی اولاد کو جنت سے نکالا ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: تم موسیٰ ہو، تمہیں اللہ نے اپنا رسول اور کلیم منتخب فرمایا ہے، پھر تم مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہو جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے ہی مقدر کردی تھی۔ بحث میں آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

فائدہ: حدیث مذکور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے۔ اس میں شروع کے الفاظ یہ ہیں: لَقِىَ اٰدَمُ مُوْسٰى. (مسند احمد حدیث: ۸۸۵۱) اور ابن کثیر نے ابویعلیٰ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی تخریج کی ہے، اس میں ہے اِلْتَقٰى اٰدم و موسیٰ اور اس سند کے بارے میں ابن کثیر نے کہا وَهٰذَا الْاِسْنَادُ اَيْضًا لَا بَاْسَ بِهٖ۔

ابن کثیر مزید لکھتے ہیں: وَالتَّحْقِيْقُ اَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ رُوِىَ بِاَلْفَاظٍ كَثِيْرَةٍ (تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث کثیر الفاظ کے ساتھ مروی ہے) اور آگے لکھتے ہیں: وَمَنْ كَذَّبَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَمُعَانِدٌ لِاَنَّهٗ مُتَوَاتِرٌ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ. (البدایۃ والنہایہ جلد ۱ ص ۷۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمہ ۲۰۰۷ء)

حافظ ابن کثیر کی تحریر سے واضح ہوا کہ یہ حدیث متواتر ہے، اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ حدیث مذکور میں حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے باہم ملاقات و مکالمہ کا ذکر ہے۔ اور یہ بات ہر ہوشمند انسان جانتا ہے کہ آپس میں ملاقات اور مکالمہ زندہ باشعور و بااختیار انسان کرتے ہیں۔ لہٰذا حدیث مذکور سے بھی یہ روشن ہوگیا کہ انبیاء زندہ ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں کوئی یہ شبہ پیش کرسکتا ہے کہ ابھی اوپر ابن ماجہ کے حوالے سے جو حدیث پیش کی گئی اس

سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کا درود اپنے نبی کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے فرشتے متعین کر دیئے ہیں۔ وہ آپ تک امت کا درود پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے، اس کا درود میں سنتا ہوں اور جو دور سے درود پڑھتا ہے اس کا درود فرشتہ کے ذریعہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ دور سے درود پڑھنے والے کا درود نہیں سنتے؟

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ کہی جائے گی کہ اس حدیث میں، بلکہ کسی بھی حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ دور سے درود پڑھنے والے کا درود آنحضرت ﷺ نہیں سنتے، یا نہیں سن سکتے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ دور سے درود پڑھنے والے کا درود آپ نہیں سنتے ہیں، کمتر ذہن کی گڑھی ہوئی بات ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ درود پہنچانے پر فرشتے مقرر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور دور سے درود پڑھنے والے کا درود نہیں سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کو اپنی بارگاہ تک پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر کر دئے ہیں۔ وہ فرشتے صبح و شام بندوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں لے جا کر پیش کرتے ہیں۔ تو کیا معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ بندے کے اعمال کو خود نہیں دیکھ رہا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ملک وملکوت (زمین و آسمان کی بادشاہت) میں کام انجام دینے کے لئے کچھ فرشتے مقرر فرمادئے ہیں، جنہیں قرآن کی زبان میں ''مُدَبِّرَاتِ اَمْر'' کہا جاتا ہے (سورۂ النازعات آیت:۵)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے اپنا یہ نظام قائم فرمایا ہے۔ حضرت علی، مجاہد، عطاء، ابوصالح، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، سدّی نے فرمایا کہ یہ فرشتے اللہ کے حکم سے دنیا کے ان امور کو انجام دیتے ہیں جو ان کے سپرد ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد۶ ص۳۸۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید الانبیاء والمرسلین کی عظمت شان کے اظہار کے لئے درود پہنچانے پر فرشتے مقرر فرمادئے ہیں۔ جیسے ایک بادشاہ، اپنی رعایا کی خبر رسانی کے لئے اپنے کارندے مقرر کر دیتا ہے۔ اگر چہ بادشاہ خود رعایا کی خبر گیری کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

لہٰذا بعض احادیث میں یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ درود پہنچانے پر اللہ نے فرشتے مقرر فرمادئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے وہ فرشتے اس لئے مقرر کئے ہیں تا کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ

اور تحفہ کی صورت میں امت کا درود پہنچائیں۔ یہ بات، میں اپنی طرف سے نہیں بیان کررہا ہوں، بلکہ ایک حدیث پاک میں اس کو واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے اپنی کتاب حیاۃ الانبیاء میں اور امام اصبہانی نے الترغیب میں حضرت انس ﷜ سے روایت کی ہے۔

﴿۱۶﴾ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اَقْرَبَکُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ اَکْثَرُکُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً فِی الدُّنْیَا. وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِائَۃً فِی الْجُمُعَۃِ وَلَیْلَۃِ الْجُمُعَۃِ قَضَی لَہٗ مِائَۃً، سَبْعِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْآخِرَۃِ وَثَلٰثِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا ثُمَّ وَکَّلَ اللّٰہُ بِذَالِکَ مَلَکًا یُدْخِلُہٗ عَلَیَّ فِیْ قَبْرِیْ کَمَا یُدْخَلُ عَلَیْکُمُ الْھَدَایَاوَاِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیَاۃِ. (بیہقی، حیاۃ الانبیاء ص: ۹، ابن القیم، جلاء الافھام حدیث: ۲۷۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن یا رات میں مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھے گا اللہ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر حاجتیں آخرت کی اور تیس دنیا کی۔ اللہ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر فرمادیا ہے تاکہ وہ میری قبر میں درود لے کر حاضر ہو، جس طرح تمہارے پاس تحفے تحائف لائے جاتے ہیں۔ یقیناً میرا علم موت کے بعد اسی طرح باقی ہے، جس طرح حیات میں تھا۔

﴿۱۷﴾ امام بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

یُخْبِرُنِیْ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ، بِاسْمِہٖ وَنَسَبِہٖ فَاُثْبِتُہٗ عِنْدِیْ فِیْ صَحِیْفَۃٍ بَیْضَاءَ. (دلائل النبوہ ص: ۹)

ترجمہ: وہ فرشتہ مجھے بتادیتا ہے کہ مجھ پر درود پڑھنے والے کا نام کیا ہے۔ اس کا نسب کیا ہے؟ اسے میں ایک سادے صحیفے میں اپنے پاس محفوظ کرلیتا ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اپنے اجسام کے ساتھ باحیات ہیں، انہیں رزق بھی ملتا ہے اور اپنی قبروں میں اذان واقامت کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ اپنی قبر انور میں امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں

ہمارے آقا و مولیٰ، سرکار مدینہ، راحت قلب وسینہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اپنی امت کے

اعمال، اپنی قبر شریف میں دیکھتے ہیں۔ امت کے نیک اعمال دیکھ کر آپ کو خوشی ہوتی ہے اور برے اعمال دیکھ کر دکھ ہوتا ہے اور اپنی گناہ گار امت کے لئے اپنی قبر مبارک میں رب تعالیٰ سے دعاء مغفرت فرماتے ہیں۔

﴿۱۸﴾ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حدیث: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَکْثِرُوْا الصَّلَاۃَ عَلَیَّ فِی اللَّیْلَۃِ الغَرَّاءِ وَالْیَوْمِ الْاَزْھَرِ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ فَاَدْعُوْلَکُمْ وَاَسْتَغْفِرُ.

(سبل الهدیٰ ۱۲/۳۴۳، دارالکتب العلمیه بیروت،۲۰۰۷ء رواه ابن بشکوال فی کتابه فی الصلاة النبویة، وللحدیث شواهد)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روشن رات (شب جمعہ) اور روشن دن (جمعہ کے دن) میں زیادہ درود پڑھا کرو کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا تو میں تمہارے لئے دعا کروں گا اور تمہاری مغفرت کی دعاء کروں گا۔

غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَھَبَ جَمَاعَۃٌ مِنَ الْمُحَقِّقِیْنَ اِلٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ حَیٌّ بَعْدَ وَفَاتِہٖ وَاَنَّہٗ یُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِہٖ. (نیل الاوطار ۳/۲۶۰)

ترجمہ: محققین کی ایک جماعت (اہل سنت و جماعت) کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

حیات انبیاء کے عقیدے پر قرآن و حدیث، آثار صحابہ و اسلاف امت کے اقوال سے دلیلیں موجود ہیں۔ یہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے اس کا انکار کرنے والا گمراہ اور بددین ہے۔

حتی کہ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ "حیات انبیاء کے ثبوت پر احادیث و آثار پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حَیَاۃُ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ قَبْرِہٖ ھُوَ وَسَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ مَعْلُوْمَۃٌ عِنْدَنَا عِلْمًا قَطْعِیًا. لِمَا قَامَ عِنْدَنَا مِنَ الْاَدِلَّۃِ فِیْ ذَالِکَ وَتَوَاتَرَتْ بِہِ الْاَخْبَارُ الدَّالَّۃُ عَلٰی ذَالِکَ وَقَدْ اَلَّفَ الْاِمَامُ الْبَیْھَقِی رَحِمَہُ اللّٰہُ جُزْءًا فِیْ حَیَاۃِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ فِیْ قُبُوْرِھِمْ. (انباء الاذکیاء ص۷)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء اپنی قبروں میں باحیات ہیں۔ اس کا علم ہمیں قطعی طور پر

حاصل ہے۔ کیوں کہ اس پر ہمارے پاس دلیلیں موجود ہیں اور اس سلسلے میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس عنوان پر امام بیہقی نے حدیث کی ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

حافظ الحدیث امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَلِحَیَاۃِ الْاَنْبِیَاءِ بَعْدَ مَوْتِھِمْ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ، شَوَاھِدُ مِنَ الْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ.

(دلائل النبوۃ ص:۵)

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کی حیات بعد موت پر بہت سی صحیح حدیثیں بطور دلیل موجود ہیں۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب ''الاعتقاد'' میں تحریر فرمایا ہے:

اَلْاَنْبِیَاءُ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بَعْدَ مَا قُبِضُوْا رُدَّتْ اِلَیْھِمْ اَرْوَاحُھُمْ، فَھُمْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ کَالشُّھَدَاءِ وَقَدْ رَاٰی النَّبِیُّ ﷺ جَمَاعَۃً مِنْھُمْ وَاَمَّھُمْ فِی الصَّلَاۃِ وَاَخْبَرَ وَخَبَرُہٗ صِدْقٌ، اَنَّ صَلَاتَنَا مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیْہِ. وَاَنَّ سَلَامَنَا یَبْلُغُہٗ وَاللّٰہُ تَعَالٰی حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ.

(سبل الھدی والرشاد جلد :۱۲ ص ۳۵۵ .امام محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی روحیں دوبارہ ان کے جسموں میں ڈال دی گئی ہیں، لہٰذا وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں جیسا کہ شہداء زندہ ہیں۔ چنانچہ نبی پاک ﷺ نے (معراج کے موقع پر) انبیاء کی ایک جماعت کو دیکھا اور ان کی امامت بھی کی ہے۔ اس بات کی آپ نے خود ہی خبر دی ہے اور آپ کی خبر سچی ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارا درود آپ کو پیش کیا جاتا ہے اور ہمارا سلام آپ کو پہنچتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حیاتِ انبیاء کا انکار ہندوستان میں سب سے پہلے مولوی اسماعیل دہلوی نے کیا

امت مسلمہ کے اس اجماعی عقیدے کا انکار ہندوستان میں سب سے پہلے امام الوہابیہ مولوی

اسماعیل دہلوی نے کیا۔ اس نے نبی ﷺ کی جانب ایک جھوٹی بات منسوب کر کے یہ لکھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔ (تقویۃ الایمان: ص ۴۲ راشد کمپنی دیوبند)

پھر بھی مولوی اسماعیل دہلوی کے بارے میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا:

"جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم، متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن وحدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے، اور اس کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں لکھا: اس کا رکھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔" (فتاوی رشیدیہ ص: ۸۷، جسیم بکڈ پو دہلی: ۱۹۸۷ء)

اہلِ حدیث وغیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری کی کتاب فتاوی ثنائیہ میں ہے۔

حیات برزخی کا مسئلہ قیاسی نہیں ہے کہ حیات شہداء پر آنحضرت کی حیات بعد الممات کو قیاس کیا جائے، بلکہ اس کے لئے نص کا ہونا ضروری ہے۔ (فتاوی ثنائیہ ۱/۱۰۷، مکتبہ ترجمان، اہل حدیث منزل جامع مسجد دہلی ۲۰۰۲ء)

مسلمانو! انصاف کرو! احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے اور امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی اور اس کے پیروکار، وہابی اہلِ حدیث کا کہنا ہے کہ نبی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والے ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ اس ناپاک بات کو قول رسول بنا کر پیش کر دیا۔ ذرا سوچو، اس تہمت کا کیا انجام ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے کہ جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے گستاخوں اور گمراہوں سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

بعض مخالفینِ اہل سنت کی کتابوں سے حیاتِ انبیاء کا ثبوت

اب تک حیات انبیاء کے ثبوت پر قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور اسلاف امت کے اقوال پیش کئے گئے۔ اب ذرا اس گروہ کے بعض اکابر علماء کے اقوال بھی ملاحظہ کرتے چلیں

جس گروہ کے لوگ اہلسنت و جماعت کی مخالفت میں نبی اکرم ﷺ کو مردہ سمجھ کر کبھی تو آپ سے استعانت کو شرک کہتے ہیں۔ کبھی یارسول اللہ پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور کبھی نبی کو وسیلہ بنانے کو بدعت و گمراہی کہتے ہیں۔ اور کبھی یہ لکھ دیتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ چنانچہ دیوبندیوں کے امام اسماعیل دہلوی کے مدح خوان مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا:

''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں''۔ (ہدایۃ الشیعہ/۳۶)

دیوبندیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی نے لکھا:

''انبیاء علیہم السلام کو اجسام دنیاوی کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں، یہ نہیں کہ مثل شہید، ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے۔ (لطائف قاسمی ص۳)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی نے لکھا:

''اِنَّ النَّبِیَّ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ''۔ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ (بذل المجہود ۲، راج ۲ ص ۱۱)

دیوبندیوں کے سب سے بڑے مقتدا اشرف علی تھانوی نے لکھا:

''پانچویں روایت، حضرت ابوہریرہ ﷛ نے ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کر دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں (مشکوٰۃ، ابوداؤد، بیہقی) اس سے حیات میں شبہ نہ کیا جائے، کیوں کہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اس کو روح کی واپسی سے تعبیر فرمایا ہے۔ کذا فی اللمعات۔ مجموعی روایات سے خلاصۂ علاوہ فضیلت حیات و اکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا، نماز پڑھنا، غذا مناسب اُس عالم کے نوش فرمانا، سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہے اور بعض اوقات، بعض خواص سے حالت بیداری میں آپ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالت رویا و کشف میں تو ایسے واقعات احاطہ وشمار سے باہر ہیں اور ان تمام مشاغل کے ایک ہی وقت میں اجتماع سے

تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے۔ کیوں کہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روح مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے"۔ (نشر الطیب ۱۴۱،۱۴۲ ادبی پکڈ پو دہلی)

مولوی شبیر احمد عثانی دیوبندی تحریر کرتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ حَیٌّ کَمَا تَقَرَّرَ وَاَنَّہٗ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ بِاَذَانٍ وَاِقَامَۃٍ. (فتح الملھم جلد ۳/ ۴۱۹)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ زندہ ہیں، جیسا کہ دلائل سے ثابت ہے اور اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی لکھتے ہیں:

"آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے، جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی۔ بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ (مکتوب شیخ الاسلام ج ا ص ۱۳۰)

غیر مقلدین کے امام و مجتہد قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ بَعْدَ مَوْتِہٖ. (نیل الاوطار ۵/ ۱۰۱)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

قاضی شوکانی مزید لکھتے ہیں:

وَوَرَدَ النَّصُّ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فِیْ حَقِّ الشُّھَدَاءِ اَنَّھُمْ اَحْیَاءٌ یُرْزَقُوْنَ وَاَنَّ الْحَیَاۃَ فِیْھِمْ مُتَعَلِّقَۃٌ بِالْجَسَدِ فَکَیْفَ بِالْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَقَدْ ثَبَتَ فِی الْحَدِیْثِ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ. (نیل الاوطار ۳/ ۲۶۰)

ترجمہ: کتاب اللہ میں شہداء کے تعلق سے دلیل موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کی حیات ان کے جسم کے ساتھ ہے، تو انبیاء و مرسلین کیسے زندہ نہ ہوں؟ حالانکہ ان کے بارے میں حدیث میں ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم وحید الزماں لکھتے ہیں۔

کل پیغمبروں کے جسم زمین کے اندر صحیح و سالم ہیں اور روح تو سب کی سلامت رہتی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا جسم صحیح و سالم ہے اور قبر شریف میں زندہ ہیں۔ جو باتیں آنحضرت ﷺ سے دنیاوی حالت میں عرض کر سکتے تھے وہ اب بھی عرض کر سکتے ہیں اور جو فیوض و برکات آنحضرت ﷺ سے

پہلے ہوتے تھے وہ اب بھی ہوتے ہیں۔ (حاشیہ سنن ابن ماجہ مترجم باب فضل الجمعة حدیث:۱۰۸۴)

موجودہ غیر مقلدین کے معروف عالم عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں:

اِنَّهُمْ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ. (التعليقات السلفية على سنن النسائى ۱/۲۳۷)

مسلمانو! خدارا انصاف سے بولو کہ دیوبندیوں، غیر مقلدوں، وہابیوں کے بعض علماء جب یہ لکھیں کہ انبیاء اپنی قبروں میں اپنے اجسام مبارکہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان واقامت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ کی قبر کی زندگی شہداء کی زندگی سے بالاتر ہے۔ آپ پر سلام پیش کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں، سلام کا جواب دیتے ہیں، اپنی امت کے اعمال کو دیکھتے ہیں، عالم برزخ میں مبارک روحوں کی وسعت (طاقت) بڑھ جاتی ہے تو انہیں غیر مقلد، دیوبندی، وہابی علماء کو گمراہ وبدعتی نہیں کہا جاتا اور جب علماء اہل سنت نبی کی حیات برزخی کو مانتے ہوئے آپ کی روح مبارکہ کی غیر معمولی وسعت وطاقت کا عقیدہ رکھتے ہوئے یہ کہیں کہ نبی ﷺ دور ونزدیک سے درود پیش کرنے والوں کا درود سنتے ہیں، سلام پیش کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ سلام پیش کرنے والوں کے نام ونسب بھی جانتے ہیں، قبر شریف میں اپنی امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں (اس معنی کے اعتبار سے آپ حاضر وناظر ہیں) تو اہل سنت وجماعت کے خلاف دیوبندی، وہابی، اہلحدیث شور مچانے لگتے ہیں کہ یہ لوگ مشرک ہیں، بدعتی ہیں۔ اگر یہ شرک وبدعت ہے تو دیوبندیوں، وہابیوں اور غیر مقلدوں کے وہ علماء شرکت وبدعت سے بری کیوں؟

بات دراصل یہ ہے کہ جب دلائل شرعیہ کے سامنے یہ لوگ مجبور ہوتے ہیں تو مجبوراً وہ بات بولتے اور لکھتے ہیں جو حق ہے، لیکن جب انہیں یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ ان کے متبعین کہیں اہل حق اہل سنت وجماعت کے ساتھ نہ ہوجائیں اور ان کی قیادت وامامت خطرے میں نہ پڑجائے تو وہ اہل سنت وجماعت کے خلاف اپنے پیروکاروں میں بدگمانیاں پھیلاتے ہیں کہ یہ لوگ نبی کو اللہ کی طرح حی (زندہ) مانتے ہیں، اللہ کی طرح حاجت روا مانتے ہیں۔ نبی کی قدرت کو اللہ کی قدرت کے برابر کردیتے ہیں، اس لئے یہ لوگ شرک وبدعت میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اہل

سنت و جماعت کے ساتھ ان کی بدگمانی اور ان پر تہمت کی اس سے بدترین مثال کوئی نہیں۔ اہل سنت کے دشمنوں نے تہمت رکھتے وقت اتنا بھی نہ سوچا کہ تہمت کا وبال خود انہیں کے سر آپڑا۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ سنّی نبی کی قدرت کو اللہ کی قدرت سے بڑھا دیتے ہیں، تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان نادانوں کو نبی کی قدرت کی حد کے ساتھ ساتھ اللہ کی قدرت کی حد بھی معلوم ہے، ورنہ دو چیزوں کی حد جانے بغیر ان کے تعلق سے یہ کہنا کہ دونوں برابر ہیں یا ایک دوسری سے زیادہ ہے کیوں کر درست ہوگا؟ مخالفین نے یہ کہتے ہوئے کہ سنی لوگ نبی کو اللہ سے بڑھا دیتے ہیں یا برابر کر دیتے ہیں اتنا بھی نہ سوچا کہ یہ کہہ کر وہ خود اللہ کی ذات وصفات کو محدود کر رہے ہیں۔ ذرا انصاف سے بتایئے کہ اللہ یا اس کی صفات کو محدود ماننا کیا ہے؟ کیا یہ کفر نہیں؟ پھر یہ کس کے سر پر آیا؟ سچ ہے، جو شخص کسی پر جھوٹی تہمت لگاتا ہے اس کا وبال اسی کے سر پلٹ آتا ہے۔

نقطۂ اتحاد

اگر منکرین سچے دل سے یہ مان لیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی قبر انور میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ باحیات ہیں اور آپ کی روح مبارکہ کو جو وسعت وقدرت حاصل تھی، اس سے کہیں زیادہ بعد وفات وسعت وقدرت پیدا ہوگئی ہے، تو بہت سے عقائد میں اہل سنت و جماعت سے ان کا الجھاؤ باقی نہیں رہے گا۔ مثلاً دور سے یارسول اللہ پکارنا، یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ کے رسول ﷺ سماعت فرماسکتے ہیں۔ جب حیات ظاہری میں دور کی چیز کو سننے کی طاقت آپ ﷺ کے اندر تھی، تو بعد وفات وہ طاقت کیوں نہیں؟ اگر بعد وفات قوت سماعت میں کمی آگئی کہ قریب کو سن سکتے ہیں، دور کو نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعد وفات آپ کی قوتِ سماعت اور علم میں کمی آگئی، حالانکہ اس سے پہلے حدیث پاک ذکر کی گئی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حیات ظاہری میں جس طرح میرا علم تھا اسی طرح بعد وفات بھی میرا علم موجود ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس نے بعد وفات میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

(کنز العمال باب زیارۃ قبر النبی من الاکمال، حدیث: ۱۲۳۶۴، ۱۲۳۶۸)

جب خود بعض علماء دیو بند اور اہل حدیث کے بعض علماء کی تحریروں میں اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جس طرح دنیا میں زندہ تھے اسی طرح قبر میں بھی زندہ ہیں، تو پھر آپ کی ظاہری حیات میں آپ سے توسل کو جائز کہا جائے اور بعد وفات توسل کو نا جائز کہا جائے، قریب سے یا رسول اللہ ﷺ کہنے کو جائز کہا جائے اور دور سے یا رسول اللہ ﷺ پکارنے کو شرک و بدعت کہا جائے، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اللہ کی عطا سے جب آپ ﷺ اپنی ظاہری حیات میں دور کی چیزوں کا مشاہدہ فرما لیتے تھے (بخاری شریف ۱/۱۱۶) تو بعد وفات کیوں نہیں مشاہدہ فرما سکتے ہیں؟ آپ کی حیات ظاہری میں آپ کے یہ تصرفات ماننا اور بعد وفات آپ کے ان تصرفات کو نہ ماننا درحقیقت آپ کی قبر کی زندگی کا انکار کرنا ہے۔ حالانکہ احادیث صحیحہ سے آپ کے لئے قبر کی زندگی ثابت ہے۔ مخالفین اہلسنت جب اس عقیدے سے انکار کی گنجائش نہیں پاتے تو جان چھڑانے کے لئے کبھی بظاہر زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ بعدِ وصال اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں لیکن مناسب موقع پاتے ہی اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ حیاتِ ظاہری کی طرح بعد وفات آپ کی حیات ماننا اور حیات کے ساتھ آپ کے روحانی تصرفات کا انکار کرنا مثلاً آپ کے سننے، دیکھنے، حاجت روائی کے لئے وسیلہ بننے کا انکار کرنا درحقیقت آپ کی سب سے اعلیٰ حیات برزخی ہی کا انکار کرنا ہے۔

نبی پاک ﷺ بے مثل و بے مثال بشر ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو بے مثل و بے مثال بنایا ہے۔اس کے ثبوت میں یہ حدیثیں پڑھئے۔

صحیح بخاری کتاب الصوم میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ، قَالُوْا: اِنَّکَ تُوَاصِلُ، قَالَ اِنِّی لَسْتُ مِثْلَکُمْ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی .(حدیث نمبر: ۱۹۶۱،۱۹۶۲،۱۹۶۳،۲۹۶۴،۱۹۶۵،۱۹۶۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے متواتر روزہ (جس میں نہ سحری ہو نہ افطار) رکھنے سے منع فرمایا۔صحابہ نے عرض کیا آپ تو متواتر روزہ رکھتے ہیں؟ فرمایا: بے شک میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔مجھے (اپنے رب کے یہاں) کھلایا پلایا جاتا ہے۔

مسلمانو! دیکھو اللہ کے رسول ﷺ تو مسلمانوں کو یہ عقیدہ دے رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جیسا کوئی بشر نہیں۔لیکن وہابیوں اور دیوبندوں کے پیشوا کہتے ہیں، رسول ہم جیسے بشر ہیں اس دعوے پر حوالہ ضروری ہے۔اب بتایئے اللہ کے رسول ﷺ کا دیا ہوا عقیدہ مانیں گے یا دیوبندیوں، وہابیوں کا گڑھا ہوا عقیدہ؟ اہل سنت و جماعت وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بے مثل و بے مثال بشر ہیں۔ہم جیسے بشر نہیں۔

ایک اعتراض کا جواب

اہل سنت و جماعت جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسا بشر نہیں مانتے تو مخالفین قرآن کی ایک آیت بڑے زوردار انداز میں پیش کرتے ہیں۔وہ آیت یہ ہے: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ :(سورۂ لفصلت آیت:۶) دیوبندی، وہابی کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ نبی ہماری طرح بشر ہیں۔

حالانکہ اسی آیت کریمہ میں نبی کے بے مثل بشر ہونے کی دلیل موجود ہے۔ کیوں کہ اسی آیت میں آگے ہے یُوْحٰی اِلَیَّ۔ یعنی نبی ایسے بشر ہیں کہ ان کے پاس وحی آتی ہے تو وہ ہم جیسے بشر کیسے ہوسکتے ہیں؟ آیت کریمہ میں مثل ہونے کا معنی صرف اس قدر ہے کہ نبی معبود نہ ہونے میں ہماری طرح بشر ہیں۔ جس طرح عام بشر معبود نہیں، اسی طرح نبی جو افضل البشر ہیں وہ بھی معبود نہیں۔ ورنہ نبی ﷺ کی ذات اور صفت میں کوئی بھی بشر نبی کی طرح نہیں۔ صحابہ کرام ﷺ اجمعین کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہم جیسے بشر نہیں۔ یہ حدیث پاک پڑھیے:

حدیث: صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، لوگوں کو آسان، اچھے کام کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ لوگ آسانی سے کرسکیں۔ صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: "اِنَّا لَسْنَا کَھَیْئَتِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" یارسول اللہ ﷺ ہم آپ کی طرح نہیں ہیں (ہم کو زیادہ عمل کرنے کی ضرورت ہے)۔ یہ سن کر نبی پاک ﷺ کے چہرے پر غضب کا اثر ظاہر ہوا اور فرمایا: "اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمَکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا" بے شک میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اللہ کا علم و عرفان رکھنے والا ہوں۔ (بخاری حدیث:۲۰)

مسلمانو! ذرا غور کرو وہ صحابہ کرام، جن کے قدموں کی دھول کے برابر بھی کوئی غیر صحابی نہیں ہوسکتا وہ تو برملا یہ کہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی طرح نہیں اور دیوبندی، وہابی جماعت کے ٹٹ پونجیے کہتے پھریں کہ رسول ہماری طرح بشر ہیں۔ کیا یہ جرأت و بے باکی، رسول کی شان میں بدتمیزی نہیں۔

نبی کو اپنے جیسا بشر کہنا کافروں کی عادت ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ (ھود آیت:۲۷)

ترجمہ: نوح کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے کہا (اے نوح) ہم تم کو بس اپنی طرح بشر سمجھتے ہیں۔

ابلیس سے جب اللہ نے فرمایا تھا کہ ادم کو سجدہ کرو تو ابلیس نے آدم علیہ السلام کی گستاخی کرتے ہوئے یہ کہہ کر سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

لَمْ اَكُنْ لِاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ. (الحجر:۳۳)

ترجمہ: میں اس بشر کو سجدہ نہیں کرتا جس کو تو نے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ چکنے والی مٹی تھی۔

کفار و مشرکین رسول خدا ﷺ کو اپنی طرح بشر کہہ کر لوگوں کو آپ کی محبت و عقیدت، تعظیم و توقیر اور آپ کے دین سے بیزار کرنے کی کوشش کرتے تھے اور آپس میں مشورہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ کو اپنی طرح بشر کہہ کر لوگوں کو ان سے دور کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ. (الانبیاء:۳)

ترجمہ: اور ظالموں (کافروں) نے آپس میں چپکے چپکے کہا (محمد کے بارے میں لوگوں سے کہا جائے) کہ یہ تو بس تمہارے ہی طرح بشر ہیں۔

فائدہ: قرآن حکیم کی آیتوں سے معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ کو اپنی طرح بشر کہنا اور آپ کی عظمت کو لوگوں کے دلوں سے کم کرنا کافروں کی عادت ہے اور نبی کو بشر کہہ کر ان کی تعظیم سے انکار کرنا ابلیس کی پیروی کرنا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا دیدار، دیدارِ حق ہے

حدیث: صحیح بخاری شریف کتاب التعبیر میں ہے:

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَكَوَّنُنِیْ. (بخاری حدیث: ۶۹۹۷، ۶۹۹۴)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا۔ کیوں کہ شیطان میری ہیئت نہیں اختیار کرسکتا۔

فائدہ: نبی ﷺ کے سوا عام انسان کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو خواب

میں دیکھے تو ضروری نہیں کہ اس نے اسی کو دیکھا۔ ہوسکتا ہے کہ شیطان اس کی شکل میں آیا ہو لیکن نبی کی شان یہ ہے کہ جس نے خواب میں نبی کو دیکھا اس نے یقینی طور پر نبی کو دیکھا۔ کیوں کہ شیطان آپ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا۔

بخاری کی حدیث نمبر ۶۹۹۴ میں یہ ہے کہ ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے مجھے حقیقت میں دیکھا۔ کیوں کہ شیطان میرا مثالی جسم اختیار نہیں کرسکتا۔ اس حدیث پاک سے یہ اشارہ بھی ملا کہ جس خوش نصیب مومن کو خواب میں رسول پاک کا دیدار عطا ہوا یا حالت بیداری میں، یقیناً اس نے رسول پاک ﷺ ہی کو دیکھا۔ جس طرح یہ بعید نہیں کہ خواب دیکھنے والے کی روحانی بصیرت نے نبی کو دیکھا اسی طرح یہ بھی بعید نہیں کہ نبی پاک نے بندہ نوازی فرماتے ہوئے اپنے جسم مثالی کے ساتھ تشریف لاکر جلوہ نمائی فرمائی ہو۔

اہلِ سنت اس معنی کے اعتبار سے بھی نبی پاک کو حاضر و ناظر کہتے ہیں کہ آپ کو یہ اختیار ہے کہ اپنے جسم مثالی کے ساتھ جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اس تعلق سے ترمذی شریف کی حدیث کا حوالہ ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

رسول اکرم ﷺ کا حسنِ بے مثال

حدیث: بخاری و مسلم شریف میں یہ حدیث مذکور ہے۔ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: لَمْ اَرَ شَيْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ. (مسلم، فضائل حدیث: ۶۰۶۴)

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ سے زیادہ حسین کسی چیز کو نہیں دیکھا۔

حدیث: سنن ابن ماجہ، ترمذی، مستدرک حاکم وغیرہ میں یہ حدیث مذکور ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمَّا كَانَ الْيَوْمَ الَّذِىْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَضَاءَ مِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ. (ترمذی مناقب، حدیث ۳۶۱۸)

ترجمہ: جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، آپ کے نور سے ہر چیز منور ہوگئی۔

حدیث: مشکوٰۃ شریف، سنن دارمی اور المواھب اللدنیہ میں یہ حدیث حضرت رُبیع بنت معوّذ ﷺ کے حوالے سے ہے۔ ان سے ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے کہا کہ آپ میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کے کچھ اوصاف بیان کیجئے تو انہوں نے کہا یَابُنَیَّ الَوْرَأَیْتَہٗ رَأَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَۃً اے بیٹے! اگر تو حضور ﷺ کو دیکھتا تو محسوس کرتا کہ سورج روشن ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب اسماء النبی ﷺ وصفاتہ ص ۵۱۷، سنن دارمی باب فی حسن النبی ﷺ حدیث: ۶۰، معجم طبرانی کبیر، اوسط مجمع الزوائد ۲۸۰/۸)

حدیث: حضرت براء بن عازب ﷺ سے کسی آدمی نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ تلوار کی مانند تھا تو انہوں نے جواب دیا نہیں بلکہ چاند کی مانند تھا (بخاری کتاب المناقب، حدیث: ۳۵۵۲)

حدیث: حضرت براء ﷺ ہی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت تھے اور خوب سیرت تھے نہ زیادہ لمبے نہ پستہ قد۔ (بخاری حدیث: ۳۵۴۹)

حدیث: حضرت ابن عباس ﷺ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ تھا۔ جب آپ ہم کلام ہوتے تو ایسا لگتا تھا کہ دونوں دانتوں کے درمیان سے نور پھوٹ رہا ہے۔ (سنن دارمی باب فی حسن النبی ﷺ حدیث: ۵۸)

نبی کریم ﷺ کا پسینہ مشک سے زیادہ خوشبودار تھا

حدیث: صحیح بخاری و مسلم میں یہ حدیث حضرت ام سُلَیم رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کو جمع کر کے رکھتی تھیں اور اسے اپنے عطر میں شامل کر لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ خود حضور ﷺ نے ام سلیم سے پوچھا مَاھٰذَا الَّذِی تَصْنَعِیْنَ ؟ یہ کیا کرتی ہے؟ تو ام سلیم نے جواب دیا: عَرْقُکَ نَجْعَلُہٗ فِیْ طِیْبِنَا وَھُوَ مِنْ اَطْیَبِ الطِّیْبِ۔ (مشکوۃ المصابیح ۵۱۷ متفق علیہ، مسلم حدیث: ۲۰۵۵، ۲۰۵۷، باب طیب عرقہٖ، بخاری کتاب الاستئذان باب ۴۱، حدیث ۲۲۸۱)

ترجمہ: آپ ﷺ کے پسینے کو ہم اپنی خوشبو میں شامل کر لیتے ہیں آپ کا پسینہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔

حدیث: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس ﷺ کی یہ روایت مذکور ہے۔

وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا وَلَا عَنْبَرَةً اَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ النَّبِيِّ ﷺ. (مشکوۃ ص ۵۱۷، بخاری کتاب المناقب باب ۲۳ حدیث: ۳۵۶۱، کتاب الصوم باب ۵۳ حدیث ۱۹۷۵ مسلم کتاب الفضائل حدیث ۶۰۵۳)

ترجمہ: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے جسم کی خوشبو کو مشک و عنبر سے زیادہ عمدہ پایا۔

حدیث: حضرت ابو جُحَیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت وادئ بطحا کی طرف نکلے۔ وضو کر کے ظہر کی دو رکعت ادا فرمائی (کیوں کہ مسافر تھے) پھر عصر کی دو رکعت ادا فرمائی۔ سامنے نیزے کا سترہ نصب کیا ہوا تھا اور گزرنے والے اس کے پیچھے سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے دونوں ہاتھوں کو لے کر اپنے چہروں پر ملنا شروع کیا۔ حضرت ابو جُحَیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ لے کر اپنے چہرے پہ رکھا تو وہ برف سے زیادہ (آرام دہ) ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبودار تھا۔ (بخاری کتاب المناقب حدیث: ۳۵۵۳)

حدیث: حضرت جابر بن سَمُرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی نماز (فجر) پڑھی پھر حضور گھر کی طرف نکلے اور میں آپ کے ساتھ نکلا۔ آپ کے سامنے کچھ بچے آگئے۔ آپ نے پیار و شفقت سے ہر ایک کے رخسار پر ہاتھ رکھا۔ میرے رخسار پر بھی آپ نے ہاتھ رکھا تو میں نے اس میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا آپ کا ہاتھ کسی عطر فروش کے عطر کی ڈبیا سے نکلا ہو۔ (صحیح مسلم: فضائل حدیث: ۶۰۵۲)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے جسم کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ و عمدہ خوشبو نہیں پائی۔ (سنن دارمی حدیث: ۶۲)

نبی اکرم ﷺ کے تکوینی اختیارات

عقیدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عالم میں تصرف کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ آپ نے ڈوبے ہوئے سورج کو پلٹایا۔ انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے۔ کھجور کی ایک شاخ کو شمشیرِ بے نیام بنادیا۔ انگلی کی گھائیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمائے۔ اس طرح کے غیر معمولی تصرفات واختیارات کے بے شمار واقعات ومعجزات آپ سے صادر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ آیت: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (المنافقون: ۸)

ترجمہ: عزت (غلبہ) اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے ہے۔ لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔

آیت کریمہ میں لفظ ''اَلْعِزَّةُ'' کا معنی ہے غلبہ۔ تو آیت کریمہ کا معنی یہ ہوا۔ اللہ کے لئے غلبہ ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت، تمام مخلوق کی قدرت پر غالب ہے۔ رسول کی قدرت، اللہ کی عطا سے پوری کائنات کی قدرت پر غالب ہے۔ کامل مومنوں کی قوت، انبیاء کے سوا دوسرے عام مومنوں اور کافروں کی قوت پر غالب ہے۔ ''اَلْعِزَّةُ'' سے لفظ ''عزیز'' بنا ہے۔ عزیز کا معنی ہے غالب وقوی۔ مفرداتِ امام راغب میں ہے: اَلْعَزِيْزُ الَّذِىْ يَقْهَرُ وَلَا يُقْهَرُ۔ جس کی قوت کے مقابلے میں دوسروں کی قوت مغلوب ہو، وہ عزیز ہے۔ آیتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کو تمام مخلوق کے مقابلے میں غیر معمولی وغالب قدرت حاصل ہے۔ آپ کی قدرت ساری مخلوق کی قدرت پر بھاری ہے۔ کیوں کہ آپ ساری مخلوق سے ارفع واعلیٰ واکمل ہیں۔ اگر آپ کے مقابلے میں کسی بھی مخلوق کی قوت کو زیادہ مانا جائے تو آپ کا ناقص وکمتر ہونا لازم آئے گا۔ لہٰذا لازمی طور پر ماننا ہوگا کہ آیت کریمہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے لئے جو قدرت وغلبہ ثابت کیا گیا ہے وہ تمام مخلوق کی قدرت وغلبہ سے زیادہ بلند وبرتر اور

کامل ہے۔ چنانچہ اسی خداداد غیر معمولی قدرت وطاقت کی بنیاد پر آپ سے کائنات میں ایسے ایسے غیر معمولی واقعات صادر ہوئے جو کسی بھی غیرِ نبی سے نبی کے واسطے کے بغیر صادر ہونا عادۃً محال وناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عزت اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے۔ لیکن دیوبندیوں، وہابیوں کے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی کہتے ہیں۔ "یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق چھوٹا ہو (عام مومنین) یا بڑا (انبیاء واولیاء) وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۳ اراشد کمپنی دیوبند۔)

آیت: اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ. (الکوثر: ۱) ترجمہ: یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔

مفرداتِ امام راغب میں ہے:

قِیْلَ ھُوَ نَھْرٌ فِی الْجَنَّۃِ یَتَشَعَّبُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ وَقِیْلَ بَلْ ھُوَ الْخَیْرُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اَعْطَاہُ النَّبِیُّ ﷺ.

ترجمہ: کوثر جنت کی وہ نہر ہے جس سے دوسری نہریں نکلتی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد خیرِ عظیم ہے جو اللہ نے نبی ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

آپ ﷺ کے جملہ معجزات وتصرفات واختیارات بھی "کوثر" (خیر کثیر) کے تحت داخل ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے سننے اور دیکھنے کی بے مثال قوت

حدیث: صحیح بخاری کتاب الفتن میں حضرت اسامہ ابن زید ﷺ سے مروی ہے:

"اَشْرَفَ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی اُطُمٍ مِنْ اٰطَامِ الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ ھَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰی؟ قَالُوْا لَا، قَالَ فَاِنِّیْ لَاَرَی الْفِتَنَ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْقَطْرِ. (بخاری حدیث: ۷۰۶۰)

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے ایک قلعہ پر چڑھ کر فرمایا: کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برس رہے ہیں جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے آنے والے زمانے میں رونما ہونے والے فتنوں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا اور بیان فرمایا: یہ آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی و بے مثال قوت

بصارت کی واضح دلیل ہے۔

حدیث: جامع ترمذی کتاب الزہد میں حضرت ابوذر ﷜ کی یہ روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ اَرٰی مَالَاتَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَاتَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقٌّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ لِلّٰهِ سَاجِداً وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَااَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْراً وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰهِ. (جامع ترمذی حدیث: ۲۳۱۲ ابن ماجہ حدیث ۴۱۹۰، باب الحزن والبکاء مسند احمد حدیث: ۲۱۰۰۶ جلد ۶ ص ۲۱۹، مستدرک حاکم کتاب التفسیر حدیث: ۳۸۸۳، الترغیب والترہیب کتاب الطہارۃ حدیث: ۲۶۴، دلائل النبوہ ۲۵۸، کنزالعمال جلد ۱۰ حدیث: ۲۹۸۱۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ چیز سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچرایا اور اس کا چرچرانا حق ہے، آسمان میں چار انگلیوں کے برابر کوئی جگہ ایسی نہیں، جس میں کوئی فرشتہ اللہ کے لئے سجدہ ریز نہ ہو۔ بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں سے لذت نہ اٹھاتے اور تم صحراؤں میں نکل پڑتے اور اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے رہتے۔

فائدہ :اس حدیث میں آپ کی غیر معمولی قوتِ سماعت وبصارت کا ذکر ہے کہ عام بندے جو چیز نہیں دیکھتے نبی ﷺ وہ چیز دیکھتے ہیں اور عام طور پر جو چیز نہیں سنی جاتی اُسے نبی ﷺ سن لیتے ہیں۔

اسی حدیث میں ہے کہ آسمان کی چرچراہٹ بھی نبی ﷺ نے سن لی، جسے عام انسان نہیں سنتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول غیر معمولی دور کی بھی آواز سنتے ہیں۔ لیکن دیوبندیوں، وہابیوں کے پیشوا کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ دور کی آواز نہیں سن سکتے، اس لئے دور سے آپ کو یارسول اللہ نہ پکارو۔ (تقویۃ الایمان)

اب قارئین فیصلہ کریں کہ سارے جہاں کے آقا ومولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی یا دیوبندیوں، وہابیوں کے پیشواؤں کی؟۔

رسول اکرم ﷺ کا پردے کے پیچھے دیکھنا

حدیث: صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَیَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ وَاِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ. (صحیح بخاری حدیث: ۴۱۸، ۷۴۱، ۴۱۹، ۷۴۲، ۶۶۴۴)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا رُخ یہاں (سامنے) ہے؟ واللہ مجھ پر تمہارا خشوع (عاجزی) اور تمہارا رکوع چھپا ہوا نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ امت کے رکوع کو بھی دیکھتے ہیں اور خشوع و عاجزی جو دل کی کیفیت ہے، اس کو بھی دیکھتے ہیں۔ یعنی پردے کے پیچھے کی محسوس چیزوں کو بھی دیکھتے ہیں اور دلوں کی کیفیات جو دوسروں سے پوشیدہ رہتی ہیں، انہیں بھی دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ نبی پاک کے دیکھنے کے لئے کسی چیز کا سامنے اور قریب ہونا ضروری نہیں۔ اور یہ صرف حالت نماز کے ساتھ خاص نہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے اور حضرت بقی بن مخلد سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ تاریکی میں ویسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ روشنی میں دیکھتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۶، مکتبہ زکریا سہارنپور، فتح الباری ج ۱ ص ۶۴۶ مکتبہ شیخ الہند دیوبند)

اللہ کے رسول ﷺ تو یہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں، لیکن دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیشوا یہ کہتے ہیں کہ نبی کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ کس کی بات مانی جائے گی، فیصلہ آپ کے ایمانی ضمیر کے حوالے کرتا ہوں۔

اللہ نے نبی کریم ﷺ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی ہیں

صحیح بخاری شریف کتاب المغازی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی

پاک ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ فَرَطٌ، وَاَنَا عَلَیْکُمْ شَهِیْدٌ وَاِنَّ مَوْعِدَکُمْ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْهِ مِنْ مَقَامِیْ هٰذَا. وَاِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا وَلٰکِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اَنْ تَنَافَسُوْهَا. (صحیح بخاری حدیث:۴۰۴۲) (وفی حدیث:۱۳۴۴، و۳۵۹۶، ۱۰۸۵،

"وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ".

ترجمہ: بیشک میں تمہارا پیش رو (آگے چلنے والا) اور تم پر گواہ ہوں۔ بے شک تم سے حوض پر ملنے کا میرا وعدہ ہے، اللہ کی قسم میں اس (حوض کوثر) کو اِسی جگہ دیکھ رہا ہوں۔ بخاری حدیث نمبر ۱۳۴۴ میں ہے: اور بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اللہ کی قسم مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے اندیشہ یہ ہے کہ تم دنیا میں ڈوب جاؤ گے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا الْخَمْسَ (اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ)(لقمان: ۳۴)

(کنزالعمال کتاب الفضائل حدیث:۳۱۹۹۶)

ترجمہ: مجھے تمام چیزوں کی کنجیاں دی گئی ہیں سوائے پانچ کے۔ بے شک اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے۔

فائدہ: حدیث پاک کا پہلا جز صاف بتا رہا ہے کہ اللہ نے آپ کو بااختیار بنایا اور ہر چیز کی کنجی آپ کے ہاتھ میں دے دی جسے جو چاہیں عطا فرمائیں اور دوسرا جز یہ بتاتا ہے کہ مغیبات خمسہ (پانچ غیبوں) کی کنجی اللہ نے عطا نہیں فرمائی۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ نے نبی پاک ﷺ کو مغیبات خمسہ کا علم نہیں دیا۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیگر علوم کی طرح ان کا علم تفصیلی نہیں دیا اور انہیں دیگر امور غیب وخزائن الٰہی کی طرح کھولنے اور عام کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس پر مکمل بحث علم غیب کے بیان میں ہے۔ وہاں دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کونین کا شہنشاہ بنایا

حدیث: ترمذی شریف کتاب المناقب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ نَبِیٍ اِلَّا لَہٗ وَزِیْرَان مِن اَھْلِ السَّمَاءِ و وَزِیرَان مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَ زِیرایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَ مِیْکَائِیلُ وَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَابُوبَکْرٍ وَ عُمَرُ. (ترمذی شریف ،حدیث: ۳۶۸۰)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں

بخاری شریف کتاب الاکراہ، میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا:

بَیْنَمَا نَحْنُ فِیْ الْمَسْجِدِ اِذْخَرَجَ عَلَیْنَارَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اِنطَلِقُوْا اِلٰی یَھُوْدِ فَخَرَجْنَامَعَہٗ حَتّٰی جِئْنَا بَیْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَنَادَاھُمْ یَامَعْشَرَ یَھُوْدِاَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اِنِّی اُرِیْدُ عَنْ اُجْلِیَکُمْ مِنْ ھٰذِہِ الْاَرْضِ فَمَنْ یَجِدْ مِنْکُمْ بِمَالِہٖ شَیْئًا فَلْیَبِعْہُ وَاِلَّا فَاعْلَمُوْااَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ.

(صحیح بخاری حدیث: ۶۹۴۴،۳۱۶۷،۳۳۴۸)

ترجمہ: ہم (حضرت ابوہریرہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم) مسجد میں تھے نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ یہودیوں کے پاس چلو۔ ہم نکلے، یہاں تک کہ جب بیت المِدْراس (ایک خاص جگہ) پہنچے تو حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر بلند آواز سے یہودیوں سے فرمایا: تم اسلام لاؤ، سلامتی پاجاؤ گے اور جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس زمین سے بھگادوں۔ جو شخص اپنے مال سے کچھ پائے تو اُسے بیچ ڈالے، ورنہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔

اللہ عزوجل عطا فرمانے والا ہے اور نبی پاک ﷺ بانٹنے والے ہیں

بخاری شریف کتاب العلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''اللہ تعالیٰ جسے بھلائی دینا چاہتا ہے اسے دین کی صحیح سمجھ عطا فرماتا ہے:
وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ۔ میں بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔(صحیح بخاری حدیث: ۷۱، ۳۱۱۶، ۳۶۴۱، ۷۳۱۲)
حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اَنَا اَبُوْالْقَاسِمِ. اَللّٰهُ يُعْطِىْ وَاَنَا اَقْسِمُ. (کنزالعمال، کتاب الفضائل حدیث: ۳۱۸۷۳)
ترجمہ: میں ابوالقاسم ہوں۔ اللہ عطا فرماتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔

فائدہ: حدیث مذکور کو امام بخاری نے کتاب العلم کے علاوہ، کتاب فرض الخمس میں ذکر کیا ہے، اس میں ہے: اِنَّمَا اَنَاقَاسِمٌ وَخَازِنٌ. (بے شک میں قاسم وخازن ہوں) اور کتاب الادب، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنّہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کو صرف علم کے ساتھ خاص کرنا اور یہ کہنا کہ نبی ﷺ صرف علم شریعت کے قاسم ہیں اور اللہ کی دیگر نعمتوں کے قاسم نہیں، جہالت کی بات ہے۔ حق یہ ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ کی تمام نعمتیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی سب امت کو نبی رحمت ﷺ کے واسطے سے حاصل ہوئیں۔

ایک اہل حدیث مولوی کی گستاخی

میں نے ایک اہل حدیث مولوی کی لکھی ہوئی ایک کتاب (مراءۃ النساء) میں یہ پڑھا:
''کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے اور نبی بانٹتے ہیں، ان کے کہنے کے مطابق اللہ نے اپنے نبی کو رزق کا سارا خزانہ دے دیا ہے اور نبی نے وہ سارا خزانہ امریکہ کو دے دیا ہے اور مسلمانوں کو کنگال بنا کر رکھ دیا ہے۔''

اہل حدیث مولوی کی یہ گستاخی اس لئے لائق تعجب نہیں کہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں بھی گستاخی کی ہے تو نبی کی شان میں ان اس جرأت کا کیا شکوہ کیا جائے؟ ان کے نزدیک تو معاذ اللہ ،اللہ جھوٹ بول سکتا ہے اور ہر قسم کی برائی کر سکتا ہے۔ یہاں پر بھی مولوی صاحب نے گستاخی کی جو بات لکھی ہے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔ کیوں کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ میں خود سے کسی کو کچھ نہیں دیتا بلکہ اللہ جسے جو کچھ دینے کا حکم دیتا ہے میں اسے دیتا ہوں تو مولوی صاحب یہ بتائیں کہ نبی تو صرف تقسیم فرمانے والے ہیں اور وہ بھی اللہ کے حکم سے۔ دینے والا تو اللہ ہے۔ تو مولوی صاحب کی یہ بات تو اللہ تعالیٰ پر آ گئی کہ اس نے معاذ اللہ مسلمانوں کو کنگال بنا دیا ہے اور اپنے رزق کا سارا خزانہ امریکہ کو انڈیل دیا ہے۔

یہ حق ہے کہ جو شخص نبی کی گستاخی کرتا ہے وہ در حقیقت اللہ کا گستاخ ہوتا ہے۔ کیوں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو اذیت دی، اسے ناراض کیا۔

نبی پاک ﷺ نے انگلیوں سے پانی کے چشمے بہائے

حدیث: عَنْ اَنَس ﷛ قَالَ: اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِاِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ یَدَهُ فِی الْاِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَاءُ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ، قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لِاَنَسٍ كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ ثَلَاثَ مِائَةٍ اَوْ زُهَاءَ ثَلَاثِمِائَةٍ. (صحیح بخاری حدیث : ۳۵۷۲، کتاب المناقب)

ترجمہ: حضرت انس ﷛ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ مقام زوراء میں تھے۔ آپ کے پاس ایک برتن لایا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا تو آپ کی انگلیوں کی گھائیوں سے پانی چشمے کی طرح بہنے لگا۔ پوری جماعت نے وضو کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ﷛ سے پوچھا: اس موقع پر آپ لوگ کتنی تعداد میں تھے؟ تو حضرت انس ﷛ نے فرمایا کہ تین سو یا تین سو سے زیادہ تھے۔

حدیث: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ﷛ قَالَ: عَطِشَ النَّاسُ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَةِ وَالنَّبِیُّ ﷺ بَیْنَ یَدَیْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ، جَهَشَ النَّاسُ نَحْوَهُ فَقَالَ : مَالَكُمْ؟ قَالُوْا: لَیْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ وَلَا

نَشْرَبُ اِلَّا مَا بَیْنَ یَدَیْکَ، فَوَضَعَ یَدَهُ فِی الرَّکْوَةِ فَجَعَلَ الْمَآءُ یَثُوْرُ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ کَاَمْثَالِ الْعُیُوْنِ ،فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّاْنَا، قُلْتُ : کَمْ کُنْتُمْ قَالَ: لَوْ کُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَکَفَانَا، کُنَّا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةً . (صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث:۳۵۷۶)

ترجمہ: حضرت جابر ابن عبداللہ ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ صلح حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور نبی ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا۔آپ نے وضو فرمایا۔لوگ رونے کی سی صورت لئے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔آپ نے پوچھا: کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا ہمارے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے لئے۔بس وہی ہے جو سامنے برتن ہے۔رسول پاک ﷺ نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیوں کی گھائیوں سے اس طرح پانی بہنے لگا جیسے چشمے بہتے ہیں۔اس سے ہم نے پیا اور وضو کیا۔سالم بن ابی الجعد نے کہا کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ اس وقت آپ لوگ کتنے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی کافی ہوتا، لیکن ہم پندرہ سو تھے۔

نبی پاک ﷺ نے پانی کو دودھ اور پنیر کر دیا

حدیث:عَنْ سَالِمِ ابْنِ الْجَعَدِ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلَیْنِ فِیْ بَعْضِ اَمْرِهٖ فَقَالَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَامَعَنَامَانَتَزَوَّدُهُ فَقَالَ اِبْتَغِیَالِیْ سِقَاءً فَجَاءَ اهُ بِسِقَاءٍ قَالَا فَاَمَرَنَا فَمَلَاْنَاهُ مَاءً ثُمَّ اَوْکَاهُ وَقَالَ: اِذْهَبَاحَتّٰی تَبْلُغَامَکَانَ کَذَا وَکَذَا فَاِنَّ اللّٰهَ سَیَرْزُقُکُمَا فَانْطَلَقَاحَتّٰی اَتَیَاذٰلِکَ الْمَکَانَ الَّذِیْ اَمَرَهُمَابِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَانْحَلَّ سِقَاءُ هُمَا فَاِذَا لَبَنٌ وَزُبْدٌ فَاَکَلَا حَتّٰی شَبِعَا. (طبقات ابن سعد ۱/۱/۱۴۲/ سبل الهدیٰ والرشاد ۱۰/۸)

ترجمہ: حضرت سالم بن ابی الجعد سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی کام سے دو آدمیوں کو بھیجا۔دونوں نے کہا۔یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ کھانے' پینے کا سامان نہیں۔آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک مشکیزہ لاؤ۔دونوں ایک مشکیزہ لے آئے۔حضور ﷺ نے اس میں پانی بھرنے کا حکم دیا۔دونوں نے اس میں پانی بھر دیا، پھر رسول پاک ﷺ نے

اس کا منہ باندھ دیا اور فرمایا: جاؤ، جب تم فلاں مقام پر پہنچو گے تو اللہ عزوجل اس میں سے تم کو کھانے کے لئے دے گا۔ دونوں آدمی جب اس مقام پہ پہنچے جس کی نشاندہی حضور ﷺ نے فرمائی تھی اور مشکیزہ کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں دودھ اور پنیر تھا۔ دونوں نے سیر ہو کر کھایا۔

ایک کھجور کی شاخ کو نبی ﷺ نے تیز تلوار بنادی

حدیث: رَوَی عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجُرَشِیِّ قَالَ اَخْبَرَنَا اَشْیَاخُنَا اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بِنَ جَحْشٍ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَقَدْ ذَھَبَ سَیْفُہٗ فَاَعْطَاہُ النَّبِیُّ ﷺ. عَسِیْبًا مِنْ نَخْلٍ فَرَجَعَ فِیْ یَدِ عَبْدِ اللّٰہِ سَیْفاً. (سبل الھدیٰ والرشاد ۱۰/۹)

ترجمہ: عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے عبدالرحمٰن الجرشی سے روایت کی۔ عبدالرحمٰن الجرشی نے کہا کہ ہمیں ہمارے مشائخ نے خبر دی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ ان کے پاس تلوار نہیں تھی، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی۔ وہ شاخ حضرت عبداللہ کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔

نبی پاک ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کئے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ اَھْلَ مَکَّۃَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یُّرِیَھُمْ اٰیَۃً فَاَرَاھُمُ الْقَمَرَ شِقَّیْنِ. حَتّٰی رَاَوْا حِرَاءَ بَیْنَھُمَا. (صحیح بخاری حدیث: ۳۸۶۸)

ترجمہ: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مکہ والوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے آپ کی نبوت و رسالت پر کوئی دلیل مانگی تو آپ نے انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حراء پہاڑ کو دونوں کے بیچ میں دیکھا۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں

حدیث: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ سے نبی کریم ﷺ سے بیان فرمایا:
اِنِّیْ کُنْتُ اُحَدِّثُہٗ وَیُحَدِّثُنِیْ وَیُلْھِیْنِیْ عَنِ الْبُکَاءِ وَاَسْمَعُ وَجْبَتَہٗ حِیْنَ یَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ قَالَ: قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ دَعَانِیْ اِلَی الدُّخُوْلِ فِیْ دِیْنِکَ اَمَارَۃُ لِنُبُوَّتِکَ، رَاَیْتُکَ فِی الْمَھْدِ تُنَاغِی الْقَمَرَ وَتُشِیْرُ اِلَیْہِ بِاِصْبَعِکَ، فَحَیْثُ اَشَرْتَ اِلَیْہِ مَالَ. (کنز العمال کتاب الفضائل حدیث: ۳۱۸۲۵، المواھب اللدنیہ مع شرح الزرقانی جلد ۷، ص ۱۹۰ بحوالہ بیہقی، خطیب، ابن عساکر)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: میں چاند سے ہم کلام ہوتا تھا۔ میں روتا تو وہ مجھے بہلاتا تھا۔ جب وہ عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوتا تھا تو میں اس کے سجدے کی آہٹ سنتا تھا۔ حضرت عباس ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرا آپ کے دین میں داخل ہونے کا سبب آپ کی نبوت کی وہ علامت بنی جو میں نے آپ کے بچپن میں دیکھی۔ آپ جھولے میں ہوتے تو چاند آپ کو بہلایا کرتا تھا۔ جس طرف آپ کا اشارہ ہوتا تھا، چاند ادھر ہی جھک جایا کرتا تھا۔

اللہ کے نبی ﷺ کی حیات بخشی کا بے مثال واقعہ

حدیث: عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: اَتٰی جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَرَاٰی وَجْھَہٗ مُتَغَیِّرًا فَرَجَعَ اِلَی امْرَاَتِہٖ فَقَالَ: قَدْرَاَیْتُ وَجْہَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مُتَغَیِّرًا وَمَا اَحْسَبُہٗ اِلَّا مُتَغَیِّرًا مِنَ الْجُوْعِ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ السَّابِقَ فِیْ بَابِ تَکْثِیْرِہٖ ﷺ الْاَطْعِمَۃَ وَزَادَ فَقَالَ: فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: کُلُوْا وَلَاتَکْسِرُوْا عَظْمًا ثُمَّ جَمَعَ الْعِظَامَ فِیْ وَسْطِ الْجَفْنَۃِ فَوَضَعَ یَدَہٗ عَلَیْھَا ثُمَّ تَکَلَّمَ بِکَلَامٍ لَمْ اَسْمَعْہُ فَاِذَا الشَّاۃُ قَدْ قَامَتْ تَنْفُضُ اُذُنَیْھَا فَقَالَ: خُذْ شَاتَکَ یَاجَابِرُ بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ قَالَ: فَاَخَذْتُھَا وَمَضَیْتُ وَاِنَّھَا لَتُنَازِعُنِیْ

اُذُنُهَا حَتّٰی اَتَیْتُ الْمَنْزِلَ: فَقَالَتِ الْمَرْاَةُ مَاهٰذَا یَاجَابِرُ؟ فَقُلْتُ: هٰذِهٖ شَاتُنَا الَّتِیْ ذَبَحْنَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ دَعَااللّٰهَ تَعَالٰی فَاَحْیَاهَالَنَافَقَالَتْ: اَشْهَدُاَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. (سبل الهدیٰ ۱۰/۱۴۲ بحواله ابونعیم ودلائل النبوة لابن کثیر ص ۱۲۱)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت جابر ابن عبداللہ ﷺ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ کا چہرہ انور بدلا ہوا پایا تو اپنی بیوی کے پاس واپس جا کر بولے: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک بدلا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ صرف بھوک کی وجہ سے ہے۔ (ابونعیم نے اس سے پہلے وہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضور کے لئے کھانا تیار کروایا گیا اور کھانا آپ کی برکت سے کافی زیادہ ہوا۔) اس واقعہ میں مزید یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم سب کھاؤ اور گوشت کی ہڈیوں کو نہ توڑو۔ پھر آپ نے ہڈیوں کو ایک بڑے برتن میں جمع کروایا اور اس میں ہاتھ رکھ کر کچھ کلمات کہے، جو میں نہ سن سکا۔ اسی وقت دیکھا کہ بکری کان جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے جابر! اپنی بکری لے جاؤ۔ اللہ تجھے برکت دے۔ حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بکری لے کر واپس ہوا۔ بکری میرے جسم میں اپنا کان مَل رہی تھی۔ میں گھر آیا تو بیوی نے کہا: یہ کیا ہے جابر؟ میں نے کہا یہ وہی بکری ہے، جو ہم نے اللہ کے رسول کے لئے ذبح کی تھی۔ آپ کی دعا سے اللہ نے اسے زندہ کر دیا۔ آپ کی بیوی نے کہا: میں گواہی دیتی ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

حدیث: وَرَوٰی اَبُوْنُعَیْمٍ عَنْ ضَمْرَةَ قَالَ: کَانَ لِرَجُلٍ غَنَمٌ وَکَانَ لَهٗ ابْنٌ یَاتِیَ النَّبِیَّ ﷺ بِقَدْحٍ مِنْ لَبَنٍ اِذَاحَلَبَ ثُمَّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِفْتَقَدَهٗ فَجَاءَ اَبُوْهُ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّ ابْنَهٗ هَلَکَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ "اَتُرِیْدُ اَنْ اَدْعُوَ اللّٰهَ تعالی اَنْ یَنْشُرَهٗ لَکَ اَوْ تَصْبِرَ، فَیُؤَخِّرَهٗ لَکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَیَاتِیَکَ فَیَاخُذ بِیَدِکَ فَیَنْطَلِقَ بِکَ اِلَی الْجَنَّةِ فَتَدْخُلَ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتَ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ مَنْ لِیْ بِذَالِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ هُوَ لَکَ وَلِکُلِّ مُؤْمِنٍ. (سبل الهدیٰ والرشاد ۱۰/۱۵)

ترجمہ: محدث ابونعیم نے ضمرہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کی ایک بکری تھی۔ جب

بھی اس کو دوہتا تھا تو اس کا بیٹا ایک پیالا دودھ لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ ایک بار حضور نے اس بچے کو نہیں پایا تو اس کو تلاش کروایا۔ اس کے باپ نے حضور کو آ کر خبر دی کہ اس لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں اللہ سے دعا کروں، وہ تیرے بیٹے کو زندہ کر دے گا، یا صبر کرتا کہ قیامت کے دن وہ تیرے سامنے آئے اور تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے جنت کی طرف لے جائے اور تو جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ اس آدمی نے کہا یا رسول اللہ! میرے لئے اس سے بہتر اور کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: پھر تو یہ تیرے لئے ہے اور ہر مومن کیلئے ہے۔ (یعنی جو مومن صبر کرے اس کے لئے جنت ہے)۔

فائدہ: حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ اگر شخص مذکور چاہتا کہ اس کے بیٹے کو زندہ کیا جائے اور نبی پاک ﷺ سے وہ درخواست کرتا تو آپ دعا کر کے اس کے بیٹے کو زندہ کر دیتے۔ اس سے بھی اللہ کی بارگاہ میں آپ کے مرتبہ اور اللہ کے عطا کردہ بے مثال اختیار و تصرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک اور ایمان افروز واقعہ

امام ابن کثیر نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل میں إِحْيَــاءُ الْـمَـوْتٰـی (مردوں کو زندہ کرنا) کو بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس عنوان کے تحت ابن ابی الدنیا اور بیہقی کے حوالے سے متعدد سندوں کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے:

كُنَّا فِي الصُّفَّةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ مُهَاجِرَةٌ وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا قَدْ بَلَغَ فَأَضَافَ الْمَرْأَةَ إِلَى النِّسَاءِ، وَأَضَافَ ابْنَهَا إِلَيْنَا، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ أَصَابَهُ وَبَاءُ الْمَدِيْنَةِ فَمَرِضَ أَيَّامًا، فَقُبِضَ، فَغَمَّضَهُ النَّبِيُّ ﷺ وَأَمَرَ بِجِهَازِهِ، فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَغْسِلَهُ قَالَ: يَا أَنَسُ! ائْتِ أُمَّهُ فَأَعْلِمْهَا فَأَعْلَمْتُهَا، قَالَ: فَجَاءَتْ حَتّٰى جَلَسَتْ عِنْدَ قَدَمَيْهِ فَأَخَذَتْ بِهِمَا ثُمَّ قَالَتْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْلَمْتُ لَكَ طَوْعًا وَخَالَفْتُ الْأَوْثَانَ زُهْدًا وَهَاجَرْتُ لَكَ رَغْبَةً، اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِيْ عَبَدَةَ الْأَوْثَانِ وَلَا تُحَمِّلْنِيْ مِنْ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةِ مَا لَا طَاقَةَ لِيْ بِحَمْلِهَا،

قَالَ: فَوَاللّٰہِ مَا انْقَضٰی کَلَامُھَا حَتّٰی حَرَّکَ قَدَمَیْہِ وَاَلْقَی الثَّوْبَ عَنْ وَجْھِہٖ وَعَاشَ حَتّٰی قَبَضَ اللّٰہُ رَسُوْلَہٗ وَحَتّٰی ھَلَکَتْ اُمُّہٗ. (دلائل النبوہ لابن کثیر ص ۲۴۶)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ کا بیان ہے کہ ہم مسجد نبوی کے چبوترے پہ، رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ ایک عورت ہجرت کر کے آئی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک بالغ لڑکا تھا۔ وہ عورت، عورتوں کے پاس چلی گئی اور اس کا بیٹا ہمارے پاس رہا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ لڑکا مدینہ کے وبائی مرض میں مبتلا ہو گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد اس کی وفات ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی آنکھیں بند کیں اور اس کے کفن دفن کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ جب ہم نے اسے غسل دینے کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے انس! جا کر اس کی ماں کو خبر دو۔ میں نے اس کی ماں کو خبر دی تو وہ آئی اور حضور ﷺ کے قدموں کے پاس بیٹھ گئی اور یہ کہنے لگی: اے اللہ! میں نے خوشی خوشی تجھے مانا ہے اور نفرت سے بتوں کی مخالفت کی ہے۔ رغبت کے ساتھ تیری رضا کے لئے ہجرت کی ہے، اے اللہ! تو مجھ پر مشرکین کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈال، میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ابھی اس عورت کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ اس کے بیٹے کے قدموں کو حرکت ہوئی اور اس نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ وہ زندہ ہو گیا۔ پھر وہ حضور ﷺ اور اپنی ماں کی وفات تک زندہ رہا۔

نبی اکرم ﷺ نے دستِ شفا پھیر کر بیماری دور فرما دی

حدیث: عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ ﷺ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ یَوْمَ خَیْبَرَ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ رَجُلاً یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ فَقَامُوْا یَرْجُوْنَ لِذَالِکَ اَیُّھُمْ یُعْطٰی فَغَدَوْا وَکُلُّھُمْ یَرْجُوْ اَنْ یُعْطٰی فَقَالَ اَیْنَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ؟ فَقِیْلَ یَشْتَکِیْ عَیْنَیْہِ فَاَمَرَ فَدُعِیَ لَہٗ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ عَیْنَیْہِ فَبَرَاَ مَکَانَہٗ حَتّٰی کَاَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ بِہٖ شَیْءٌ. (صحیح بخاری حدیث: ۲۹۴۲)

ترجمہ: حضرت سہل ابن سعد ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو خیبر کے

روز فرماتے ہوئے سنا: میں (کل) ضرور جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائے گا۔ سب نے اس سوچ بچار میں رات گزاری کہ جھنڈا کسے دیا جائے گا؟ صبح کو ہر ایک کی یہ تمنا تھی کہ جھنڈا اسے ملے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ علی ابن ابو طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ پھر بھی حضور ﷺ کے حکم کے مطابق انہیں آپ کی خدمت میں بلایا گیا۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا تو اسی وقت ان کی بیماری دور ہوگئی، گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔

حدیث: رَوَی ابْنُ اَبِیْ شِیْبَۃَ وَالْبَیْهَقِیُّ وَاَبُوْنُعَیْمٍ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ فُدَیْکٍ اَنَّ اَبَاهُ خَرَجَ بِهٖ اِلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَعَیْنَاهُ مُبْیَضَّتَانِ لَایَبْصُرُ بِهِمَا شَیْئًا فَسَاَلَهٗ مَا اَصَابَکَ ؟ فَقَالَ وَقَعَتْ رِجْلِیْ عَلٰی بَیْضَةِ حَیَّةٍ فَاُصِیْبَ بَصَرِیْ، فَنَفَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ عَیْنَیْهِ فَاَبْصَرَ فَرَاَیْتُهٗ وَهُوَ یُدْخِلُ الْخَیْطَ فِی الْاِبْرَةِ وَاِنَّهٗ لَابْنُ ثَمَانِیْنَ سَنَةً وَاِنَّ عَیْنَیْهِ لَمُبْیَضَّتَانِ.

(سبل الهدی ۱۰/ ۱۷ بحواله البیهقی فی الدلائل ۳/ ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبه کتاب الفضائل حدیث: ۱۶۶، دارالفکر بیروت ۲۰۰۸ء)

ترجمہ: محدث ابن ابوشیبہ اور بیہقی اور ابونعیم نے حبیب بن فدیک سے روایت کی ہے کہ ان کے والد فدیک انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حبیب کی دونوں آنکھیں سفید، بے نور ہوگئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تجھے کیا مصیبت لاحق ہوگئی؟ انہوں نے کہا کہ میرا پیر کسی سانپ کے انڈے پر گر گیا تھا، جس سے میری بینائی ختم ہوگئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا تھوک مبارک لگایا تو ان کی بینائی واپس آگئی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حبیب کو دیکھا ہے ان کی آنکھیں بظاہر سفید تھیں لیکن ان کی بینائی کا یہ عالم تھا کہ ان کی عمر ۸۰ سال کی ہوچکی تھی پھر بھی وہ سوئی میں دھاگا ڈال دیا کرتے تھے۔

حدیث: حضرت حنظلہ بن جذیم ﷺ کے سر پر نبی پاک ﷺ نے ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی۔ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ "یا بُوْرِکَ فِیْکَ" اللہ تجھ میں برکت دے، یا، تجھے برکت ملے۔ حضرت حنظلہ کے سر پر نبی پاک ﷺ کے ہاتھ رکھنے اور دعا کرنے کی یہ برکت ہوئی کہ حضرت حنظلہ کے پاس کسی ایسے آدمی کو لایا جاتا تھا جس کے چہرے میں سوجن ہوتی تھی یا ایسے جانور کو لایا جاتا تھا جس کا

تھن سوجا ہوا ہوتا تھا تو آپ بسم اللہ کہہ کر اپنے ہاتھ پر دم کر کے ہاتھ کو اپنے سر کے اس حصے پر رکھ تے جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ رکھا تھا، پھر مریض کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کی بیماری (سوجن) دور ہو جاتی تھی۔ حدیث کے راوی حضرت حنظلہ کے پوتے ذیال بیان فرماتے ہیں:

فَلَقَدْ رَأَيْتُ حَنْظَلَةَ يُؤتیٰ بِالْاِنْسَانِ الْوَارِمِ وَجْهُهُ اَوِالْبَهِيْمَةُ الْوَارِمَةُ الضَّرْعِ فَيَتْفُلُ عَلٰى يَدَيْهِ وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ، وَيَضَعُ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِهِ عَلٰى مَوْضِعِ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَيَمْسَحُهُ عَلَيْهِ قَالَ : ذَيَّال فَيَذْهَبُ الْوَرَمُ. (مسند احمد جلد ۶ ص ۶۲ حدیث: ۲۰۱۴۲)

نبی پاک ﷺ کا حکم درختوں پر بھی چلتا تھا

حدیث: قَالَ جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ :سِرْنَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى نَزَلْنَاوَادِيًاأَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْضِیْ حَاجَتَهُ، فَاتَّبَعْتُهُ بِإِدَاوَةٍ مِنْ مَاءٍ، فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَرَشَيْئًايَسْتَتِرُ بِهِ ، وَإِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِیِٔ الْوَادِیْ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى إِحْدَاهُمَا فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ "اِنْقَادِیْ عَلَیَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ" فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَالْبَعِيْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِیْ يُصَانِعُ قَائِدَهُ،حَتّٰى أَتَى الشَّجَرَةَ الْأُخْرٰى، فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا، فَقَالَ :"انْقَادِیْ عَلَیَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ "فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَذَالِكَ، حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّابَيْنَهُمَا، لَامَ بَيْنَهُمَا يَعْنِیْ جَمَعَهُمَا ،فَقَالَ :اِلْتَئِمَا عَلَیَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ" فَالْتَأَمَتَا، قَالَ جَابِرٌ (اِلٰى اَنْ قَالَ)وَإِذَاالشَّجَرَتَانِ قَدِافْتَرَقَتَافَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَاعَلٰى سَاقٍ. (الی آخری الحدیث)(صحیح مسلم الزھد،حدیث ۷۵۱۸)

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم ایک کشادہ میدان میں ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے لئے جانے لگے تو میں آپ کے پیچھے پانی کا لوٹا لے کر چلا۔ رسول اللہ ﷺ نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو پردہ کے لئے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ وادی کے کنارے دو درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے پاس پہنچے۔ اس کی ایک ٹہنی توڑ کر آپ نے چھڑی بنائی اور درخت سے فرمایا ”اللہ کے حکم سے میرے ساتھ چل

"درخت آپ کے ساتھ چلنے لگا جیسے نکیل ڈالا ہوا اونٹ اپنے کھینچنے والے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پھر دوسرے درخت کے پاس پہنچے۔ اس کی بھی ایک شاخ توڑی اور درخت سے فرمایا "اللہ کے اذن سے میرے ساتھ چل" وہ درخت بھی پہلے درخت کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پھر حضور ﷺ دونوں درختوں کے بیچ میں آگئے اور دونوں درختوں کو حکم دیا کہ "اللہ کے حکم سے میرے لئے تم دونوں آپس میں مل جاؤ" دونوں درخت آپس میں مل گئے (نبی پاک ﷺ نے دونوں کی آڑ میں حاجت سے فراغت حاصل کی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ پر جا کر اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے۔

امام ابن کثیر نے امام احمد بن حنبل، امام بیہقی اور امام حاکم کے حوالے سے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ ذکر کی ہے:

حدیث: جَاءَ رَجُلٌ (مِنْ بَنِیْ عَامِرٍ) اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: مَاھٰذَا الَّذِیْ یَقُوْلُ اَصْحَابُکَ؟ قَالَ: وَحَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَعْذَاقٌ وَشَجَرٌ. قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ھَلْ لَکَ اَنْ اُرِیَکَ اٰیَۃً؟ قَالَ: نَعَمْ: قَالَ: فَدَعَاعِذْقًا مِنْھَافَاَقْبَلَ یَخُدُّ الْاَرْضَ، حَتّٰی وَقَفَ بَیْنَ یَدَیْہِ یَخُدُّ الْاَرْضَ وَیَسْجُدُ وَیَرْفَعُ رَاْسَہٗ حَتّٰی وَقَفَ بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَرَجَعَ. (مصنف ابن ابی شیبہ حدیث: ۹۲، دلائل النبوہ، ابن کثیر ۱۶۲، ۱۶۳، مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات ۲۰۰۶ء)

ترجمہ: قبیلۂ نبی عامر کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا، آپ کے اصحاب یہ کیا بات کہہ رہے ہیں (کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟) حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آس پاس کچھ کھجور کے درخت اور کچھ دوسرے درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ کیا میں تجھے (اپنی نبوت کی) کوئی نشانی دکھاؤں؟ اس نے کہا: ہاں! حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کھجور کے درخت کو آواز دے کر بلایا وہ زمین پھاڑتے ہوئے آکر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ آپ کے آگے سجدہ ریز ہوتا، پھر اٹھتا تھا، یہاں تک کہ آپ کے آگے آکر کھڑا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے درخت کو حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا۔

نبی پاک ﷺ نے اپنی جدائی میں روتی ہوئی سوکھی لکڑی کو سکون بخشا

حدیث: جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ: کَانَ الْمَسْجِدُ مَسْقُوْفًا عَلٰی جُذُوْعٍ مِنْ نَخْلٍ فَکَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقُوْمُ اِلٰی جِذْعٍ مِنْهَا، فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَکَانَ عَلَیْهِ، فَسَمِعْنَا لِذَالِکَ الْجِذْعِ صَوْتًا کَصَوْتِ الْعِشَارِ حَتّٰی جَاءَ النَّبِیُّ ﷺ فَوَضَعَ یَدَهُ عَلَیْهَا فَسَکَنَتْ. (صحیح بخاری کتاب المناقب، حدیث: ۳۵۸۵)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر قائم تھی، اس وقت نبی پاک ﷺ کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر (خطبہ کی حالت میں) کھڑے رہتے تھے۔ جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا اور اس پر خطبہ دینے لگے تو ہم نے اس تنے کے رونے کی آواز سنی جیسے بچے والی اونٹنی بچے کی جدائی میں روتی ہے۔ وہ روتا رہا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ منبر سے اتر آئے اور اپنا دستِ شفقت اس پر رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔

بخاری کتاب البیوع میں حدیث: ۲۰۹۵ میں یہ الفاظ ہیں:

حدیث: فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِیْ کَانَ یَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰی کَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ، فَنَزَلَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَیْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِیْنَ الصَّبِیِّ الَّذِیْ یُسَکَّتُ، حَتّٰی اسْتَقَرَّتْ.

ترجمہ: کھجور کا وہ تنا جس کے پاس نبی پاک ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، چیخ چیخ کر رونے لگا، لگتا تھا کہ وہ پھٹ پڑے گا۔ نبی پاک ﷺ منبر سے اتر آئے اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ تنا اس بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، جسے چمکار کر چپ کیا جاتا ہے۔ تنے کو قرار آ گیا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر میں اس تنے کو گلے سے نہ لگاتا تو وہ قیامت تک روتا رہتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الفضائل حدیث: ۱۰۸)۔

نبی پاک ﷺ کے اختیارات جانوروں پر

حدیث: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ ﷺ قَالَ: کَانَ اَھْلُ بَیْتٍ مِنَ الْاَنْصَارِ لَھُمْ جَمَلٌ یَسْنُوْنَ عَلَیْہِ وَاِنَّ الْجَمَلَ اسْتَصْعَبَ عَلَیْھِمْ فَمَنَعَھُمْ ظَھْرَہٗ، وَاَنَّ الْاَنْصَارَ جَاءُ وْا اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالُوْا، اِنَّہٗ کَانَ لَنَا جَمَلٌ نُسْنِیْ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ اسْتَصْعَبَ عَلَیْنَا وَمَنَعَنَا ظَھْرَہٗ وَقَدْ عَطِشَ الزَّرْعُ وَالنَّخْلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِاَصْحَابِہٖ قُوْمُوْا فَقَامُوْا فَدَخَلَ الْحَائِطَ وَالْجَمَلُ فِیْ نَاحِیَۃٍ، فَمَشَی النَّبِیُّ ﷺ نَحْوَہٗ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ یَانَبِیَّ اللّٰہِ اِنَّہٗ قَدْصَارَ مِثْلَ الْکَلْبِ الْکَلِبِ، وَاِنَّا نَخَافُ عَلَیْکَ صَوْلَتَہٗ، فَقَالَ، لَیْسَ عَلَیَّ مِنْہُ بَاسٌ، فَلَمَّا نَظَرَ الْجَمَلُ اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَقْبَلَ نَحْوَہٗ حَتّٰی خَرَّ سَاجِدًا بَیْنَ یَدَیْہِ. فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِنَاصِیَتِہٖ اَذَلَّ مَاکَانَتْ قَطُّ حَتّٰی اَدْخَلَہٗ فِی الْعَمَلِ. (الی اخر الحدیث)

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۳۳ حدیث: ۱۲۲۰۳ ردار احیاء التراث العربی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ کچھ انصار کے گھر ایک اونٹ تھا، جس پر وہ پانی لاد کر لایا کرتے تھے۔ وہ اونٹ ان کے قابو سے باہر ہو گیا۔ اس نے انہیں اپنی پشت پر کچھ لادنے سے روک دیا۔ انصار رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ہمارے پاس ایک اونٹ ہے، جس پر ہم پانی لاد کر لایا کرتے تھے، اب اس نے ہم پر مشکل کھڑی کر دی ہے۔ اپنی پشت پر کچھ لادنے نہیں دیتا اور ہماری کھیتی اور کھجور کے باغ پیاسے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا اٹھو، چلو، یہ کہہ کر آپ باغ کے اندر داخل ہوئے۔ اونٹ باغ کے ایک گوشے میں بندھا ہوا تھا۔ نبی پاک ﷺ اونٹ کی طرف بڑھے تو انصار کہنے لگے اے اللہ کے نبی! یہ اونٹ باؤلے کتے کی طرح ہو گیا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں، کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ جب اونٹ کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی تو وہ خود آگے بڑھ کر آپ کے سامنے آیا اور سجدے میں گر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اب وہ اتنا

زیادہ فرمانبردار نظر آرہا تھا کہ کبھی اتنا فرمانبردار نہیں تھا۔ نبی پاک ﷺ نے اُسے پکڑ کر کام پہ لگادیا۔

حدیث: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ : اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ سَفَرٍ، حَتّٰى اِذَا دَفَعْنَا اِلٰى حَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ بَنِىْ النَّجَّارِ، اِذَا فِيْهِ جَمَلٌ لَايَدْخُلُ الْحَائِطَ اَحَدٌ اِلَّا شَدَّعَلَيْهِ قَالَ: فَذَكَرُوْا ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَ حَتّٰى اَتَى الْحَائِطَ فَدَعَاالْبَعِيْرَ فَجَاءَ وَاضِعًا مِشْفَرَهُ اِلَى الْاَرْضِ حَتّٰى بَرَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ ، قَالَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَاتُوْا خِطَامًا فَخَطَمَهُ وَدَفَعَهُ اِلٰى صَاحِبِهٖ ، قَالَ: ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَى النَّاسِ قَالَ : اِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا يَعْلَمُ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ. اِلَّا عَاصِىَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ.

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۸ حدیث: ۱۳۹۲۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر سے واپس آئے۔ ہم نبی نجار کے ایک باغ کے پاس پہنچے تو پتہ چلا کہ باغ کے اندر ایک اونٹ ہے جو باغ میں داخل ہونے والے ہر آدمی پر حملہ کر دیتا ہے۔ لوگوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے اونٹ کا حال بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ باغ کے اندر داخل ہوئے۔ آپ نے اونٹ کو اپنے پاس بلایا۔ اونٹ سر جھکائے ہوئے آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: نکیل لاؤ! آپ نے اس کو نکیل پہنا دی اور اس کے مالک کے حوالے کر دیا۔ پھر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آسمان وزمین کے درمیان جو بھی چیز ہے وہ یہ یقین رکھتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، سوائے نافرمان جن اور انسانوں کے۔

جب اللہ کے نبی ﷺ نے خیبر فتح فرمایا تو مالِ غنیمت میں ایک سیاہ رنگ کا گدھا بھی ملا نبی پاک ﷺ نے اس گدھے سے بات کی اور گدھے نے نبی پاک ﷺ سے اپنی فرماں برداری کا اظہار کیا۔

حافظ ابن کثیر نے دلائل النبوہ میں تفصیلی روایت کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

حدیث: فَكَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ الْحِمَارَ وَكَلَّمَهُ الْحِمَارُ فَقَالَ لَهُ: مَااسْمُكَ؟ قَالَ يَزِيْدُبْنُ شِهَابٍ، اَخْرَجَ اللّٰهُ مِنْ نَسْلِ جَدِّىْ سِتِّيْنَ حِمَارًا كُلُّهُمْ لَمْ يَرْكَبْهُمْ اِلَّا نَبِيٌّ لَمْ يَبْقَ مِنْ

نَسْلِ جَدِّیْ غَیْرِیْ وَلَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ غَیْرَکَ وَقَدْ کُنْتُ اَتَوَقَّعُکَ اَنْ تَرْکَبَنِیْ، قَدْ کُنْتُ قَبْلَکَ لِرَجُلٍ یَهُوْدِیٍّ وَکُنْتُ اَعْثُرُبِهٖ عَمَدًا وَکَانَ یُجِیْعُ بَطْنِیْ وَیَضْرِبُ ظَهْرِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ سَمَّیْتُکَ یَعْفُوْر یَایَعْفُوْرُ قَالَ لَبَّیْکَ قَالَ: تَشْتَهِیْ الْاِنَاثَ قَالَ: لَا. فَکَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَرْکَبُهٗ لِحَاجَتِهٖ. (دلائل النبوہ: ص:۲۳۰)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے (خیبر کے) اس گدھے سے بات کی اور گدھے نے آپ سے بات کی۔ حضور ﷺ نے اس سے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: یزید بن شہاب۔ اللہ نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے ایسے پیدا کئے کہ ان سب پر کسی نہ کسی نبی نے سواری فرمائی ہے۔ اس کی نسل سے صرف ایک میں ہی باقی ہوں اور انبیاء میں سے صرف آپ باقی ہیں۔ مجھے توقع تھی کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ اس سے پہلے میں ایک یہودی کے پاس تھا وہ مجھے بھوکا رکھتا تھا اور میری پٹائی کرتا تھا۔ مجھ پر سوار ہوتا تھا تو میں جان بوجھ کو اُسے گرا دیتا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ میں نے تیرا نام "یَعْفُوْر" رکھا۔ پھر حضور ﷺ نے اسے پکارا: اے یعفور! اس نے کہا: حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ فرمایا: کیا تیرے اندر مادہ گدھی کے لئے شہوت موجود ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ اس گدھے پر حضور ﷺ اپنی حاجت کے لئے سواری کیا کرتے تھے۔

ابن کثیر مزید نقل فرماتے ہیں: فَلَمَّا قُبِضَ النَّبِیُّ ﷺ جَاءَ اِلٰی بِئْرٍ کَانَ لِابْنِ الْهَیْثَمِ بْنِ التَّیْهَانِ فَتَرَدّٰی فِیْهَا فَصَارَتْ قَبْرَهٗ جَزْعًا مِنْهُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ (دلائل النبوہ لابن کثیر: ص ۲۳۰/۲۳۱)

ترجمہ: جب نبی پاک ﷺ کی وفات ہوگئی تو آپ کا وہ گدھا ابن الہیثم بن تیہان کے کنویں کے پاس آیا اور اپنے کو اس میں گرا لیا اور وہ کنواں اس کی قبر بنا۔ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے صدمہ میں اس نے اپنی جان دے دی۔

تنبیہ: بعض لوگوں نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں بلکہ منکر ہے لیکن اس کے شواہد موجود ہیں اس لئے معتبر ہے۔ (المواہب اللدنیہ: امام قسطلانی)

نبی پاک ﷺ سے ایک ہرنی کا اظہار فرماں برداری

حافظ الحدیث ابن کثیر نے حافظ الحدیث ابو نعیم اصبہانی کی دلائل النبوۃ کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر فرمائی ہے:

مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی قَوْمٍ قَدِ اصْطَادُوْا ظَبْیَۃً فَشَدُّوْھَا عَلٰی عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَقَالَتْ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُخِذْتُ وَلِیْ خِشْفَانِ فَاسْتَاْذَنْ لِیْ اُرْضِعُھُمَا وَاَعُوْدُ اِلَیْھِمْ فَقَالَ اَیْنَ صَاحِبُ ھٰذِہٖ ؟ فَقَالَ الْقَوْمُ : نَحْنُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ، قَالَ خَلُّوْا عَنْھَا حَتّٰی تَاْتِیَ خِشْفَیْھَا تُرْضِعُھُمَا وَتَرْجِعَ اِلَیْکُمْ فَقَالُوْا: مَنْ لَنَا بِذَالِکَ ؟ قَالَ اَنَا. فَاَطْلَقُوْھَا، فَذَھَبَتْ ، فَاَرْضَعَتْ، ثُمَّ رَجَعَتْ اِلَیْھِمْ فَاَوْثَقُوْھَا ، فَمَرَّ بِھِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ : اَیْنَ اَصْحَابُ ھٰذِہٖ ؟ فَقَالُوْا ھُوَ ذَا نَحْنُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ،فَقَالَ تَبِیْعُوْنَھَا؟ فَقَالُوْا: ھِیَ لَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ،فَقَالَ: خَلُّوْا عَنْھَا فَاَطْلَقُوْھَا. فَذَھَبَتْ.(دلائل النبوۃ ص ۲۲۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے۔ انہوں نے ایک ہرنی کو شکار کر کے خیمہ کے ستون سے باندھ رکھا تھا۔ ہرنی نے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی یارسول اللہ! میں پکڑی گئی ہوں۔ میرے دو چھوٹے بچے ہیں۔ مجھے آپ اجازت دلوا دیجئے تاکہ دونوں بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں۔ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں سے پوچھا؟ ہرنی کا شکاری کون ہے؟ لوگوں نے کہا! ہم ہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر تمہارے پاس واپس آجائے گی۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہمارے لئے اس کا ضامن کون ہوگا؟ حضور نے فرمایا: میں! لوگوں نے ہرنی کو کھول دیا۔ وہ گئی اور بچوں کو دودھ پلا کر واپس آگئی۔ لوگوں نے اسے دوبارہ باندھ دیا۔ نبی پاک ﷺ جب وہاں سے روانہ ہونے لگے تو فرمایا: ہرنی کے شکاری کون ہیں؟ ادھر آجائیں۔ جب وہ آئے، تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم اسے بیچو گے؟ لوگوں نے کہا: یہ تو آپ ہی کی ہے یارسول اللہ ﷺ! آپ لے جائیں۔ آپ نے فرمایا، پھر تم اسے آزاد کر دو۔ لوگوں نے اُسے آزاد چھوڑ دیا۔

ابن کثیر نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بحوالہ محدث حافظ ابو نعیم، یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں:

فَخَرَجَتْ تَعْدُوْ فِی الصَّحْرَاءِ فَرْحًا وَهِیَ تَضْرِبُ بِرِجْلَیْهَا فِی الْاَرْضِ وَتَقُوْلُ :اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ .(دلائل النبوہ ص:۲۲۴)

ترجمہ: ہرنی جب قید سے چھٹکارا پا کر نکلی تو میدان میں خوشی سے اچھل رہی تھی اور زمین پہ پیر مارتی تھی اور یہ کہتی تھی۔:اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔

نبی پاک ﷺ نے بے زبان کو گویائی عطا فرمائی

حافظ ابن کثیر نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حدیث:اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اُتِیَ بِصَبِیٍّ قَدْ شَبَّ ،لَمْ یَتَکَلَّمْ قَطُّ .قَالَ :مَنْ اَنَا؟قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ .(دلائل النبوہ ص ۲۵۶)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ کے پاس ایک ایسے آدمی کو لایا گیا جس نے بچپن سے جوانی تک کبھی بات نہیں کی تھی۔ نبی پاک ﷺ نے اس سے پوچھا، میں کون ہوں؟ اس نے کہا" آپ اللہ کے رسول ہیں"۔

ابن کثیر نے حاکم کے حوالے سے جو روایت ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا لَمْ یَتَکَلَّمْ مُنْذُ وُلِدَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اَدْنِیْهِ مِنِّیْ فَاَدْنَتْهُ مِنْهُ فَقَالَ مَنْ اَنَا؟قَالَ : اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ .(اَیْضًا)

ترجمہ: خدمت اقدس میں آنے والی عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میرا یہ بیٹا جب سے پیدا ہوا ہے بات نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُسے میرے قریب لاؤ۔ عورت نے جب اسے حضور کے قریب لایا تو حضور نے پوچھا "میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اختیارِ نبوی ﷺ کا ایک ایمان افروز واقعہ

حدیث: عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ : اُھْدِیَتْ لَہٗ شَاۃٌ، فَجَعَلَھَافِی الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ، فَقَالَ: مَاھٰذَا یَااَبَارَافِعٍ؟ فَقَالَ : شَاۃٌ اُھْدِیَتْ لَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَطَبَخْتُھَا فِی الْقِدْرِ، فَقَالَ : نَاوِلْنِی الذِّرَاعَ یَا اَبَا رَافِعٍ ، فَنَاوَلْتُہُ الذِّرَاعَ، ثُمَّ قَالَ: نَاوِلْنِی الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ، فَنَاوَلْتُہُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ، ثُمَّ قَالَ: نَاوِلْنِی الذِّرَاعَ الْاٰخَرَفَقَالَ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّمَالِلشَّاۃِ ذِرَاعَانِ! فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَمَااِنَّکَ لَوْسَکَتَّ لَنَاوَلْتَنِیْ ذِرَاعًا مَاسَکَتَّ ۔(الی آخر الحدیث)(مسند احمد جلد۷ص ۵۳۸ حدیث ۲۶۶۵۴، کنزالعمال حدیث: ۳۱۸۱۲م)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ہدیہ کی ایک بکری آئی۔ انہوں نے اس کا گوشت تیار کر کے ہانڈی میں ڈالا اور پکایا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو پوچھا: ابورافع کیا ہے ہانڈی میں؟ انہوں نے جواب دیا: یارسول اللہ ہمارے پاس ہدیہ میں ایک بکری آئی تھی، میں نے اس کا گوشت تیار کر کے پکایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابورافع! مجھے اس کا دست دو۔ میں نے دست پیش کیا۔ (آپ نے تناول فرمایا) پھر فرمایا: دوسرا دست لاؤ! میں نے وہ بھی پیش کیا۔ پھر فرمایا اور دست لاؤ؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بکری کے دو ہی دست ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے ابورافع) اگر تو خاموش رہتا تو جب تک میں دست مانگتا رہتا تو دست پیش کرتا رہتا۔

مسلمانو!

کیا یہ حدیثیں اس بات کی شہادت کے لئے کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضور سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ آپ کو شہنشاہ کونین اور کائنات کے خزانوں کا خازن وقاسم بنایا۔ جو شہنشاہ کونین ہو، خدا کی

نعمتوں کو بندوں میں تقسیم کرنے والا ہو، رب کے خزانوں کی کنجیاں جس کے ہاتھ میں ہوں، جس کی حکومت بحر و بر پہ چلتی ہو، جسے رب تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اعظم ومحبوب بنایا، جس کے بغیر اللہ تک پہنچنا ناممکن ہے، کیا وہ بندہ عاجز ومجبور ہوگا؟ وہ کسی بھی چیز کا مالک ومختار نہ ہوگا؟

حضور نبی کریم ﷺ کی حدیثیں تو یہ کہتی ہیں نبی اپنی قبر مبارک میں اسی طرح باحیات ہیں جس طرح دنیا میں جسم کے ساتھ باحیات تھے۔ آپ اللہ کے بااختیار نبی ہیں، شہنشاہِ بحر و بر و مالکِ کونین ہیں، کائنات میں جیسا چاہیں تصرف فرمائیں، اللہ نے سب کچھ آپ کے اختیار میں دے دیا ہے۔ لیکن دیوبندیوں، وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان/۲۸ راشد کمپنی دیوبند)۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے یہ بھی لکھا: ''اولیاء وانبیاء، امام و امام زادے پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہیں اور عاجز بندے اور ہمارے بھائی۔ مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (تقویۃ الایمان ر۴۲ مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی راشد کمپنی دیوبند)

للہ! انصاف سے بتایئے کہ احادیث کریمہ کے مطابق نبی کریم ﷺ کو شہنشاہ کونین، زمین کا مالک، بے مثل ومثال قدرت وتصرف کا مالک، اللہ کا محبوب ومختار نبی، مخلوق کا ماویٰ وملجا اور فریادرس مانا جائے یا وہابیوں کے پیشوا اسماعیل دہلوی کے مطابق انہیں اللہ کا عاجز، بے اختیار اور معاذ اللہ چمار سے زیادہ ذلیل بندہ؟۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۳) اب فیصلہ آپ کے ایمانی ضمیر کے حوالے کرتا ہوں۔

نبی پاک ﷺ کے تشریعی اختیارات

اب تک جو دلیلیں ذکر کی گئیں ان سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔

اب اس بات کے ثبوت پر دلائل ذکر کئے جا رہے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کو تشریعی اختیار حاصل تھا۔ شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو اجمالی یا تفصیلی طور پر بصراحت قرآن میں

موجود نہیں، لیکن نبی پاک ﷺ نے وہ احکام امت کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔اس طرح بعض مسائل ایسے ہیں جو قرآن میں واضح انداز میں موجود ہیں لیکن نبی پاک ﷺ نے اس میں تبدیلی فرمادی ہے۔مثلاً کسی عام حکم سے کسی فرد کو خاص فرمادیا۔

اب ذیل میں ہم آپ کے تشریعی اختیار کے ثبوت پر چند دلیلیں پیش کرتے ہیں:

نبی ﷺ کے تشریعی اختیارات کا ثبوت قرآنی آیات سے

اللہ کے نبی ﷺ حلال اور حرام کرنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: جو لوگ رسول ونبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو حکم دیتے ہیں انہیں نیکی کا اور روکتے ہیں ناپسندیدہ چیز سے اوران کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں اوران سے اتارتے ہیں ان کا بوجھ اور وہ بیڑیاں (سخت احکام کی) جو ان پر تھیں۔تو جو ایمان لائے ان (رسول ونبی امی) پر اور تعظیم کی ان کی اور مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان (رسول) کے ساتھ اتارا گیا، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

فائدہ: آیت مذکورہ میں نبی پاک ﷺ کے تشریعی مقام ومرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل کے لئے وہ چیزیں حلال کیں، جو انہوں نے اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔جیسے کچھ مخصوص

جانور، جنہیں وہ بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح مالِ غنیمت ان کے لئے حلال نہ تھا، نبی پاک ﷺ نے حلال کر دیا۔ نیز ان پر جو مشکل احکام نافذ کئے گئے تھے نبی ﷺ نے ان سے وہ احکام اٹھا لئے۔ مثلاً کسی آدمی کے جسم میں کہیں پیشاب لگ جاتا تھا تو اس جگہ کی جلد کو کاٹ کر الگ کرنا ضروری تھا۔ ان کے لئے ہفتہ کے دن شکار کرنا ممنوع تھا۔ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے ان تمام مشکل احکام کے بوجھ کو اتار دیا اور آسان احکام مشروع فرمائے۔ مالِ غنیمت کو حلال کیا۔ پیشاب لگنے کی جگہ کو پاک کرنے کیلئے دھونے کو کافی قرار دیا۔ ہفتے کے دن شکار کرنے کو حلال کر دیا۔ مسجد کے علاوہ دوسری جگہ میں بھی نماز پڑھنے کی اجازت دی۔

امام علاء الدین علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ آیت مذکورہ کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَكَانَتْ هٰذِهِ الْاَثْقَالُ فِيْ شَرِيْعَةِ مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ، فَلَمَّا جَاءَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَسَخَ ذَالِكَ كُلَّهُ. (تفسير الخازن جلد ۲ ص ۲۹۸ دارالفکر بیروت ۱۹۷۹ء)

ترجمہ: یہ بوجھ (مشکل احکام) موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھے۔ جب حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو آپ نے ان سب کو منسوخ کر دیا۔

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی متوفی ۶۷۱ھ نے تحریر فرمایا:

فَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ قَدْ كَانَ اُخِذَ عَلَيْهِمْ عَهْدٌ اَنْ يَقُوْمُوْا بِاَعْمَالٍ ثِقَالٍ فَوَضَعَ عَنْهُمْ مُحَمَّدٌ ﷺ ذَالِكَ الْعَهْدَ وَثِقْلَ تِلْكَ الْاَعْمَالِ، كَغَسْلِ الْبَوْلِ وَتَحْلِيْلِ الْغَنَائِمِ وَمُجَالَسَةِ الْحَائِضِ وَمُؤَاكَلَتِهَا وَمُضَاجَعَتِهَا. (تفسير القرطبی ج ۷ ص ۱۹۰)

ترجمہ: بنی اسرائیل کو بھاری احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر حضرت محمد ﷺ نے ان کو ان بھاری احکام کے بوجھ سے نجات دے دی۔ جیسا کہ جسم میں جس جگہ پیشاب لگ جائے وہاں کے چمڑے کو کاٹ کر الگ کرنے کی بجائے اسے دھونے کا حکم دیا۔ غنیمت کا مال ان کے لئے حلال فرمایا: حائضہ عورت کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے اور لیٹنے کو حلال کیا۔

فرض، واجب، سنت، حرام، مکروہ وغیرہ احکام کا علم حاصل کرنے کے لئے نبی کا قول و فعل ہی شریعت میں قانون کلی ہے۔ امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

(وَالنُّبُوَّةُ) فَهٰذَا اَصْلٌ شَرِيْفٌ وَقَانُوْنٌ كُلِّيٌّ فِيْ مَعْرِفَةِ الْاَحْكَامِ. (تفسیر کبیر جلد ۱۵ ص ۲۷)

ترجمہ: اللہ کے بندوں کو نبی کے اتباع کا حکم دیا، لہٰذا نبی کی اتباع ہی احکام کو جاننے کے لئے اصل اور قانون کلی ہے۔

﴿۲﴾ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر:۷)

ترجمہ: اور رسول نے جو کچھ تمہیں دیا اسے لو اور جس سے روکا اس سے باز رہو۔

آیت کی تفسیر: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بالوں (پلکوں) کو اکھیڑنے اور اکھڑوانے والیوں اور حسن کے لئے دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں اور اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث بنو اسد کی ایک عورت کو پہنچی، جس کو ام یعقوب کہا جاتا تھا۔ وہ قرآن پڑھا کرتی تھی۔ اس نے ابن مسعود کے پاس آکر کہا: یہ کیسی روایت ہے جو آپ کی طرف سے پہنچی ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے گودنے اور گدوانے والیوں، بال (پلکوں کے) اکھیڑنے اور اکھڑوانے والیوں اور خوبصورتی کے ارادے سے دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے۔ دراں حالیکہ یہ حکم کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اس عورت نے کہا: میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے، لیکن یہ بات کہیں نظر نہ آئی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اگر تو قرآن کو (غور سے) پڑھتی تو یہ بات پالیتی۔ کیا اللہ نے قرآن میں یہ نہیں فرمایا ہے: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الیٰ اٰخر الحدیث) جو کچھ رسول نے تمہیں دیا اسے لو اور جس سے روکا اس سے رک جاؤ۔ (صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم فعل الواصلۃ حدیث: ۵۵۷۳)

فائدہ: حدیث مذکور میں رسول اکرم ﷺ کی تشریعی حیثیت کا ذکر ہے کہ اگرچہ قرآن میں مذکورہ عورتوں کے فعل مذکور (گودنا، گدوانا) کی حرمت کا ذکر نہیں، لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس فعل کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے اُسے حرام ماننا ضروری ہے۔ کیوں کہ قرآن میں ہے کہ رسول جو حکم دیں اسے کرو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

﴿۳﴾ آیت: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

حَفِيظًا. (النساء: ۸۰)

ترجمہ: جس نے فرماں برداری کی رسول کی، یقیناً اس نے اللہ کی فرماں برداری کی اور جس نے منہ پھیرا تو (اے نبی) آپ کو ہم نے ان (کے اعمال) کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔

حدیث: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ. (صحیح مسلم، الامارة، حدیث: ۴۷۴۹)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس نے میری بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

علامہ ابن کثیر نے آیت مذکورہ کے تحت یہ لکھا:

يُخْبِرُ تَعَالٰى عَنْ عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ ﷺ بِاَنَّ مَنْ اَطَاعَهُ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَاهُ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِاَنَّهٗ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى.

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص: ۳۳۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے اور رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ جس نے ان کی بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ نبی اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے بلکہ ان کا فرمان وحی الٰہی ہے۔

﴿۴﴾ آیت: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ. فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ.

(ال عمران: ۳۱، ۳۲)

ترجمہ: اے نبی آپ فرما دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بڑا بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے، آپ فرما دیجئے، تم اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرو۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔

علامہ ابن کثیر آیت مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں:

هٰذِهِ الْاٰيَةُ حَاكِمَةٌ عَلٰى كُلِّ مَنِ ادَّعٰى مَحَبَّةَ اللّٰهِ وَلَيْسَ هُوَ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فَاِنَّهٗ كَاذِبٌ فِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ حَتّٰى يَتَّبِعَ الشَّرْعَ الْمُحَمَّدِيَّ وَالدِّيْنَ النَّبَوِيَّ فِيْ جَمِيْعِ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ. (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ: یہ آیت یہ فیصلہ سناتی ہے کہ جس شخص نے اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کیا اور وہ طریقہ محمدیہ پر نہیں تو وہ حقیقت میں جھوٹا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شرع محمدی اور دین نبوی کو اپنے تمام اقوال وافعال میں مان لے۔

﴿۵﴾ آیت: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ. (الفتح:۱۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، یقیناً وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کی نصرت ان کی نصرت کے اوپر ہے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ نے اس آیت کے تحت یہ لکھا ہے:

بَيَّنَ اَنَّ بَيْعَتَهُمْ لِنَبِيِّهٖ اِنَّمَا هِيَ بَيْعَةُ اللّٰهِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (تفسیر القرطبی ۱۶/۲۶۷)

ترجمہ: اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ لوگوں کا، اللہ کے نبی سے بیعت کرنا حقیقت میں اللہ سے بیعت کرنا ہے۔ کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے: جس نے رسول کی فرماں برداری کی یقیناً اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔

﴿۶﴾ آیت: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. (الانفال:۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے لئے حاضر ہو جاؤ، جب تمہیں پکاریں۔ کیوں کہ وہ تمہیں (ہمیشگی کی) زندگی دیتے ہیں۔

﴿۷﴾ آیت: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ. (الانفال:۲۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور رسول سے منہ نہ موڑو اور ان کی باتیں سنتے رہو۔

قاضی شوکانی نے آیت مذکورہ کے تحت لکھا:

اَمَرَ اللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِطَاعَتِہٖ وَطَاعَةِ رَسُوْلِہٖ وَنَہَاہُمْ عَنِ التَّوَلِّیْ عَنْ رَسُوْلِہٖ لِاَنَّ طَاعَةَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ہِیَ مِنْ طَاعَةِ اللّٰہِ. (فتح القدیر للشوکانی: ۲/۳۴۳دارالفکر بیروت: ۵۰۰۲ء)

ترجمہ: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مومنوں کو اپنی اور اپنے رسول کی فرماں برداری کرنے کا حکم دیا اور اپنے رسول سے منہ موڑنے سے مومنوں کو منع فرمایا۔ کیوں کہ اللہ کے رسول کی فرماں برداری اللہ کی فرماں برداری کا حصہ ہے۔

آیت: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَہُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِہِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (النساء: ۶۵)

ترجمہ: قسم ہے آپ کے رب کی، وہ لوگ مومن نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ کو اپنے اختلافی معاملے میں حَکَم (فیصل) مانیں۔ پھر آپ کے فیصلے کے تعلق سے دل میں کوئی دغدغہ محسوس نہ کریں اور خوب اچھی طرح تسلیم کرلیں۔

علامہ ابن کثیر نے آیت مذکورہ کے تحت متعدد روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے ذیل میں ایک روایت ذکر کی جاتی ہے:

حدیث: دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دونوں کے درمیان فیصلہ فرمادیا۔ فیصلہ جس شخص کے خلاف ہوا، اس نے اپنے مخالف سے کہا: چلو عمر کے پاس فیصلہ کروائیں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں عمر کے پاس چلے جاؤ۔ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ جس آدمی کے حق میں حضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا تھا اس نے حضرت عمر سے کہا: اے ابن الخطاب! رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے خلاف میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے، لیکن اس نے نہیں مانا اور آپ کے پاس ہمیں لے کر آگیا۔ حضرت عمر نے اس سے پوچھا: کیا ایسا ہوا ہے؟ اس نے کہا ہاں! حضرت عمر نے فرمایا: دونوں اپنی جگہ ٹھہرے رہو، میں ابھی آکر فیصلہ کردوں گا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر تلوار لئے ہوئے باہر نکلے اور اس شخص کو قتل کردیا جس نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو نہیں مانا تھا۔ دوسرا آدمی مارے خوف کے بھاگتے ہوئے رسول پاک ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور ماجرا بیان کیا اور کہا کہ واللہ اگر میں بھاگ کر نہ آتا تو عمر مجھے بھی قتل کردیتے۔ یہ

سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں گمان نہیں کرتا تھا کہ عمر ایک مومن کے قتل کی جرأت کریں گے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔ فَلَا وَرَبِّکَ (الآیۃ) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپ کو اپنے جھگڑے میں فیصل مان لیں۔ پھر اپنے دل میں آپ کے فیصلے پر کچھ شک نہ پائیں"۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۱۸/۲ دار الکتاب العربی بیروت: ۲۰۰۵ء)

شیخ ابن تیمیہ نے حدیث مذکور کو نقل کرنے کے بعد اسے معتبر قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے:

وَهٰذَا الْمُرْسَلُ لَهُ شَاهِدٌ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ يَصْلُحُ لِلْاِعْتِبَارِ. (الصارم المسلول ص ۳۸)

شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک نبی ﷺ کا تشریعی مقام

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فَمَنْ آذَى الرَّسُوْلَ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ اَطَاعَهُ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. لِاَنَّ الْاُمَّةَ لَا يَصِلُوْنَ مَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَبِّهِمْ اِلَّا بِوَاسِطَةِ الرَّسُوْلِ، لَيْسَ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ طَرِيْقٌ غَيْرُهُ. وَلَا سَبَبَ سِوَاهُ وَقَدْ اَقَامَهُ اللّٰهُ مَقَامَ نَفْسِهٖ فِيْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ وَاِخْبَارِهٖ وَبَيَانِهٖ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فِيْ شَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ.

(الصارم المسلول ص ۳۹: حق اللہ وحق رسولہ متلازمان، دار الحدیث القاہرہ ۲۰۰۳ء)

ترجمہ: جس نے رسول کو تکلیف دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے رسول کی فرماں برداری کی اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔ کیوں کہ امت، اللہ تک رسول کے واسطے کے بغیر نہیں پہنچ سکتی۔ امت کے لئے نبی کو چھوڑ کر کوئی واسطہ اور سبب نہیں۔ یقیناً اللہ نے نبی کو اپنا قائم مقام فرمایا ہے، اپنے امر و نہی، اخبار، بیان (احکام شریعت) کے معاملے میں۔ لہٰذا شریعت کے ان احکام کے شارع ہونے کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں۔

قاضی شوکانی کے نزدیک نبی ﷺ کا تشریعی اختیار

قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں ایک عنوان قائم کیا ہے:

بَابٌ فِيْ اَنَّ الْاَصْلَ فِي الْاَعْيَانِ وَالْاَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ اِلىٰ اَنْ يَرِدَ مَنْعٌ اَوْ اِلْزَامٌ

(اعیان واشیاء میں اصل مباح ہونا ہے، یہاں تک کہ منع یا واجب ہونے کی دلیل آجائے)

اس عنوان کے تحت قاضی صاحب نے چار احادیث ذکر کی ہیں اور ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ شارع نے جس چیز کے کرنے سے منع نہیں کیا ہے اُسے حرام کہنا یا کسی چیز کو واجب ولازم نہیں کیا ہے تو اسے واجب سمجھنا بہت بڑا جرم ہے۔

قاضی شوکانی نے نبی پاک ﷺ کی تشریعی حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی آیت پڑھ کر اللہ کا یہ حکم سنایا کہ ہر صاحب استطاعت پر حج بیت اللہ فرض ہے تو صحابۂ کرام ؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہر سال فرض ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے گا۔ شوکانی نے نبی پاک ﷺ کی یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔ "میں تمہیں جب کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اُسے کرو اور جس چیز سے منع کروں اس سے باز رہو"۔

پھر حدیث مذکور کی تشریح کے ضمن میں قاضی صاحب نے یہ لکھا ہے:

وَاسْتُدِلَّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَلىٰ اَنَّ اعْتِنَاءَ الشَّارِعِ بِالْمَنْهِيَّاتِ فَوْقَ اعْتِنَاءِهٖ بِالْمَامُوْرَاتِ، لِاَنَّهٗ اَطْلَقَ الْاِجْتِنَابَ فِي الْمَنْهِيَّاتِ وَلَوْمَعَ الْمَشَقَّةِ فِي التَّرْكِ وَقَيَّدَ فِي الْمَامُوْرَاتِ بِالْاِسْتِطَاعَةِ وَهٰذَا مَنْقُوْلٌ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ. (نیل الاوطار ۷/۳۰۴)

ترجمہ: حدیث مذکور سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ممنوعات کے معاملے میں حکم شارع کا لحاظ کرنا زیادہ اہم ہے، بہ نسبت مامورات کے۔ کیوں کہ ممنوعات سے تعلق سے نبی پاک ﷺ نے مطلق حکم دیا (کہ جس سے میں منع کروں اس سے باز رہو) اگر چہ ان

کے چھوڑنے میں مشقت برداشت کرنی پڑے اور جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ان میں استطاعت کی قید لگائی (کہ استطاعت وطاقت کے مطابق فرائض وواجبات کی ادئگی کرو) یہ بات امام احمد بن حنبل سے منقول ہے۔

فائدہ: قاضی شوکانی نے اپنی اس تحریر میں رسول پاک ﷺ کے لئے"شارع"(شریعت بنانے والا ونافذ کرنے والا) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے، جسے شارع مانا جائے گا اس کے لئے تشریعی اختیار ماننا لازم ہے۔

نبی ﷺ کے تشریعی اختیارات کا ثبوت احادیث کریمہ سے

حدیث: عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَااُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَھَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا نَدْرِیْ، مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ۔

(سنن ابو داؤد کتاب السنّہ، باب لزوم السنہ حدیث: ۴۶۰۵)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی آدمی کو ہرگز اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے مزین تخت پہ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور اس کے پاس جب میرا کوئی حکم یا ممانعت کی بات پہنچے تو وہ یہ کہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے، ہم نے تو جو کچھ کتاب اللہ میں پایا اسی کو مانا۔

نبی پاک ﷺ نے اپنے تشریعی اختیار کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا:

حدیث: اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ، اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ: عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ، فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ۔ (سنن ابو داؤد، باب لزوم السنۃ)

ترجمہ: خبردار! بے شک مجھے کتاب (قرآن) دی گئی ہے اور اسی کی طرح اس کے ساتھ اور (وحی) بھی۔ آگاہ رہو! عنقریب ایک بھرا پُرا (آسودہ) شخص ہوگا جو اپنے مزین تخت پر بیٹھا ہوا یہ کہے گا: تم صرف قرآن کو مانو۔ اس میں جو چیز حلال پاؤ اسے حلال جانو اور اس میں جو چیز حرام پاؤ اسے حرام مانو۔ (اور رسول کی حدیث نہ مانو)

فائدہ: اس حدیث کے ذریعہ نبی پاک ﷺ نے اپنی امت کو متنبہ فرمایا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا، جس میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو صرف قرآن کو ماننے کا دعویٰ کریں گے اور رسول کی تشریعی حیثیت واختیارات کا انکار کریں گے۔ ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی کیلئے بکری کے، چھ ماہ کے بچے کی قربانی جائز کردی

مسئلہ شرعیہ: شرعی مسئلہ یہ ہے کہ بکری یا بکرا ایک سال سے کم کا ہوتو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔ لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابی کے لئے بکری کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کو جائز کردیا۔ حدیث پاک ملاحظہ کیجئے۔

حدیث: بخاری شریف، مسلم شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف میں ہے: حضرت براء ابن عازب ﷺ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی اس کی قربانی نہ ہوئی، بلکہ وہ گوشت کھانے کے لئے ہے۔ حضرت ابو بردہ بن نیار ﷺ نے کہا: میں نے تو نماز عید سے پہلے قربانی کردی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ قربانی نہیں ہوئی۔ ابو بردہ نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے پاس چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے زیادہ پیارا ہے، اس کی قربانی کرسکتا ہوں؟ حضور نے فرمایا: نَعَمْ وَلَنْ يُجْزِىَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ. ہاں (کرسکتے ہو) اور تیرے بعد ہرگز کسی اور کے لئے یہ جائز نہیں۔

(بخاری کتاب الاضاحی باب سنۃ الاضحیۃ حدیث: ۵۵۴۵، مسلم کتاب الاضاحی باب وقتھا حدیث: ۵۰۷۳)

شارح بخاری امام قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ فرماتے ہیں:

خُصُوصِيَّةٌ لَهُ لَا تَكُونُ بِغَيْرِهِ اِذْ كَانَ لَهُ ﷺ اَنْ يَّخُصَّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْكَامِ

(ارشاد الساری شرح بخاری)

ترجمہ: یہ رخصت ابو بردہ ﷺ کے ساتھ حضور ﷺ نے خاص فرمادی کسی اور کے لئے نہیں۔ کیوں کہ آپ کو اختیار تھا کہ جس کو جس حکم سے چاہتے، مستثنیٰ فرماسکتے تھے۔

شارح بخاری امام عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تحریر فرمایا:

وَفِی الْحَدِیْثِ مِنَ الْفَوَائِدِ غَیْرُ مَا تَقَدَّمَ اَنَّ الْمَرْجِعَ فِی الْاَحْکَامِ اِنَّمَا هُوَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَاَنَّهُ قَدْ یَخُصُّ بَعْضَ اُمَّتِهٖ بِحُکْمٍ وَیَمْنَعُ غَیْرَهٗ مِنْهُ.

(فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۹، مکتبہ شیخ الهند دیوبند)

ترجمہ: حدیث مذکور میں گزشتہ فوائد کے علاوہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ تمام احکام میں نبی ﷺ ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور یہ کہ کبھی آپ ﷺ کسی حکم کو اپنی امت کے بعض افراد کے لئے خاص فرمادیتے ہیں اور باقی تمام افراد کو اس حکم سے روک دیتے ہیں اگر چہ خصوصیت کے لئے کوئی عذر نہ ہو۔

حضرت عثمان ﷺ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے لیکن نبی ﷺ نے انہیں مال غنیمت میں شریک فرمایا

مسئلہ شرعیہ: شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جو جہاد میں شریک نہیں مال غنیمت میں اس کے لئے حصہ نہیں ۔لیکن حضرت عثمان ﷺ جو غزوہ بدر میں شریک ہونے سے روک دیئے گئے تھے، کو حضور نے مجاہدین بدر میں شمار فرمایا اور مجاہدین کے حصوں کے مطابق انہیں بھی حصہ عطا فرمایا۔اس پر حدیث شریف ملاحظہ کیجئے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت عثمان ﷺ) بیمار تھیں۔حضور ﷺ نے اپنی صاجبزادی کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمان ﷺ کو مدینہ میں رکنے کا حکم دیا اور فرمایا: اِنَّ لَکَ اَجْرَ رَجُلٍ مِّمَّنْ شَھِدَ بَدْرًا وَسَھْمَهٗ: بے شک تمہارے لئے بدر میں شریک ہونے والے مجاہد کے برابر ثواب ہے اور غنیمت میں سے ایک مجاہد کا حصہ بھی۔ (صحیح بخاری کتاب فرض الخمس حدیث: ۳۱۳۰)

اگر نبی ﷺ چاہتے تو مسواک کرنا واجب ہوتا

مسئلہ شرعیہ: مسواک کرنا سنت ہے۔ کرنے سے ثواب ملے گا، نہ کرنے پر گناہ نہیں۔ حضور ﷺ کی یہ رحمت ہے کہ اپنی امت کے حق میں مسواک کرنے کو سنت بنایا اور امت کے لئے آسانی فرمائی۔ اگر آپ چاہتے تو اس کو ہر نماز کے وقت واجب کر دیتے اور ہر نماز سے پہلے مسواک کرنا واجب ہوتا اور کوئی چھوڑتا تو گناہ گار ہوتا۔ دیکھئے حدیث پاک:

حدیث: بخاری و مسلم، نسائی و ابن ماجہ، مسند احمد اور موطا امام مالک میں یہ حدیث ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوةٍ.

(بخاری حدیث:۸۴۷، نسائی حدیث:۷، ابن ماجہ حدیث:۲۸۷)

ترجمہ: اگر مجھے اپنی امت کی پریشانی کا خیال نہ ہوتا تو انہیں حکم دیتا کہ وہ ہر نماز کے (وضو) کے وقت مسواک کریں۔

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاکَ کَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمُ الْوُضُوْءَ.

(حدیث:۱۸۳۸)

ترجمہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو ان پر مسواک کرنا فرض کر دیتا جیسا کہ ان پر میں نے نماز سے پہلے وضو کرنے کو فرض کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حرم شریف کی اِذْخَر گھاس کاٹنے کی اجازت دی

مسئلہ: شریعت کا حکم یہ ہے کہ ''حرم شریف'' کے درخت، تر کاٹنے اور گھاس اکھاڑنا جائز

نہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حرم شریف کی ''اذخر'' گھاس اکھاڑنے کی رخصت دے دی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''مکہ حرم ہے'' حرم کی گھاس اور کانٹے نہ کاٹے جائیں، درخت نہ کاٹے جائیں۔ یہاں کی گری پڑی چیز (لقطہ) نہ اٹھائی جائے، مگر جو اعلان کی نیت سے اٹھائے تو اٹھا سکتا ہے۔ قریش کے ایک شخص (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے کہا یارسول اللہ ﷺ اذخر گھاس کو اس حکم سے نکال دیجئے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الا الاذخر ۔ مگر اذخر کو (کاٹنے کی رخصت ہے)۔

(صحیح بخاری، حدیث ۱۳۴۹، ۱۵۸۷، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۲۰۹۰، ۲۴۳۳، ۲۷۸۳، ۲۸۲۵، ۳۰۷۷، ۳۱۸۹، ۴۳۱۳، و مسلم حدیث: ۳۳۰۴ ترمذی حدیث: ۱۴۰۶، ابن ماجہ ابوداؤد کتاب مناسک، باب ۸۹، مسند احمد حدیث ۳۲۴۳)۔

اللہ کے رسول ﷺ چاہتے تو حج ہر سال فرض ہوتا

حضور ﷺ نے حج کی فرضیت کا اعلان فرمایا تو ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ﷺ حج کرنا ہر سال فرض ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں کہہ دوں کہ ہر سال فرض ہے تو ہر سال فرض ہو جائے گا۔

حدیث: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَرَضَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا، فَقَالَ رَجُلٌ: اَکُلَّ عَامٍ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَکَتَ، حَتّٰی قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، لَوْقُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ: ذَرُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ، فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِهِمْ، فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ.

(صحیح مسلم باب فرض الحج مرۃً فی العمر حدیث: ۳۲۵۷ نسائی کتاب الحج باب ۱، ابن ماجہ مقدمہ، مسند احمد، حدیث: ۱۰۲۲۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا تو فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ حج کرو۔ ایک شخص نے سوال کیا:

کیا ہر سال، یارسول اللہ؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس آدمی نے دوسری بار پھر تیسری بار وہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال حج کرنا فرض ہوگا اور تم نہ کرسکو گے۔ پھر فرمایا: جب میں تمہیں چھوڑ رکھوں (یعنی جن چیزوں پر میں کوئی حکم بیان نہ کروں) اُسے کرید کر سوال مت کرو۔ بے شک تم سے پچھلی قومیں ان کے انبیاء سے زیادہ سوالات کرنے اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک کرسکو کرو اور جس چیز سے منع کروں اسے چھوڑ دو۔

سنن ابن ماجہ میں حدیث مذکور کو سورۂ مائدہ کی آیت ۱۰۱ کے شان نزول کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

جب سورۂ آل عمران کی آیت ۹۷ نازل ہوئی ''اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہے'' تو صحابہ ﷺ نے پوچھا: یارسول اللہ کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے گا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(سنن ابن ماجہ حدیث: ۲۸۸۴)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ. (المائدہ ۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! چیزوں کے بارے میں (زیادہ) نہ سوال کیا کرو۔ اگر وہ چیزیں تمہارے سامنے ظاہر کردی جائیں گی تو تمہیں بُری لگیں گی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مویشیوں کی زکوٰۃ فرض کی

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے اموال ظاہرہ (چوپایوں) کی زکوٰۃ کی وصولی کے تعلق سے عمال کو خط میں یہ تحریر فرمایا تھا:

اِنَّ هٰذِهٖ فَرَائِضُ الصَّدَقَةِ الَّتِىْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ الَّتِىْ اَمَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سَاَلَ فَوْقَ ذٰلِكَ فَلَا يُعْطِهٖ. (الی آخر الحدیث) (مسند احمد ۱/۱۱ حدیث: ۷۲)

ترجمہ: یہ فرائض صدقہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق مسلمانوں پر فرض کئے ہیں، تو جس شخص سے مشروع طریقے کے مطابق صدقات (زکاۃ) کا مطالبہ کیا جائے وہ ادا کرے اور جو شخص زیادہ مانگے اُسے نہ دیا جائے۔

نبی ﷺ نے مدینہ کو حرم بنایا

حدیث: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ اُحُدٌ فَقَالَ: هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا، اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَاِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.

(مسند احمد حدیث: ۱۲۱۰۱ بخاری حدیث: ۱۸۶۹ ابن ماجہ حدیث: ۳۱۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ حدیث: ۱۲۵)

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اُحد پہاڑ ظاہر ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ پہاڑ ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں، اے اللہ! بے شک ابراہیم ﷺ نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں۔

قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تکوینی وتشریعی اختیارات عطا فرمایا۔ یعنی کائنات میں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں اور شریعت میں اللہ کے اذن سے جس چیز کو چاہتے حلال فرما سکتے تھے اور جسے چاہتے حرام کر سکتے تھے۔

اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ کو علمِ غیب عطا فرمایا

اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ قرآنی آیات واحادیث نبویہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ دور رسالت سے لے کر آج تک اہل حق کا یہی عقیدہ چلا آرہا ہے۔ اس عقیدے کے ثبوت پر ہم ذیل میں قرآنی آیات واحادیث اور دلائل شرعیہ پیش کریں گے۔ اس سے پہلے اس عقیدے سے متعلق ضروری تفصیلات پیش کردینا مناسب ہے، تاکہ علمِ غیب نبی کے عقیدے کے تعلق سے ہر طرح کی غلطیوں اور شبہات کا سد باب ہو سکے۔

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ نبی کو خود بہ خود علم غیب حاصل نہیں۔ نبی کا علم غیب، عطائی ہے، ذاتی نہیں۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے۔

﴿۳﴾ اللہ کے رسول ﷺ کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں بعض اور محدود ہے۔

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی صفتِ ازلی قدیم ہے اور اللہ کے نبی کا علم حادث۔

﴿۵﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تدریجی ہے، یعنی جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے اللہ نے آپ کو اس کا علم آپ کی وفات تک عطا فرمایا۔

﴿۶﴾ اللہ ہر چیز کی خبر اور علم رکھنے والا ہے۔ ایک ان کے لئے بھی وہ کسی شئی سے بے خبر و بے توجہ نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے علم کا حال ایسا نہیں، بلکہ ذات وصفات الٰہیہ میں مستغرق ہونے اور بعض حکمتِ الٰہیہ کی وجہ سے آپ کی توجہ شئی معلوم سے کچھ دیر کے لئے ہٹ جاتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کو وحی کی مختلف صورتوں کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ فرمادیتا تھا اور کبھی کسی حکمت کی بنیاد پر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، لیکن یہ بات واضح رہے کہ کسی شئی معلوم سے توجہ کا ہٹ جانا یا کسی خاص واقعہ کے بارے میں خاص وقت میں حضور کا (میں نہیں جانتا) کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ نے آپ کو آپ کی وفات تک اس کا علم نہیں دیا۔

اللہ کے علم غیب اور نبی کے علم غیب کے درمیان ذکر کئے گئے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے نبی کے علم غیب کے ثبوت پر دلائل ملاحظہ کیجئے۔

علم غیب نبی کا ثبوت قرآنی آیات سے

﴿۱﴾ آیت: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.

(آل عمران : ۱۷۹)

ترجمہ: اور اللہ کی شان نہیں کہ تم کو (اے عام لوگو!) غیب پر آگاہ فرمائے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں امام محی السنہ ابو محمد حسین ابن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ نقل فرماتے ہیں:

وَقَالَ السُّدِّی: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ فِیْ صُوَرِهَا فِی الطِّیْنِ كَمَا عُرِضَتْ عَلٰی اٰدَمَ وَاُعْلِمْتُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ وَمَنْ یَّكْفُرُ بِیْ فَبَلَغَ ذَالِكَ الْمُنَافِقِیْنَ فَقَالُوْا اِسْتِهْزَاءً: زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّهٗ یَعْلَمُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرُ مِمَّنْ لَّمْ یُخْلَقْ بَعْدُ وَنَحْنُ مَعَهٗ وَمَا یَعْرِفُنَا. فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ "مَابَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَا بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ السَّاعَةِ اِلَّا نَبَّئْتُكُمْ بِهٖ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِیُّ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ حُذَافَةُ فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِالْقُرْآنِ اِمَامًا وَبِكَ نَبِیًّا فَاعْفُ عَنَّا، عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ؟ ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاٰیَةَ. (تفسیر البغوی ۱/۳۷۷ ادارہ تالیفات اشرفیہ پاکستان، صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب مایکرہ من کثرۃ السوال حدیث: ۷۲۹۴).

ترجمہ: سدی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کو اس کی خاک کی صورت میں پیش کیا گیا، جس طرح آدم علیہ السلام کے سامنے (ان کی اولاد کو) پیش کیا

گیا تھا۔ مجھے بتادیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کافر ہوگا۔ آپ کی یہ بات منافقوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے مذاقاً کہا کہ محمد ﷺ یہ کہا کرتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان پر کون ایمان لائے گا اور کون کافر ہوگا؟ اور وہ انہیں بھی جانتے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے ساتھ موجود ہیں اور وہ ہمیں نہیں جانتے (کہ کافر ہیں) منافقوں کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ میرے علم پر طعن کرتے ہیں؟ تم مجھ سے اب سے لے کر قیامت تک کی جو بات بھی پوچھو گے میں ضرور بتادوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ سہی کھڑے ہوئے اور پوچھا: یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ (تیرا باپ ہے۔) حضور کی ناراضگی کا انداز جب حضرت عمر ﷺ نے دیکھا تو کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہم اللہ کے رب ہونے سے راضی ہیں۔ اسلام کے دین الٰہی ہونے سے راضی ہیں اور قرآن کے (ہمارے) پیشوا ہونے سے راضی ہیں اور آپ کے نبی ہونے سے ہم راضی ہیں۔ اللہ آپ کی خفگی (ناراضگی) مٹائے، ہمیں آپ درگزر فرمائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم باز آتے ہو (بے جا سوال کرنے سے)۔ پھر آپ منبر سے اترے۔ اس موقع پر اللہ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔

حدیث مذکور کے تعلق سے قاضی شوکانی نے لکھا:

ومارویٰ السدی ،رواہ الطبرانی و ایضًا المقدسی و قال الحافظ السیوطی صحیح. (فیض القدیر ۴/۳۱۲ بہامش تفسیر البغوی)

ترجمہ: سدی نے جس کی روایت کی ہے اس کی طبرانی اور مقدسی نے بھی روایت کی ہے اور حافظ سیوطی نے اسے صحیح کہا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

فَقَدْ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ عَنِ السُّدِیِّ اَنَّ الْکَفَرَۃَ قَالُوْا اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ صَادِقًا فَلْیُخْبِرْنَا مَنْ یُّؤْمِنُ مِنَّا وَمَنْ یَّکْفُرُ فَنَزَلَتْ.

ترجمہ: ابن جریر نے سدی کے حوالے سے ذکر کیا کہ کافروں نے کہا: اگر محمد ﷺ سچے ہیں

تو ہمیں بتائیں کہ ہم میں سے کون ایمان لائے گا اور کون کفر پر جما رہے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت مذکورہ کے شان نزول سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ نبی کے علم غیب پر چوں چرا کرنا اور اس کا انکار کرنا منافقین کی عادت ہے۔ ہر آدمی کی پسند الگ الگ ہوتی ہے کسی کو یہی عادت پسند ہے تو اس پر زور زبردستی کیا؟ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ دین میں کوئی زور زبردستی نہیں۔

آیت کریمہ کا مفہوم صاف، واضح ہے کہ اے لوگو! اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے عام بندوں کو غیب کا علم عطا فرمائے۔ عام بندوں کے علم کے لئے تو اس نے ظاہری اسباب و ذرائع مقرر فرمادئے ہیں۔ اسباب و آلات اور عقل کے توسط سے وہ علم حاصل کرتے ہیں۔ ظاہری اسباب و الات اور عقل کے توسط سے جو علم حاصل ہو وہ علم غیب نہیں، بلکہ وہ علم محسوسات وعلم نظری واستدلالی ہے۔ علم غیب وہ ہے جو ظاہری اسباب و الات اور نظر و فکر و استدلال سے حاصل نہ ہو اور بداہت عقل میں نہ آئے۔

علامہ الوسی تحریر فرماتے ہیں:

اَنَّ حَاصِلَ الْمَعْنٰى لَيْسَ لَكُمْ رُتْبَةُ الْاِطِّلَاعِ عَلَى الْغَيْبِ وَاِنَّمَا لَكُمْ رُتْبَةُ الْعِلْمِ الْاِسْتِدْلَالِي الْحَاصِلِ مِنْ نَصْبِ الْعَلَامَاتِ وَالْاَدِلَّةِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى سَيَمْنَحُكُمْ بِذٰلِكَ فَلَاتَطْمَعُوْا فِيْ غَيْرِهٖ فَاِنَّ رُتْبَةَ الْاِطِّلَاعِ عَلَى الْغَيْبِ لِمَنْ شَاءَ مِنْ رُّسُلِهٖ وَاَيْنَ اَنْتُمْ مِنْ اُولٰئِكَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ. (روح المعانی ۳/ ۲۱۵، مکتبہ زکریا، سہارنپور، یوپی)۔

ترجمہ: آیت کریمہ سے جو معنی حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اے عام بندو! تمہارا رتبہ، علم غیب کا حصول نہیں۔ تمہارا رتبہ علم استدلالی ہے، جو حاصل ہوتا ہے ان علامات و دلائل سے جو قائم کردئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم کو اسی کے ذریعہ (علم دیتا ہے اور) مزید دے گا۔ لہٰذا تم دوسرے علم (غیب) کی خواہش وطمع نہ کرو۔ کیوں کہ غیب پر آگاہی کا رتبہ ان کا ہے جن کو اللہ دینا چاہتا ہے، یعنی اپنے رسولوں کو۔ کہاں تم اور کہاں وہ اللہ کے برگزیدہ نیک بندے؟ (دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں)

آیت: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن، ۲۶، ۲۷)

ترجمہ: غیب کا جاننے والا (اللہ) کسی کو اپنے غیب پر قدرت نہیں دیتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔(قدرت دیتا ہے)

سب رسول، اللہ کے پسندیدہ ہیں لہٰذا اللہ نے سب کو علم غیب عطا فرمایا ہے اور حضور سید الانبیاء ﷺ، اللہ کے سب سے زیادہ پسندیدہ رسول ہیں تو یقیناً اللہ نے آپ کو سب رسولوں سے زیادہ علم غیب بلکہ حقیقتِ غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔قرآن نے ایمان والوں کو یہی عقیدہ دیا ہے۔اس کے خلاف جو عقیدہ ہے قرآن کے خلاف ہے۔حضور سید الانبیاء ﷺ اللہ کے سب سے زیادہ محبوب اور تمام اگلے پچھلے لوگوں سے افضل ہیں۔جیسا کہ ترمذی شریف کتاب المناقب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حدیث: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی حضور ﷺ کا انتظار کر رہی تھی حضور باہر تشریف لائے۔جب ان کے قریب پہنچے تو آپ نے سنا، ایک شخص کہہ رہا تھا: تعجب ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل (دوست) بنایا۔دوسرے شخص نے کہا: یہ زیادہ عجیب بات نہیں کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا؟ ایک اور شخص نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کا ''کلمہ اور'' روح'' ہیں (یعنی بغیر باپ کے اللہ نے اپنی قدرت خاص سے انہیں پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے روح ڈالی) پھر ایک شخص نے کہا: آدم علیہ السلام صفی اللہ اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔اتنے میں حضور ﷺ ان کے سامنے آئے اور سلام کرنے کے بعد فرمایا:

قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَالِكَ وَ مُوْسٰى نَجِىُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَالِكَ وَ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذَالِكَ وَ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِىْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِىَ فُقَرَاءُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ. (ترمذی کتاب المناقب باب فضل النبی ﷺ)

ترجمہ: میں نے تمہاری باتیں اور کلمات تعجب سنے۔بے شک اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور وہ اس کے لائق تھے۔موسیٰ کو نجی اللہ (اللہ سے کلام کرنے والا) کہا، وہ اس کے لائق تھے۔آدم علیہ السلام کو برگزیدہ بندہ بنایا وہ اس کے لائق تھے۔عیسیٰ کو روح

اللہ اور کلمۃ اللہ فرمایا وہ اسی کے لائق تھے۔ سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور یہ فخر یہ بات نہیں۔ میں قیامت میں لواء الحمد والا ہوں اور یہ فخر یہ بات نہیں ۔(لواء الحمد ایک خاص جھنڈا ہے جو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جائے گا اور اس کے نیچے حضرت آدم سے لے کر قیامت تک کے تمام مسلمان جمع ہوں گے) اور میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ یہ بات فخر یہ نہیں (کہہ رہا ہوں) اور میں ہی سب سے پہلے جنت کے دروازے کھلواؤں گا، تو میرے لئے اللہ دروازہ کھولے گا۔ اور مجھے اس میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے اور یہ بات فخر یہ نہیں اور میں تمام اولین وآخرین میں سب سے اکرم واعلیٰ وبرتر ہوں اور یہ فخر یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں (بلکہ حقیقت پر مبنی ہے)۔

حدیث: ترمذی شریف کتاب المناقب میں ہے حضرت انس ﷺ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

''جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا۔ جب سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں جمع ہوں گے تو میں ان کے آگے آگے رہوں گا۔ میں ہی ان کی طرف سے بولنے والا ہوں گا، جب وہ خاموش ہوں گے۔ میں ہی ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا جب کہ انہیں (جنت میں جانے سے) روک دیا جائے گا میں انہیں خوش خبری سناؤں گا۔ جب وہ مایوس ہوجائیں گے۔ اس دن بخشش اور رحمت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ میں اپنے رب کی بارگاہ میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ باکرامت ہوں۔ میرے آس پاس ایک ہزار خادم گھوم رہے ہوں گے۔ ایسا محسوس ہوگا جیسا وہ گرد وغبار سے صاف ستھرے محفوظ انڈے ہوں یا بکھرے ہوئے موتی۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ تمام اگلے پچھلے لوگوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ آپ کے رتبے کو کوئی ولی اور نبی بھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ اللہ کے سب سے برگزیدہ، محبوب اور افضل رسول ہیں اور قرآن حکیم کی آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنے پسندیدہ رسولوں کو علم غیب عطا

فرمایا تو معلوم ہوا کہ رسول اکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ نے آپ کے مرتبے کے لحاظ سے تمام انبیاء سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا۔

علمِ غیب رسول کا عقیدہ اور قاضی شوکانی کا موقف

سورۂ جن کی آیت ۲۶، ۲۷ کی تفسیر میں قاضی شوکانی نے بڑی تفصیلی بحث ذکر کی ہے۔ وہ سوال و جواب کے انداز میں لکھتے ہیں:

"اگر تم کہو کہ پھر تو اس قرآنی دلیل سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو جتنا چاہتا ہے اپنے غیب کا علم عطا فرماتا ہے تو کیا رسول کو یہ اختیار بھی ہے کہ اپنی بعض امت کو اللہ کے عطا کردہ اپنے علم غیب سے عطا کریں؟ میں جواب میں کہوں گا: ہاں! اس کے ممنوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ آپ کی سنت مطہرہ سے واقفیت رکھنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے واقعات منقول ہیں۔

جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر قیامت تک ہونے والی چیزوں کی خبر بیان فرمادی اور آنے والے فتنے وغیرہ سب بیان کر دئے۔ جو یاد رکھ سکا یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

اس طرح یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ کو آنے والے فتنوں کی خبر دے دی تھی۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہ نے اس چیز کو ان سے دریافت کیا اور ان کی طرف رجوع ہوئے۔ صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اس فتنے کے بارے میں پوچھا: جو سمندر کی موج کی طرح امنڈ آئے گا تو آپ نے فرمایا: اے عمر! اس فتنے اور تیرے درمیان ایک دروازہ ہے (جو اسے روکے ہوئے ہے)۔

حضرت عمر نے پوچھا: وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وہ توڑا جائے گا۔ حضرت عمر نے سمجھ لیا کہ وہ دروازہ خود عمر ہیں اور دروازے کے توڑے جانے سے مراد

عمر کا قتل ہونا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عمر کو معلوم تھا کہ وہ قتل کئے جائیں گے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو آنے والے حوادث کا علم دیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خارجیوں کے سردار کی علامت بیان فرمادی تھی (کہ اس کے بازو عورت کی پستان کی طرح ہوں گے) حضرت علی نے جب خارجیوں سے جنگ کی اور اس آدمی کو تلاش کیا گیا تو وہ اسی علامت کے ساتھ پایا گیا جو نبی پاک ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۱۲ مولف)۔

اس طرح کے کثیر واقعات ہیں۔ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس کے منع پر کوئی دلیل نہیں کہ اللہ نے اپنے رسول کو جو غیب کی خبریں دیں، ان میں سے بعض کا علم رسول کے واسطے سے اس امت کے صالحین کو بھی حاصل ہو اور ان سے ان کے بعد والے بعض صالحین کو بھی حاصل ہو اور وہ صالحین کی کرامات کی قبیل سے ہو۔ اور یہ سب فیض ربانی ہے، نبی پاک ﷺ کے واسطے سے''۔ (فتح القدیر جلد ۵ ص ۲۳۸، دار الفکر بیروت ۲۰۰۵ء)

ملاحظہ: قاضی شوکانی کی بات کو من وعن میں نے اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ قاضی صاحب کے اس اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو کسی مذہب فقہی کے امام کی تقلید کو شرک کہنے کے باوجود قاضی شوکانی کی تقلید کرتے ہیں، انہیں اس اقتباس کو پڑھ کر اپنے اس خیال کی اصلاح کر لینی چاہئے کہ نبی ﷺ کے لئے یا اولیاء کاملین کے لئے علم غیب ثابت ماننا شرک ہے۔ اگر اب بھی وہ اپنے پچھلے موقف پر قائم رہتے ہیں تو ان سے اہل سنت کو کم از کم اتنا پوچھنے کا حق تو ضرور ہونا چاہئے کہ اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد قاضی شوکانی کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ وہ ان کے نزدیک شرک کی زد میں ہیں یا نہیں؟۔

اب حضور ﷺ کے علم غیب کے ثبوت پر چند آیات اور ملاحظہ کیجئے:

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک ﷺ کے علم غیب کے تعلق سے فرماتا ہے:

﴿۲﴾ آیت: ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ۔ (ال عمران: ۴۴)

ترجمہ: یہ غیب کی خبروں میں سے ہے (اے محبوب!) ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں

﴿۲﴾ آیت: تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ۔ (سورہ ہود: ۴۹)

ترجمہ: یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو غیب کی باتوں کا علم عطا فرمایا ہے۔ دونوں آیتیں اپنے معنی کے اعتبار سے بہت واضح ہیں۔ اس میں نہ کسی بحث کی ضرورت ہے نہ تامل کی۔ پھر بھی کوئی مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ معنی سُنیوں کا گڑھا ہوا ہے، اس لئے آیئے ہم قدیم مفسرینِ کرام کی کتابوں کی طرف رجوع کریں تاکہ اچھی طرح یہ بات واضح ہو جائے کہ رسول کے علم غیب کا عقیدہ کوئی نیا عقیدہ نہیں بلکہ اسلاف وصالحین کا عقیدہ ہے، جن کا راستہ قرآنی ارشاد کے مطابق صراط مستقیم ہے۔

علمِ غیبِ نبی کا ثبوت مفسرین قرآن کے حوالوں سے

مفسرِ قرآن امام عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، جن کی وفات ۶۷۱ھ میں ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

اَیِ الَّذِیْ ذَکَرْنَا مِنْ حَدِیْثِ زَکَرِیَّا وَیَحْیٰ وَمَرْیَمَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ مِنْ اَخْبَارِ الْغَیْبِ (نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ) فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی نُبُوَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَیْثُ اَخْبَرَ عَنْ قِصَّۃِ زَکَرِیَّا وَمَرْیَمَ وَلَمْ یَکُنْ قَرَأَالْکِتَابَ وَاَخْبَرَ عَنْ ذَالِکَ وَصَدَّقَہٗ اَھْلُ الْکِتَابِ بِذَالِکَ۔

(الجامع لاحکام القرآن ۴/ ۸۵)

ترجمہ: یعنی ہم نے زکریا اور یحییٰ اور مریم علیہم السلام کے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ غیب کی خبریں ہیں، ہم وحی سے آپ کو بتاتے ہیں۔ اس میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ نے حضرت زکریا و یحییٰ و مریم علیہم السلام کے واقعے کی خبر دی۔ حالاں کہ آپ نے کتاب (تورات وانجیل) نہیں پڑھی تھی، پھر بھی اہل کتاب نے آپ کی اس خبر کی تصدیق کی۔

فائدہ: امام قرطبی نے غیب کی خبر دینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل قرار دیا۔ پتہ چلا کہ امام قرطبی جو آج سے 761 سال پہلے گزرے ہیں، اس وقت کسی دیو بندی، وہابی، اہل حدیث کا وجود بھی نہیں تھا۔ ان کا، علم غیب نبی کے تعلق سے وہی عقیدہ تھا جو آج اہل سنت و جماعت کا

ہے۔ اگر اہل سنت کا عقیدہ بدعت وضلالت ہے تو دیو بندی، وہابی، اہل حدیث بتائیں کہ امام قرطبی کو کیا کہیں گے؟

علامہ علاء الدین خازن جن کی تفسیر کی معتبر کتاب ''تفسیر خازن'' مشہور ہے ان کی وفات ۷۶۵ھ میں ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

(ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ) یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِمُحَمَّدٍ ﷺ ذَالِکَ الَّذِیْ ذَکَرْتُ لَکَ مِنْ حَدِیْثِ زَکَرِیَّا وَیَحْیٰ وَمَرْیَمَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ مِنْ اَخْبَارِ الْغَیْبِ (نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ) اَیْ نُلْقِیْہِ اِلَیْکَ یَامُحَمَّدُ لِاَنَّہٗ لَایُمْکِنُکَ اَنْ تَعْلَمَ اَخْبَارَ الْاُمَمِ الْمَاضِیِیْنَ اِلَّا بِوَحْیِیْ اِلَیْکَ۔ (لباب التاویل: ۱/۲۳۳)

ترجمہ: یہ غیب کی خبریں ہیں۔ اللہ عزوجل حضرت محمد ﷺ سے فرماتا ہے، میں نے آپ کے لئے زکریا، یحییٰ، مریم اور عیسیٰ (علیہم السلام) کے واقعات ذکر کئے، وہ غیب کی خبریں ہیں اے محمد ﷺ! ہم آپ کو ان پر آگاہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ گزشتہ امتوں کی خبریں آپ جانیں، میری وحی کے بغیر۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ امام خازن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

مفسر قرآن ومحدث وقت امام عبدالرحمٰن ابن علی ابن محمد جوزی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۹۷ھ آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قَوْلُہٗ تَعَالٰی (ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ) ذَالِکَ اِشَارَۃٌ اِلٰی مَاتَقَدَّمَ مِنْ قِصَّۃِ زَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَرْیَمَ۔ وَ الْاَنْبَاءُ الْاَخْبَارُ وَالْغَیْبُ مَاغَابَ عَنْکَ۔

(زاد المسیر ۱/۳۸۸)

ترجمہ: اللہ کے فرمان (یہ غیب کی خبریں ہیں) سے حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، سیدہ مریم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اَنْبَاء کا معنی ہے خبریں اور غیب وہ ہے جو تم سے پوشیدہ ہے۔

علامہ خازن تحریر فرماتے ہیں:

ھٰذَا خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ یَعْنِیْ اَنَّ ھٰذِہِ الْقِصَّۃَ الَّتِیْ اَخْبَرْنَاکَ یَامُحَمَّدُ مِنْ قِصَّۃِ نُوْحٍ

وَخَبَرِ قَوْمِهٖ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ يَعْنِىْ مِنْ اَخْبَارِ الْغَيْبِ.(لباب التاویل ۲/۳۳۶)

ترجمہ: یہ نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے۔ یعنی اے محمد! ﷺ یہ نوح اور ان کی قوم کے قصے کی جو ہم نے آپ کو خبر دی ہے، یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کو غیب کا علم عطا کیا ہے، لیکن دیوبندی، وہابی، اہل حدیث کہتے ہیں کہ اللہ نے نبی کو غیب کی خبریں نہیں بتائیں۔ بلکہ نبی کے لئے غیب کا علم ماننا شرک ہے۔ ذرا انصاف سے بتایا جائے کہ بات کس کی مانی جائے قرآن کی یا کسی دیوبندی وہابی یا اہلِ حدیث کی؟

اب مزید آیت اور تفسیری حوالے ملاحظہ کیجئے فیصلہ آپ کے ایمانی ضمیر کے حوالے کرتا ہوں۔

﴿۵﴾ آیت: وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا.(النساء ۱۱۳)

امام قاضی ناصر الدین بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ تحریر فرماتے ہیں:

مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ اَوْمِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَالْاَحْكَامِ. (تفسیر البیضاوی ۱/۲۸۰)

ترجمہ: یعنی اللہ نے آپ کو پوشیدہ امور کا علم دیا یا امور دینیہ اور احکام کا علم مراد ہے۔ (ہر ایک مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں)

فائدہ: معلوم ہوا کہ امام بیضاوی کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مخفی امور (امور غیب) کا علم دیا۔

امام بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَقِيْلَ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ.(معالم التنزیل ۱/۴۷۹)

ترجمہ: اللہ نے آپ کو وہ علم سکھائے جو آپ نہیں جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو غیب کا علم دیا۔ (جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اللہ نے آپ کو اس کا علم دیا، اس میں امور غیبیہ کا علم بھی داخل ہے۔)

امام خازن متوفی ۷۲۵ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ يَعْنِىْ مِنْ اَحْكَامِ الشَّرْعِ وَاُمُوْرِ الدِّيْنِ وَقِيْلَ عَلَّمَكَ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَقِيْلَ مَعْنَاهُ وَعَلَّمَكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ وَاَطْلَعَكَ عَلٰى

ضَمَائِرِ الْقُلُوْبِ وَعَلَّمَکَ مِنْ اَحْوَالِ الْمُنَافِقِیْنَ وَکَیْدِھِمْ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ.

(لباب التاویل ۱/۴۰۳)

ترجمہ: اور آپ کو وہ سب علم عطا کردیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔ یعنی احکام شرعیہ اور امور دینیہ کا علم۔ اور کہا گیا کہ علم غیب میں سے جو آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو سکھایا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوشیدہ امور کا علم دیا اور دلوں کے راز بتادئے اور آپ کو منافقین کے احوال اور ان کی بری چالوں کا علم، جو آپ نہیں جانتے تھے عطا فرمادیا۔

فائدہ: مفسر قرآن امام خازن متوفی ۷۲۵ھ کی حوالے سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ عقیدہ رکھنا شرک یا بدعت نہیں کہ اللہ نے اپنے نبی کو غیب کا علم دیا اور نبی کو لوگوں کے دلوں کے راز کا علم دیا۔

امام جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۸۶۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

(وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ.(النساء: ۱۱۳)). مِنَ الْاَحْکَامِ وَالْغَیْبِ. (تفسیر جلالین: ۹۲)

ترجمہ: اللہ نے آپ کو احکام اور غیب کا وہ سب علم عطا کردیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

امام اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

(وَعَلَّمَکَ) بِاَنْوَاعِ الْوَحْیِ (مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ) اَیِ الَّذِیْ لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُہٗ مِنْ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ وَضَمَائِرِ الصُّدُوْرِ وَمِنْ جُمْلَتِھَاوُجُوْہُ اِبْطَالِ کَیْدِ الْکَائِدِیْنَ اَوْمِنْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ وَاَحْکَامِ الشَّرْعِ کَمَا رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ وَمِنَ الْخَیْرِ وَ الشَّرِّ کَمَا قَالَ الضَّحَّاکُ اَوْ مِنْ اَخْبَارِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ کَمَا قِیْلَ اَوْمِنْ جَمِیْعِ مَا ذُکِرَ کَمَا یُقَالُ.

(روح البیان ۵/۱۴۴)

ترجمہ: اللہ نے آپ کو وحی کی مختلف قسموں کے ذریعہ وہ سب علم عطا فرمادیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔ یعنی پوشیدہ باتوں کا اور دل کے بھیدوں کا علم۔ انہیں پوشیدہ باتوں سے دشمنوں کی چالوں کو ناکام کرنے کا علم یا امور دین اور احکام کا علم ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یا خیر و شر کا علم جیسا کہ ضحاک نے کہا۔ یا اولین و آخرین کا علم، جیسا کہ ایک قول ہے۔ یا تمام مذکورہ چیزوں کا علم جیسا کہ مشہور ہے۔

کتب تفاسیر کے جو حوالے ذکر کیے گئے، ان سے علم غیب نبی کے تعلق سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

﴿۱﴾۔حضور نبی اکرم ﷺ کو تمام احکام شرعیہ اور امور دینیہ کا علم دیا گیا۔
(واضح رہے کہ احکام وامور دین بھی وحی پر مبنی ہیں لہٰذا ان کا علم بھی علم غیب کے تحت داخل ہے)۔
﴿۲﴾۔آپ کو لوگوں کے دلوں کے احوال وکیفیات اور ان کے دلوں کے راز کا علم دیا گیا۔
﴿۳﴾۔آپ کو منافقین کے نفاق اور دشمنوں کے دل کے چھپے ہوئے مکر وفریب کا علم بھی دیا گیا۔
﴿۴﴾۔آپ کو خیر وشر کے وہ امور بتادیے گئے جو آپ نہیں جانتے تھے۔
﴿۵﴾۔جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا سب کا علم آپ کو عطا کیا گیا۔

اللہ ﷻ کے رسول غیب بتانے میں بخیل نہیں

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

﴿۲﴾ آیت: وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ. (سورۃ التکویر: ۲۴)
ترجمہ: اور وہ (نبی) غیب (کے بتانے) پر قطعاً بخیل نہیں۔

امام بیضاوی تحریر فرماتے ہیں:

(وَمَاهُوَ) وَمَا مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (عَلَى الْغَيْبِ) عَلٰى مَا يُخْبِرُهُ مِنَ الْوَحْيِ اِلَيْهِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْغُيُوْبِ (بِضَنِيْنٍ) بِالضَّادِ وَهُوَ الْبَخِيْلُ اَیْ لَا يَبْخُلُ بِالتَّبْلِيْغِ وَالتَّعْلِيْمِ.

(انوار التنزیل ۴/۳۸۹)

ترجمہ: اور وہ یعنی محمد ﷺ وحی وغیرہ غیوب کے بتانے میں بخیل نہیں۔ ضنین، ضاد کے ساتھ بخیل کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ تبلیغ اور تعلیم میں بخیلی نہیں کرتے۔

تفسیر خازن میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:

(وَمَاهُوَ) يَعْنِیْ مُحَمَّدًا ﷺ (عَلَى الْغَيْبِ) اَیْ الْوَحْيِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ وَالْاِطِّلَاعِ عَلَيْهِ مِمَّا كَانَ غَائِبًا عَنْ عِلْمِهٖ مِنَ الْقِصَصِ وَالْاَنْبَاءِ (بِضَنِيْنٍ) مَعْنَاهُ بِبَخِيْلٍ يَقُوْلُ يَاْتِيْهِ عِلْمُ

الْغَيْبِ وَلَا يَبْخَلُ بِهِ عَلَيْكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ بِهِ وَلَا يَكْتُمُهُ. (لباب التاویل: ۳۵۷/۴)

ترجمہ: یعنی محمد ﷺ وحی اور آسمانی خبریں اور وہ چیزیں اور واقعات جو آپ کے علم میں نہ تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی، ان کو بیان کرنے میں بخیلی نہیں کرتے۔ ضنین کا معنی بخیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میرے محبوب ﷺ کے پاس علم غیب آتا ہے اور وہ تم سے بیان کرنے میں بخل نہیں کرتے۔ تمہیں اس کی خبر دیتے ہیں اور تم سے نہیں چھپاتے۔

بخیل اسے کہتے ہیں جس کے پاس دولت ہو اور اس میں سے خرچ نہ کرے، جو خود مفلس ہو وہ دوسرے کو کیا دے گا؟ مفلس کسی کو مال نہ دے تو اسے بخیل نہیں کہتے۔ قرآن حکیم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس غیب کے خزانے ہیں اور آپ بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔ آپ کے پاس غیب کے کتنے خزانے ہیں اس کو پورے طور پر اللہ جانے اور اس کا رسول۔ البتہ قرآن وحدیث سے ہمیں اتنا معلوم ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو وہ تمام علوم سکھا دیئے جو آپ نہیں جانتے تھے خواہ وہ علوم شریعت ہوں یا علوم غیب۔ اب ہم آپ کی بعض احادیث کو ذیل میں ذکر کرتے ہیں جن سے آپ کے علم غیب کی وسعت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا ثبوت احادیث کریمہ سے

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر چیز کے روشن اور ظاہر ہونے کا ثبوت

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے وقت حضور ﷺ کو (آنے میں) دیر ہو گئی۔ ہم لوگوں نے آپ کا انتظار اس حد تک کیا کہ قریب تھا کہ آفتاب کی شعاعیں نظر آنے لگیں۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ تیزی سے باہر تشریف لائے۔ تکبیر کہی گئی۔ آپ نے اختصار کے ساتھ نماز پڑھائی اور نماز کے بعد باآواز بلند فرمایا:

"عَلٰی مَصَافِکُمْ کَمَا اَنْتُمْ، ثُمَّ انْفَتَلَ اِلَیْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَا اِنِّیْ سَاُحَدِّثُکُمْ مَا حَبَسَنِیْ عَنْکُمْ الْغَدَاۃَ، اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ الَّیْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّیْتُ مَاقُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلَاتِیْ حَتّٰی اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا بِرَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ! قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ. قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی؟ قُلْتُ لَا اَدْرِیْ، قَالَهَا ثَلٰثًا، قَالَ فَرَأَیْتُهٗ وَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ.

(مسند احمد ۵/ ۲۴۳ حدیث: ۲۱۱۸۵ ترمذی ابواب التفسیر حدیث: ۳۲۳۳، ۳۲۳۴، ۳۲۳۵)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا: جس طرح تم بیٹھے ہوئے ہو صف بندی کیے ہوئے بیٹھے رہو۔ پھر ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں اپنی تاخیر کا واقعہ تم کو سناتا ہوں: رات کے وقت میں نے وضو کر کے جتنی نماز مقدر میں تھی پڑھی۔ نماز میں مجھے اونگھ آئی اور میں سو گیا۔ یکا یک دیکھتا ہوں کہ میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں موجود ہوں ۔میں نے اپنے رب کو اس کی بہت خوبصورت صفت کے ساتھ دیکھا۔ میرے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد! میں نے کہا: لبیک اے میرے پروردگار! میں حاضر ہوں ۔فرمایا آسمانی گروہ (ملائکہ) آپس میں کس بات پہ تکرار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں ۔تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر میں نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے اپنا دست رحمت میرے سینے پر رکھا تو اس کی انگشت رحمت کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پھر مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔

سیدنا ابن عباس ﷺ کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (مسند احمد بن حنبل ۵/ ۲۴۳ ترمذی حدیث: ۳۲۳۳)

ترجمہ: (حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں) میں نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جان لیا۔

سیدنا ابن عباس ﷺ کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فَعَلِمْتُ مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. (جامع الترمذی ۲ / ۱۵۶ حدیث: ۳۲۳۴)

اس حدیث کی شرح میں حضرت محدث علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

فَعَلِمْتُ بِسَبَبِ وُصُوْلِ ذٰلِکَ الْفَیْضِ، مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَعْنِیْ اَعْلَمَهُ اللّٰهُ

مَافِیْهَا مِنَ الْمَلَائِکِ وَالْاَشْجَارِ وَغَیْرِهَا وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سِعَةِ عِلْمِهِ الَّذِیْ مَنَحَ اللّٰهُ وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ اَیْ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ الَّتِیْ فِی السَّمٰوٰتِ بَلْ وَمَا فَوْقَهَا. کَمَا یُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالْاَرْضُ هِیَ بِمَعْنَی الْجِنْسِ وَجَمِیْعَ مَافِی الْاَرْضِیْنَ السَبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا. (مرقاة شرح مشکوة ۲/ ۲۱۰)

ترجمہ: (حضور نبی اکرم ﷺ) نے فرمایا۔ اس فیض (الٰہی) کے (میرے سینے میں) پہنچنے کے سبب میں نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جان لیا۔ یعنی اللہ نے آپ کو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، مثلاً فرشتے پیڑ پودے وغیرہ سب کا علم دے دیا۔ یہ حدیث آپ کی وسعت علم کی دلیل ہے، جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔ ابن حجر علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے آسمانوں کی، بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام مخلوقات کو جان لیا۔ جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہے اور لفظ ارض سے مراد جنسِ زمین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے سات زمینوں کی بلکہ ان سے بھی نیچے کی چیزوں کو جان لیا۔

معلوم ہوا کہ شارح بخاری ابن حجر عسقلانی اور محدث علی قاری کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو کائنات کی تمام چیزوں کا علم اللہ نے عطا فرمایا:

صحیح بخاری شریف کتاب العلم میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا:

مَامِنْ شَیْءٍ لَمْ اَکُنْ اُرِیْتُهُ اِلَّا رَاَیْتُهُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا حَتّٰی الْجَنَّةَ وَالنَّارَ. (بخاری حدیث: ۸۶، ۱۸۴، ۹۲۲، ۱۰۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ حدیث: ۶۸)

ترجمہ: میں نے جو بھی چیز نہیں دیکھی تھی مجھے اپنے اسی مقام پر دکھادی گئی یہاں تک کہ جنت اور جہنم بھی۔

فائدہ: امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں اس حدیث کو ذکر کر کے اپنا یہ عقیدہ ظاہر فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ

اِلیٰ کَفِّیْ هٰذَا. (المواهب اللدنية ۳/ ۵۵۹، مسند احمد حدیث: ۱۶۶۶۶، ۲۱۸۸۹، کنز العمال حدیث: ۳۱۳۷۳، ۳۱۸۰۷، ۳۱۹۶۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے کر دیا ہے۔ میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو اس طرح دیکھ رہا ہوں، جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کا علم دیا ہے۔ حدیث مذکور حضرت ابن عمر ﷺ کے علاوہ حضرت شداد بن اوس اور حضرت ثوبان سے بھی مروی ہے، محدث ابونعیم اور طبرانی نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ثوبان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ حَتّٰی رَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا.

(صحیح مسلم کتاب الفتن باب هلاک هذه الامه بعضهم ببعض حدیث: ۷۲۵۸)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق و مغارب (چاروں اطراف) کو دیکھ لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی ابتداء سے قیامت تک کے سارے احوال بیان فرمائے

بخاری شریف کتاب بدء الخلق میں حضرت عمر فاروق ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَالِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَ. (بخاری حدیث: ۳۱۹۲)

ترجمہ: ایک روز ہمارے درمیان نبی اکرم ﷺ ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہمیں دنیا کی پیدائش کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے جنت میں جانے اور اہل دوزخ کے دوزخ میں جانے تک کی ساری باتیں بتادیں۔ آپ کے اس بیان کو جس نے جتنا یاد رکھ پایا رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

فائدہ: صحیح مسلم، حدیث: ۷۲۶۳ میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے مقام پر کھڑے ہو کر قیامت

تک ہونے والے واقعات کی خبر دے دی اور کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

اس حدیث کا عنوان امام مسلم نے یہ قائم فرمایا ہے:

اِخۡبَارُ النَّبِی ﷺ فِیۡمَا یَکُوۡنُ اِلیٰ قِیَامِ السَّاعَۃِ

نبی ﷺ کا قیام قیامت تک ہونے والی چیزوں کی خبر دینا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ نے رسول ﷺ کو دنیا کی پیدائش کی ابتداء سے لے کر جنتیوں کے جنت میں جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کے تمام احوال و واقعات کا علم عطا فرمایا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کے علم غیب تفصیلی کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ اس معنی کی حدیثیں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت حذیفہ، حضرت ابوسعید خدری اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صحیح بخاری و مسلم جامع ترمذی، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ مسند احمد بن حنبل وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہیں۔ احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ قیامت تک ہونے والے امور کا علم غیب نبی پاک ﷺ کو حاصل تھا۔ یہ صحابۂ کرام کا عقیدہ تھا اور ان احادیث کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے والے محدثین مثلاً امام بخاری و مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اگر یہ عقیدہ شرک یا بدعت ہے تو علم غیب نبی کا عقیدہ رکھنے والے صحابہ کرام و محدثین کے بارے میں کیا کہیں گے؟

کیا منکرین یہ ٹھان لئے ہیں کہ انہیں اپنے سوا سب کو شرک و بدعت کے خانے میں رکھنا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو؟ قارئین، مزید اطمینانِ قلب کے لئے علمِ غیب نبی کے ثبوت پر کچھ اور احادیث کریمہ ملاحظہ کریں:

حدیث شریف: مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ''ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر ادا فرمائی پھر وہیں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ چاشت کا وقت آ گیا۔ حضور ﷺ وہیں بیٹھے ہوئے مسکرائے۔ وہیں پر نماز ظہر، عصر اور مغرب ادا فرمائی (اس دوران) کسی سے بات چیت نہیں کی۔ پھر عشاء کی نماز ادا فرمائی۔ پھر اٹھ کر اہل خانہ کے پاس تشریف لے آئے۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضور ﷺ سے آج کے عمل

کے بارے میں نہیں پوچھیں گے کہ آپ نے ایسا عمل اس سے پہلے نہیں کیا تھا؟ حضرت ابوبکر صدیق کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

نَعَمْ عُرِضَ عَلَیَّ مَاھُوَ کَائِنٌ مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَاوَاَمْرِ الْاٰخِرَۃِ.(مسند احمد بن حنبل ۱/۴،حدیث ۱۶).

ترجمہ: ہاں! بات یہ ہے کہ دنیا وآخرت میں ہونے والے تمام امور کا مجھے مشاہدہ کرادیا گیا۔

ابوزید ﷺ کی روایت میں ہے:

فَاَخْبَرَنَابِمَا کَانَ وَبِمَاھُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَااَحْفَظُنَا.(صحیح مسلم کتاب الفتن حدیث:۷۲۶۷)

ترجمہ: جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، ہمیں حضور ﷺ نے سب بتادیئے۔

امام مسلم نے حدیث مذکور کو اس عنوان کے تحت درج فرمایا ہے:

"باب اخبار النبی ﷺ فیما یکون الی قیام الساعۃ"

ترجمہ: نبی ﷺ کا قیامت تک ہونے والی چیزوں کو بیان فرمانا۔

نبی کریم ﷺ نے خبر دی کہ زمزم کو حضرت ہاجرہ نہ روکتیں تو ایک جاری چشمہ ہوتا

بخاری شریف میں ہے کہ جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ کی بے آب وگیاہ وادی میں تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے لئے حضرت ہاجرہ اضطراب و بے چینی کے عالم میں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک دوڑ لگارہی تھیں۔ اس وقت انہوں نے ایک غیبی آواز سنی۔ پہلے تو انہوں نے ان سنی کردی لیکن دوبارہ آواز آئی تو بولیں "اے پکارنے والے! اگر تیرے پاس مدد ہے تو میری مدد کر" اچانک حضرت جبرئیل نمودار ہوئے اور انہوں نے اپنی ایڑی زمین پر ماری تو پانی کا فوارہ نکلنے لگا۔ تیزی کے ساتھ حضرت ہاجرہ اسے اپنے ہاتھوں سے روکنے لگیں اور جلدی جلدی چلو سے لینے لگیں۔ زمزم کا پانی فوارے کی شکل میں بہتا رہا۔

نبی پاک ﷺ نے اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یَرْحَمُ اللّٰہُ اُمَّ اِسْمَاعِیْلَ لَوْتَرَکَتْ زَمْزَمَ اَوْقَالَ: لَوْلَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ. لَکَانَتْ عَیْنًا مَعِیْنًا.(بخاری باب ۱۰،حدیث:۲۳۶۸)

ترجمہ: اللہ اسماعیل ﷺ کی ماں پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو اس حال پر چھوڑ دیتیں۔ یا حضور ﷺ نے یہ فرمایا: اگر جلدی جلدی چلو میں پانی لے کر برتن میں جمع نہ کرتیں تو وہ ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔

فائدہ: حدیث مذکور میں بھی نبی کریم ﷺ کے علم غیب کی دلیل ہے کہ آپ نے مستقبل میں ہونے والی چیز کی خبر دی۔

نبی پاک ﷺ نے سائل کے دل کی بات ظاہر کر دی

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بارہا ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مخاطب کے دل کے راز بیان فرما دیے ہیں۔ ذیل میں بطور شاہد چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔

حدیث: حضرت وابصہ ﷺ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس ارادے سے حاضر ہوا کہ میں کسی بھی نیکی اور گناہ کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کرنا نہ چھوڑوں گا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ میں سب کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھا۔ صحابہ ﷺ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں نے کہا: مجھے آپ کے قریب آنے دو۔ میرے نزدیک آنحضرت ﷺ کا قرب تمام لوگوں کے قرب سے زیادہ محبوب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے وابصہ قریب آجاؤ، قریب آجاؤ! میں بالکل قریب آگیا۔ یہاں تک کہ حضور کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا:

يَاوَابِصَةُ أُخْبِرُكَ مَاجِئْتَ تَسْئَالُنِيْ عَنْهُ ؟اَوْتَسْأَلُنِيْ؟.

اے وابصہ! تم مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو وہ میں خود بیان کروں، یا تم بولو گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ہی بیان فرمائیں (کہ میں کیا پوچھنے آیا ہوں؟) نبی پاک نے فرمایا:

جِئْتَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ.

تم مجھ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھنے آئے ہو۔ میں نے کہا: ہاں (میں یہی پوچھنے آیا ہوں) پھر آپ اپنی تین انگلیوں کو ملا کر میرے سینے کو کریدنے لگے اور فرمایا: اے وابصہ! اپنے آپ سے پوچھو، دل جس بات پر مطمئن ہو وہ نیکی ہے اور دل کو جو بات کھٹکے اور تردد پیدا کرے وہ گناہ ہے، اگرچہ لوگ تم کو اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ (مسند احمد حدیث: ۱۷۵۳۸)

نبی ﷺ دلوں کا راز جانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھو، میں تم کو ضرور جواب دوں گا۔ ایک آدمی نے پوچھا: بتایئے میں جنت میں جاؤں گا یا جہنم میں (یہ منافق تھا) نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جہنم میں جاؤ گے۔ دوسرا آدمی کھڑا ہوا، اس نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے۔ ایک آدمی اور کھڑا ہوا اس نے پوچھا: ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ فرمایا: اگر ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولًا. يَارَسُولَ اللّٰهِ كُنَّا حَدِيثِي عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ فَلَاتُبْدِ سَوْآتِنَا وَلَا تَفْضَحْنَا بِسَرَائِرِنَا وَاعْفُ عَنَّا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الفضائل حدیث: ۱۲۵)

ترجمہ: ہم راضی ہوئے اللہ کے رب ہونے سے، اسلام کے دین ہونے سے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے سے۔ یارسول اللہ! ہمارا زمانہ جاہلیت سے قریب ہے۔ آپ ہماری برائیوں کو ظاہر نہ کریں اور ہمارے بھید کو کھول کر ہمیں رسوا نہ کریں۔ ہمیں معاف فرمائیں۔ اللہ آپ کی ناراضگی مٹائے۔

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے دلائل النبوہ اور البدایہ والنہایہ میں رسول اللہ ﷺ کے علم

غیب کے تعلق سے کثیر روایات مختلف سندوں کے ساتھ نقل کی ہیں۔ان کی کتاب البدایہ والنہایہ سے چند روایتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

﴿۱﴾ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔آپ کے ساتھ حضرت بلال ؓ بھی تھے۔آپ نے حضرت بلال ؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ابوسفیان، عتاب بن اسید، حارث بن ہشام (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔عتاب نے کہا: اللہ نے اُسید (عتاب کا باپ) پر کرم کیا کہ انہوں نے یہ آواز (اذان) نہ سنی (اس دن سے پہلے ان کو موت آ گئی) آج وہ یہ آواز سنتے تو ان کو غصہ آتا۔حارث بن ہشام نے کہا: سنو! بخدا اگر مجھے یقین ہوتا کہ یہ (محمد) حق پر ہیں تو میں ان کی پیروی کر لیتا۔ابوسفیان نے کہا: میں تو کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ اگر میں نے کچھ کہا تو یقین ہے کہ آس پاس کی کنکریاں میری بات ان (محمد ﷺ) کو بتادیں گی۔اتنے میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس پہنچ گئے۔

آپ نے فرمایا: جو کچھ تم نے ابھی کہا وہ مجھے معلوم ہو گیا۔پھر آپ نے ان کی بات ان کے سامنے بیان کر دی۔حارث اور عتاب نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں، بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔اگر ہماری مجلس میں ہم تین آدمیوں کے سوا کوئی چوتھا آدمی ہوتا تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ اس نے آپ کو ہماری بات بتادی ہے۔(ہم تینوں آدمی تو یہاں سے ہٹے بھی نہیں)

﴿۲﴾ ابوسفیان (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) فتح مکہ کے بعد بیٹھے ہوئے تھے اور دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ کاش محمد ﷺ کے لئے میں ایک بڑا لشکر جمع کیا ہوتا (تو آج شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا) ان کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے کندھے پہ ہاتھ مار کر فرمایا: ابوسفیان! پھر تو اللہ تجھے خوب رسوا کر دیتا۔یہ سن کر ابوسفیان ہکا بکا رہ گئے اور کہنے لگے پتہ نہیں اب تک مجھے کیوں یقین نہیں آیا کہ آپ نبی ہیں؟ (حالانکہ آپ غیب کی بات اور دلوں کا راز جان لیتے ہیں)۔

﴿۳﴾ فتح مکہ کے دن، پوری رات صحابۂ کرام نے تکبیر، تہلیل اور طواف کعبہ میں گزاری۔یہ دیکھ کر ابوسفیان نے اپنی بیوی ہند سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا یہ (مسلمانوں کی فتح) اللہ کی

طرف سے ہے؟ ہند نے کہا: ہاں! یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ صبح کو ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: تم نے ہند سے کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا یہ اللہ کی طرف سے ہے؟ تو ہند نے جواب دیا کہ ہاں! یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول اور اس کے محبوب بندے ہیں۔ قسم ہے اس کی، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، میں نے جو بات ہند سے کہی تھی میرے اور ہند کے علاوہ کسی نے وہ بات نہیں سنی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد۴ص ۱۳۶۳،۱۳۶۴ مکتبہ نزار مصطفےٰ الباز سعودی عربیہ ۲۰۰۷ء)

اس طرح کی احادیث وآثار بہت ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کو اللہ نے غیب کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ نے ماضی میں گزرے ہوئے اور مستقبل میں آنے والے بے شمار واقعات کے بارے میں خبر دی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بعض دلوں کے راز کو بھی مناسب موقعوں پر ظاہر فرمادیا ہے۔

مذکورہ احادیث وآثار سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو جَمِیۡعُ مَاکَانَ وَمَایَکُوۡنَ. یعنی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو ہوگا سب کا علم اللہ نے عطا فرمایا۔ یہی عقیدہ اہل سنت وجماعت کا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھنا بدعت وگمراہی ہے تو صحابہ کرام واسلاف امت جن کا یہ عقیدہ تھا ان کے بارے میں مخالفین اہل سنت کیا کہیں گے؟ کیا وہ بدعت وگمراہی پر تھے؟

وحی کے ذریعہ نبی ﷺ کو جو علم حاصل ہوا اسے علم غیب نہ ماننا جہالت ہے

اہل سنت وجماعت کے مخالفین مثلاً دیوبندی، تبلیغی، وہابی اور اہلِ حدیث کے علماء، لوگوں میں ایک غلط فہمی یہ پیدا کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو جو بھی علم حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ حاصل ہے اس لئے وہ غیب کا علم نہیں۔ یہ بات جہالت پر مبنی ہے۔ اگر یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ جو چیز وحی کے ذریعہ حاصل ہو اسے غیب نہیں کہیں گے تو سرے سے دین وشریعت، قرآن، بلکہ قرآن نازل فرمانے والے کو جھٹلانا لازم آئے گا۔ کیوں کہ ایمان بالغیب ہی دین اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ اللہ کی ذات اس کی صفات، جنت ودوزخ فرشتے، حشر ونشر، حساب وکتاب سب غیب ہیں اور ان کا علم نبی

کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ نبی کے علم غیب اور اللہ کے علم غیب میں ایک وجہ فرق یہ بھی ہے کہ نبی کو علم غیب وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم غیب ذاتی ہے۔ اس سے متصف ہونے میں اس کی ذات کسی ذریعہ و واسطہ کی محتاج نہیں، وہ ازل سے ہے۔ بذریعہ وحی جو علم حاصل ہے اسے اگر غیب نہیں کہا جائے گا تو قرآن حکیم میں اسے "غیب" کیسے کہا گیا؟ ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ یہ آیت صاف واضح کر رہی ہے کہ وحی سے جو علم حاصل ہوا وہ غیب ہے۔ بلکہ نبی کا مفہوم جب بھی دماغ میں آئے گا تو اس کے ساتھ وحی کے ذریعہ غیب کا علم رکھنے والا اور غیب کی خبر دینے والا مفہوم ذہن میں ضرور آئے گا۔

عربی لغت کی معتبر کتاب المنجد میں نبی کا معنی یہ لکھا ہے۔

وَالنَّبِیُّ الْمُخْبِرُ عَنِ الْغَیْبِ اَوِ الْمُسْتَقْبِلِ بِاِلْھَامٍ مِنَ اللّٰہِ، اَلْمُخْبِرُ عَنِ اللّٰہِ وَمَا یَتَعَلَّقُ بِہٖ تَعَالیٰ۔

ترجمہ: نبی کا معنی غیب کی یا مستقبل کی خبر دینے والا، اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ اور اللہ کی ذات اور اس کی صفات (وغیرہ) کی خبر دینے والا۔

امام زبیدی تحریر فرماتے ہیں:

اَلنَّبِیُّ الْمُخْبِرُ عَنِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ اَخْبَرَہٗ عَنْ تَوْحِیْدِہٖ وَ اَطْلَعَہٗ عَلیٰ غَیْبِہٖ وَاَعْلَمَہٗ اَنَّہٗ نَبِیُّہٗ۔ (تاج العروس للزبیدی: ۱/۱۲۱)

ترجمہ: نبی (کا معنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے (غیب کی) خبریں دینے والا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بارے میں نبی کو خبر دی اور اپنے غیب پر آگاہی دی اور یہ علم دیا کہ وہ اس کا نبی ہے۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَالْمَعْنیٰ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ اَطْلَعَہٗ عَلیٰ غَیْبِہٖ وَاَعْلَمَہٗ اَنَّہٗ نَبِیُّہٗ۔ (الشفاء ۱/۱۶۰)

ترجمہ: نبی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے غیب پر آگاہی دی اور یہ علم دیا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔

اتنی سیدھی سی بات مخالفین اہل سنت کی سمجھ میں نہ آئے تو انہیں کیا کہا جائے؟ یہ بات جب

قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو غیب کا علم دیا۔ کیسے دیا؟ ظاہر بات ہے کہ وحی کے ذریعہ دیا۔ نبی کی شان تو ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. (النجم: ۳) ۔ نبی اپنی مرضی سے بات نہیں کہتے، (جو فرماتے ہیں) وہ تو صرف وحی ہے، جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

قرآن وحدیث یا اقوال صحابہ یا محدثین ومفسرین یا آئمہ مجتہدین یا علماء ربانیین میں سے کسی کے حوالے سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جو بات نبی کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوئی وہ غیب نہیں۔ اس کے برعکس، قرآن وحدیث اور آثار صحابہ واقوال محدثین ومفسرین سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کے لئے علم غیب لازمی صفت ہے اور نبی وہی ہے جسے اللہ نے وحی کے ذریعہ غیب پر مطلع فرمایا ہے اور نبی نے غیب کی باتیں امت کو بتائیں۔

منکرین علم غیب رسول کے ایک عمومی اعتراض کا جواب

اہل سنت و جماعت کے مخالفین، دیوبندی، وہابی، اہل حدیث کی طرف سے رسول پاک ﷺ کے علم غیب کے انکار پر عموماً وہ آیتیں اور احادیث پیش کی جاتی ہیں، جن کا ظاہری مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا۔ اگر مخالفین اہل سنت و جماعت رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے انکار پر وہ آیات پیش کریں، جن میں آپ کے علم غیب کی نفی کی گئی ہے تو اہل سنت و جماعت کو ان سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ تمہارا ایمان پورے قرآن پر ہے یا بعض پر؟ اگر بعض پر ایمان ہے اور بعض پر ایمان نہیں تو یہ ایمان نہیں بلکہ کفر ہے۔ اگر پورے قرآن پر ایمان ہے تو صرف انہیں آیتوں کو کیوں مانتے ہو جن میں حضور ﷺ کے لئے علم غیب کی نفی کی گئی ہے اور ان آیتوں کو کیوں نہیں مانتے، جن میں اللہ کے برگزیدہ رسولوں کے لئے علم غیب ثابت کیا گیا ہے؟ مومن رہنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں طرح کی آیتوں کو مانا جائے۔ اہل سنت و جماعت دونوں طرح کی آیتوں کو مانتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جن آیتوں میں حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کی نفی کا ذکر ہے، وہاں علم غیب ذاتی کی نفی مراد ہے اور جن آیتوں میں علم غیب کے ثبوت کا ذکر ہے ان میں علم غیب عطائی مراد ہے۔ اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو علم غیب کی نفی والی اور علم غیب کے ثبوت والی آیتوں کو ماننے کی اور کیا صورت ہوگی؟ اہل سنت و جماعت کے مخالفین، دیوبندی، وہابی، اہل حدیث وغیرہ فرقے، صرف علم غیب کی نفی والی آیتوں کو مانتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو علم غیب حاصل نہیں اور ان آیتوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

للہ! انصاف سے بتایئے کہ وہ لوگ اہل حق ہیں جو پورے قرآن کو مانتے ہوئے نبی کے لئے علم غیب عطائی مانتے ہیں اور علم غیب ذاتی کی نفی کرتے ہیں، یا وہ لوگ حق پر ہیں جو ان آیتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں اس بات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسولوں کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔

منکرین علم غیب نبی کے ایک مشہور اعتراض کا جواب

رسول پاک ﷺ کے علم غیب کا انکار کرنے والے، اپنے انکار پر قرآن حکیم کی یہ آیات کریمہ عام طور پر پیش کرتے ہیں:

آیت: قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ. اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ. (الانعام: ۵۰)

ترجمہ: (اے نبی) آپ (کافروں سے) فرمادیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ (اے نبی) آپ فرمادیجئے کیا اندھا (کافر) اور آنکھ والا (مسلمان) برابر ہوسکتے ہیں۔ کیا تم نہیں سوچتے۔

سورۂ الانعام کی آیت ۵۹ میں ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ.

ترجمہ: اللہ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں نہیں جانتا مگر وہی۔

سورۂ الاعراف آیت ۱۸۸ میں نبی پاک ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا:

وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ.

ترجمہ: اور اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر حاصل کر لیتا اور مجھے تکلیف نہ پہنچتی۔

آیات مذکورہ کے ذریعہ مخالفین اہل سنت یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کو غیب کا علم حاصل نہیں تھا۔ منکرین اگر آیات مذکورہ سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو غیب کا علم عطا نہیں فرمایا، تو ان آیات میں اس بات کا ذکر نہیں۔ بلکہ سورہ ال عمران آیت ۴۴، ال عمران آیت ۱۷۹، سورۂ جن آیت ۲۶، ۲۷ سورۂ تکویر آیت ۲۴ سورۂ نساء آیت ۱۱۳۔ اور کثیر

احادیث وآثار صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے غیب پر مطلع فرمایا ہے اور نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ جن آیات میں نبی ﷺ کے علم غیب کی نفی گئی ہے وہاں مراد یہ ہے کہ رسول کا علم غیب اللہ کے علم غیب کی طرح علم ذاتی، محیط، غیر محدود، تفصیلی نہیں۔

اللہ کے نبی ﷺ نے اعلانِ توحید کے ساتھ اپنے رسول ہونے اور اللہ کا برگزیدہ بندہ ہونے کا اعلان فرمایا: کہ میں تمہارے پاس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، میں اللہ و معبود نہیں ہوں۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ کے علم غیب سے متصف ہوں۔ میں وہی کہتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ رسول پاک ﷺ کی بعثت کے بعد کا تیرہ سالہ مکی دور کفار و مشرکین مکہ کو دعوت توحید دینے میں گزرا۔ مشرکین مکہ کئی اعتبار سے شرک میں مبتلا تھے۔ وہ بتوں کو اپنا حاجت روا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ نبی پاک ﷺ نے بت پرستی کی مخالفت کی اور انہیں خدائے واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ مشرکین عرب نے کاہنوں اور نجومیوں کو غیب داں مان رکھا تھا۔ کاہنوں کے پاس جنات و شیاطین، عالم بالا کی کچھ خبریں چُرا کر لاتے تھے اور ان میں اپنی طرف سے کچھ جھوٹی باتیں شامل کر کے کاہنوں کو بتاتے تھے اور کاہن، لوگوں کو ان کے مستقبل کے خیر و شر کی خبریں دیتے تھے، جن میں سے کچھ صحیح ہوتی تھیں اور کچھ غلط۔ اللہ کے نبی نے جب مشرکین کے سامنے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان فرمایا تو انہوں نے کاہنوں کی طرح آپ سے بھی اپنے نفع و نقصان اور مستقبل کے خیر و شر کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں نجومیوں اور کاہنوں کے ظن و تخمین پر مبنی علم کی بنیاد پر خیر و شر کی خبر نہیں دیتا۔ میں ظنی و تخمینی علم کی بنیاد پر نہیں کہتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ میں تو وہی کہتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔ کاہنوں اور نجومیوں کے پاس علم غیب نہیں اور تم مجھے اُن جیسا سمجھ کر مجھ سے علم غیب سے متعلق سوال نہ کرو۔ کیوں کہ علم غیب میرے رب کی صفت ہے اس کے علم کی کوئی حد و انتہاء نہیں۔ اس کے علم سے کچھ بھی باہر نہیں۔ یہ علم کسی دوسرے کو حتی کہ مجھے حاصل نہیں۔ اگر میں اللہ و معبود، عالم الغیب ہوتا تو میرے خدا کی طرح میرے پاس خیر کا خزانہ ہوتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ

پہنچتی۔ کیوں کہ عالم الغیب رب تعالیٰ کو کوئی شر و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لہٰذا اے مشرکین مکہ تم مجھے علم غیب کا دعویٰ کرنے والے کاہنوں کی طرح نہ سمجھو اور نہ عالم الغیب، معبود و الٰہ سمجھو۔ نیز مشرکین عرب کہتے تھے کہ محمد ﷺ اگر رسول ہیں تو بازاروں میں کیوں چلتے پھرتے ہیں؟ کھاتے پیتے کیوں ہیں؟ شادی بیاہ کیوں کی؟ وہ ہمیں کیوں نہیں بتاتے کہ مستقبل میں ہمیں کون سی چیز نفع پہنچانے والی ہے اور کون سی چیز نقصان دینے والی ہے؟ اللہ کے نبی نے انہیں سمجھایا: میں نے تم سے کب کہا ہے کہ میں کوئی نیا نبی ہوں اور میں از خود معلوم کر لیتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ میں تو وہی کہتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے (الاحقاف ۹) اور میں نے تم سے کب کہا کہ میں کوئی فرشتہ ہوں؟ میں تو یہی کہتا ہوں کہ میں انسانوں کا رسول ہوں اور انسانوں کا رسول، اللہ اپنے برگزیدہ انسانوں میں سے سب سے برگزیدہ انسان کو بناتا ہے اور انسانوں میں دعوت و تبلیغ کا کام انجام دینے کے لئے بعض انسانی تقاضوں کو بھی اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔ ہاں اگر میں تم سے یہ کہتا کہ میں اللہ کا فرشتہ ہوں اور تمہارے پاس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں تو تمہارا یہ اعتراض بجا ہوتا کہ پھر یہ نبی کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے کیوں ہیں؟

رسول ﷺ کے علم غیب کی نفی سے متعلق آیات قرانیہ کا یہ پس منظر سامنے رکھتے ہوئے اب ذیل کی آیت کریمہ پڑھیے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ جن آیات میں رسول پاک ﷺ کے علم غیب کی نفی کا ذکر ہے ان میں علم غیب سے مراد علمِ الٰہی ہے، جو ذاتی، قدیم، غیر محدود ہے، جو اللہ کی صفت خاصہ ہے۔

قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ، اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ. (الانعام: ۵۰)

ترجمہ: اے نبی! آپ مشرکین سے فرمادیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا (دعویٰ نہیں کرتا) کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔

یہ آیت کریمہ اور اس کا پس منظر سامنے رکھتے ہوئے یہ بات بھی ہمارے جواب کی تائید کرتی

ہے کہ جن ایات میں نبی کے علم غیب کی نفی کا ذکر ہے وہ سب کی سب مکی ہیں۔مثلاً سورۂ انعام آیت: ۵۰،۵۹سورۂ اعراف آیت: ۱۸۸، سورۂ یونس آیت: ۲۰،سورۂ نمل آیت ۶۵،سورۂ لقمان آیت ۳۴اور سورۂ احقاف آیت ۹، ہود آیت:۳۱،۱۲۳۔الکہف آیت:۲۶۔

اس کے برعکس جن ایات میں رسول پاک ﷺ کے لئے علم غیب عطائی کا ذکر ہے وہ ایک آدھ کو چھوڑ کر سب مدنی ہیں۔مثلاً ال عمران آیت ۴۴،۱۷۹۔سورۂ جن آیت ۲۶، ۲۷،سورۂ نساء آیت ۱۱۳،سورۂ الفتح ۲۷،توبہ۳۹،نور۵۵اور سورۂ تکویر مکی آیت ۲۴سورۂ الروم ۳۔نیز کثیر احادیث صحیحہ آپ کے اخبار بالغیب اور مستقبل کے علم کے ثبوت پر وارد ہیں۔

اللہ کے نبی ﷺ کے لئے علم غیب عطائی کا ذکر مدنی ایات میں ہونے کی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ نبی پاک ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں آپ کا مشرکین سے نہیں بلکہ موحدین، اہل کتاب یہود سے سابقہ پڑا۔یہود توحید کو ماننے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر بھی یقین رکھتے تھے لیکن تورات کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے تورات میں آخری رسول کی صفات وعلامات کو پڑھنے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہیں کیا۔آپ نے ان میں تبلیغ جاری رکھی۔تھوڑے سے مسلمان ہوئے اور اکثر اپنی شرارت ودشمنی اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے سبب مدینہ سے نکالے گئے اور کچھ لوگ بظاہر اسلام قبول کر کے منافقین کی صورت میں باقی رہے۔انہوں نے اپنی خفیہ سازشوں سے مسلمانوں کی ضرر رسانی کا سلسلہ بند نہیں کیا۔گاہے بگاہے وہ رسول کے علم پر طعن کرتے تھے۔کبھی مذاق اڑاتے اور کہتے تھے کہ دیکھو! محمد ﷺ کہتے ہیں کہ قیامت تک جو بھی ان پر ایمان لانے والا ہے اسے وہ جانتے ہیں۔ حالانکہ ہم انہیں کے سامنے رہتے ہیں اور ہمارے بارے میں انہیں علم نہیں۔ نبی پاک ﷺ کو جب ان کے طعن کا علم ہوا تو آپ نے بر سر منبر اعلان فرمایا: لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ میرے علم پر طعن کرتے ہیں۔واللہ تم مجھ سے جو کچھ بھی پوچھو گے میں اس مقام پر کھڑے ہو کر تمہیں سب بتادوں گا۔اس طرح جب ضرورت پیش آئی تو نبی پاک ﷺ نے اس حقیقت کو ظاہر فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے خزانۂ غیب میں سے بے حساب علم غیب عطا فرمایا اور جب موقع آیا تو آپ نے

منافقین کے راز کو طشت از بام کرتے ہوئے انہیں دھتکار کر اپنی بارگاہ سے نکال دیا اور منافقین کے اس باطل خیال کو سر عام رسوا کر دیا کہ اللہ کے نبی کو غیب کا علم نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَّمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ. اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ. (لقمان:۳۴)

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ مینہ برساتا ہے اور جانتا ہے جو رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا؟ بے شک اللہ جاننے والا خبر دینے والا ہے۔

اس آیت کریمہ اور بعض احادیث کو پیش کرتے ہوئے نبی پاک ﷺ کے علم کو ناقص و کمتر ثابت کرنے کی نیت سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کو پانچ چیزوں کا علم نہیں تھا۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں:

﴿۱﴾۔قیامت کب آئے گی؟

﴿۲﴾۔بارش کب ہوگی؟

﴿۳﴾۔ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟

﴿۴﴾۔کوئی کل کیا کرے گا؟

﴿۵﴾۔کوئی کہاں مرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مغیبات خمسہ (پانچ مخصوص غیب) کا علم عطا فرمایا ہے

اوپر ذکر کردہ آیت کریمہ کی بنیاد پر یہ کہنا درست نہیں کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو عطا نہیں فرمایا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم نہیں دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ کچھ چیزیں جو آپ نہیں جانتے تھے اللہ نے آپ کو ان کا علم نہیں دیا۔ حالانکہ یہ بات قرآن کے خلاف

ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ترجمہ: اے نبی جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اللہ نے اس کا علم آپ کو دے دیا۔ اہل سنت وجماعت جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا تھا وہ کوئی نئی بات نہیں کہتے۔ بلکہ یہ بات محدثین ومفسرین نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے، دیکھئے ان پانچ چیزوں کے علم کے تعلق سے علامہ احمد صاوی متوفی ۱۲۴۱ھ حاشیہ الصاوی علی الجلالین میں تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ: اَلْحَقُّ لَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى تِلْكَ الْخَمْسِ وَلٰكِنَّهُ اَمَرَ بِكَتْمِهَا. (حاشية الصاوى على الجلالين: ۵/۱۳)

ترجمہ: علماء نے فرمایا ہے: حق یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا۔ مگر انہیں عام طور پر چھپانے کا حکم دیا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تعلق سے علامہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت میں انبیاء کے علم غیب کی نفی نہیں بلکہ اس میں نجومیوں اور کاہنوں کا رد ہے، جو آسمان کے ستاروں کی چال سے ان غیب کی باتوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ بارش کب ہوگی؟ کل کیا ہوگا؟ اسی طرح وہ قیامت وموت کے بارے میں بھی بحث کرتے تھے حالانکہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ کی طرح کسی نبی یا رسول یا مقرب فرشتہ کو بھی نہیں۔ جو شخص اللہ کی طرح ان کا علم کسی کے لئے مانے وہ کافر ہے۔ نجومی اور کاہن اپنے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتے تھے یا مشرکین عرب ان کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتے تھے، لہٰذا ان کے رد کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت سے مقصود، انبیاء سے مطلق علم غیب کی نفی کرنا نہیں۔

اس بات کی وضاحت کر دینے کے بعد امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں:

ثُمَّ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ يَعْلَمُوْنَ كَثِيْرًا مِّنَ الْغَيْبِ بِتَعْرِيْفِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِيَّاهُمْ وَالْمُرَادُ اِبْطَالُ كَوْنِ الْكَهَنَةِ وَالْمُنَجِّمِيْنَ وَمَنْ يَّسْتَسْقِيْ بِالْاَنْوَاءِ وَقَدْ يُعْرَفُ بِطُوْلِ التَّجَارِبِ اَشْيَاءُ مِنْ ذُكُوْرَةِ الْحَمْلِ وَاُنُوْثَتِهٖ اِلٰى غَيْرِ ذَالِكَ حَسْبَمَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ فِى الْاَنْعَامِ وَقَدْ تَخْتَلِفُ التَّجْرِبَةُ وَتَنْكَسِرُ الْعَادَةُ وَيَبْقَى الْعِلْمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَحْدَهٗ (تفسیر قرطبی ۱۴/ ۵۵ مکتبہ زکریا سہارنپور)

ترجمہ: پھر یہ ثابت ہے کہ انبیاء بہت سے غیب کا علم رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا سے۔آیت مذکورہ (انَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ علم السّاعۃ الخ) سے مراد کاہنوں اور نجومیوں اور ان لوگوں کا رد کرنا ہے جو ستاروں کو دیکھ کر (مستقبل کی خبریں دیتے تھے اور) بارش طلب کرتے تھے۔کبھی کثرت تجربات کی بنیاد پر کئی چیزوں کی جانکاری حاصل ہوجاتی ہے۔جیسے حمل لڑکا ہے یا لڑکی اور اس طرح کی اور چیز جس کا ذکر سورۃ الانعام کی تفسیر میں گزرا۔لیکن کبھی کبھی تجربہ غلط ہوجاتا ہے اور خلاف عادت وہ چیز واقع ہوجاتی ہے اور بہر حال یہ کہنا پڑتا ہے کہ علم صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔

امام ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں ایک جملہ تحریر فرمایا ہے اسی سے سارے اعتراضات ختم ہوجاتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

هٰذِهٖ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ الَّتِىْ اِسْتَاثَرَ اللّٰهُ تَعَالىٰ بِعِلْمِهَا،فَلَايَعْلَمُهَا اَحَدٌ اِلَّابَعْدَ اِعْلَامِهٖ تَعَالىٰ بِهَا. (تفسیر ابن کثیر ۲۱/۲۲۴،مطبوعہ جاملی محلہ ممبئی ۳)

ترجمہ: یہ مفاتح غیب (پانچ غیبوں کا علم) اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمالیا ہے۔ان کو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ کے علم عطا کرنے سے (اس کے مخصوص بندے جانتے ہیں)۔

علامہ الوسی نے نقل فرمایا ہے کہ پانچ چیزوں کے علم کی نفی اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے کی گئی ہے تو اللہ کے علم کی طرح علم محیط اور علم تفصیلی کی نفی کی گئی ہے۔علم اجمالی کی نفی مراد نہیں۔

چنانچہ علامہ الوسی تحریر فرماتے ہیں:

وَفِىْ شَرْحِ الْمُنَاوِى الْكَبِيْرِ لِلْجَامِعِ الصَّغِيْرِ فِىْ الْكَلَامِ عَلىٰ حَدِيْثِ بُرَيْدَةَ السَّابِقِ. خَمْسٌ لَايَعْلَمُهُنَّ اِلَّااللّٰهُ عَلىٰ وَجْهِ الْاِحَاطَةِ وَالشُّمُوْلِ كُلِّيًاوَجُزْئِيًّا فَلَايُنَافِيْهِ اطِّلَاعُ اللّٰهِ تَعَالىٰ بَعْضَ خَوَاصِّهٖ عَلىٰ بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ حَتّٰى مِنْ هٰذِهِ الْخَمْسِ لِاَنَّهَاجُزْئِيَّاتٌ مَعْدُوْدَةٌ وَاِنْكَارُ الْمُعْتَزِلَةِ لِذَالِكَ مُكَابَرَةٌ انْتَهٰى . (روح المعانی وفیض القدیر شرح جامع الصغیر ۳/۱۰۶)

ترجمہ: مناوی جامع صغیر کی شرح میں حضرت بریدہ کی حدیث سابق کے بارے میں لکھتے ہیں۔پانچ غیوب کو احاطہ کے طور پر پوری تفصیل کے ساتھ کہ ان کے تمام جزئیات کو محیط

اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لہذا یہ آیت اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض خاص بندوں کو بعض مغیبات کا علم دیا ہے حتی کہ ان پانچ میں سے بھی۔ کیوں یہ گنتی کے جزئیات ہیں۔ معتزلہ کا، اس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے۔

امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ (لَااَعْلَمُ الْغَيْبَ) اَىْ وَلَا اَدَّعِىْ كَوْنِىْ مَوْصُوْفًا بِعِلْمِ اللّٰهِ تَعَالىٰ. (تفسیر کبیر ۵۳۸/۴)

ترجمہ: اور قرآن میں جو نبی کا یہ قول مذکور ہے کہ "میں غیب نہیں جانتا" اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم سے موصوف ہوں۔

احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ ماں کے پیٹ میں جب نطفہ قرار پاتا ہے، تو وہ بچہ ناقص ہوگا یا کامل؟ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ اس کی عمر کیا ہوگی؟ یہ سب باتیں اللہ مخصوص فرشتے کو بتادیتا ہے تو پانچ چیزوں کا علم اللہ کے ساتھ خاص کہاں رہا؟ اس شبہ کو دور کرتے ہوئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

وَهٰذَا لَايُنَافِىْ الْاِخْتِصَاصَ وَالْاِسْتِئْثَارَ بِعِلْمِ الْمَذْكُوْرَاتِ بِنَاءً عَلىٰ مَاسَمِعْتَ مِنَّا مِنْ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْعِلْمِ الَّذِىْ هُوَلَهُ سُبْحَانَهُ، اَلْعِلْمُ الْكَامِلُ بِاَحْوَالِ كُلٍ عَلَى التَّفْصِيْلِ فَمَايَعْلَمُ بِهِ الْمَلَكُ وَيَطَّلِعُ عَلَيْهِ بَعْضُ الْخَوَاصِّ يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ دُوْنَ ذَالِكَ الْعِلْمِ بَلْ هُوَالْوَاقِعُ بِلَاشُبْهَةٍ.

ترجمہ: اور یہ (مخصوص فرشتے کا یہ جاننا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟) اس بات کے خلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں کے علم کو اپنے لئے خاص رکھا۔ کیوں کہ ان کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا علم کامل ہے، ہر ایک کی تفصیل کو اللہ جانتا ہے۔ لیکن فرشتے کو جو علم ہے اور بعض خواص کو جو علم اللہ نے دیا ہے یقیناً وہ علم اللہ کے علم کی طرح کامل و تفصیلی نہیں۔

علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے پتہ چلا کہ مذکورہ پانچ چیزوں کا علم محیط و علم تفصیلی، اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمالیا ہے۔ اللہ کے خاص بندوں (انبیاء و اولیاء) کو ان چیزوں کا جو علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح محیط اور تفصیلی نہیں۔

علامہ الوسی نے ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے قرطبی کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے

علاوہ اللہ کے خاص مقرب بندے (اولیاء) کرام کو بھی ان چیزوں کا علم ہو سکتا ہے، البتہ کوئی بھی ان چیزوں کا علم اپنے لئے نبی پاک ﷺ کے واسطے کے بغیر ثابت کرے تو وہ جھوٹا ہے۔

علامہ الوسی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

مَنْ ادَّعٰی عِلْمَ شَیْءٍ مِنَ الْخَمْسِ غَیْرَ مُسْنِدِهٖ اِلَی الرَّسُوْلِ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کَانَ کَاذِبًا فِیْ دَعْوَاهُ. (روح المعانی ۱۲/ ۱۶۸، ۱۶۹)

امام قرطبی کے قول مذکور کو امام عسقلانی کے علاوہ علامہ عینی ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ قسطلانی نے بھی نقل کیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

اَمَّا قَوْلُهٗ ﷺ، اِلَّا هُوَ فَمُفَسَّرٌ لَا یَعْلَمُ اَحَدٌ بِذَاتِهٖ وَمِنْ ذَاتِهٖ اِلَّا هُوَ لٰکِنْ قَدْ تُعْلَمُ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَاِنَّ ثَمَّةَ مَنْ یَعْلَمُهَا (بحوالہ روض النضیر شرح جامع صغیر خالص الاعتقاد : ۴۲)

ترجمہ: حضور ﷺ کا فرمان: ''اللہ کے سوا ان پانچ غیبوں کو کوئی نہیں جانتا سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا بالذات از خود کوئی نہیں جانتا، لیکن کبھی خدا کے معلوم کرانے سے انہیں جان لیتا ہے۔ یقیناً اس کے بعض مخصوص بندے ہیں جو انہیں جانتے ہیں۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچ کس اینہارا نہ داند وآنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آں راند اند، مگر آں کہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بدا ناند بوحی والہام وے (اشعۃ اللمعات ۱/۴۲)۔

''اللہ تعالیٰ کے سوا پانچ غیب کو کوئی نہیں جانتا'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر عقل کے حساب سے کوئی شخص نہیں جانتا اور یہ غیب ایسے ہیں کہ انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کسی کو علم دے وحی اور الہام کے ذریعہ۔

علامہ شنوانی جمع النہایہ میں لکھتے ہیں:

قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یُخْرِجِ النَّبِیَّ ﷺ حَتّٰی اَطْلَعَهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ. (خالص الاعتقاد ۴۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اس وقت تک (دنیا سے) نہیں اٹھایا جب تک کہ ہر چیز پر آپ کو مطلع نہیں کر دیا۔

شیخ عبدالعزیز دباغ تحریر فرماتے ہیں:

هُوَ ﷺ لَایَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْ الْاٰیَةِ الشَّرِیْفَةِ وَکَیْفَ یَخْفٰی عَلَیْهِ ذَالِکَ وَالْاَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِیْفَةِ یَعْلَمُوْنَهَا فَکَیْفَ بِالْغَوْثِ؟ فَکَیْفَ بِسَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ الَّذِیْ هُوَ سَبَبُ کُلِّ شَیْءٍ. (الابریز ۳۱۸ الباب العاشر)

ترجمہ: آیت کریمہ میں جن پانچ امور کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی اللہ کے رسول ﷺ پر پوشیدہ نہیں۔ آپ ﷺ پر کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ حالانکہ ان پانچ امور کو آپ کی امت کے سات قطب بھی جانتے ہیں اور قطب کا درجہ غوث سے کم تر ہے، تو اگلوں اور پچھلوں کے آقا (حضور ﷺ) کو کیسے علم نہیں؟ جب کہ ہر چیز کی تخلیق کا سبب آپ کی ذات ہے۔

علامہ ابراہیم بیجوری رحمہ اللہ شرح قصیدہ بردہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

لَمْ یَخْرُجِ النَّبِیُّ ﷺ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا بَعْدَ اَنْ اَعْلَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٰذِهِ الْاُمُوْرِ الْخَمْسَةِ.

(شرح قصیدہ بردہ ۷۴).

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو آپ کے وصال تک ہر شئی کا علم دیا گیا۔ پانچ غیب (قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہوگی؟ کل کون کیا کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟) ان میں سے ہر ایک کا علم اللہ نے آپ کو دیا ہے، لیکن حکمتوں کے پیش نظر عام طور سے چھپانے کا حکم دیا ہے اور بعض موقعوں پر بعض حکمتوں کے پیش نظر اللہ کی اجازت سے آپ نے ان میں سے بعض کو بیان بھی فرمادیا ہے۔

نبی پاک ﷺ کو قیامت کا علم تھا لیکن چھپانے کا حکم دیا گیا تھا

قرآن حکیم میں یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اس کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کا ذاتی و تفصیلی علم اور کامل علم، جسے علم محیط سے تعبیر کرتے ہیں وہ صرف اللہ کے پاس ہے اور اللہ کے نبی کو جو قیامت کا علم ہے وہ اللہ کے علم کی طرح نہیں، بلکہ وہ اللہ کے علم کے مقابلے میں جزئی، محدود و محاط ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں،

میں نے تفسیر کی معتبر کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا۔ ذیل میں کچھ مفسرین کرام کی کتابوں کے حوالے اور پیش کئے جاتے ہیں۔

سورۃ الجن کی آیت ۲۶ کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آنچہ بہ نسبت بہ ہمہ مخلوقات غیب است غیب مطلق، مثل وقت آمدن قیامت واحکام کونیہ وشرعیہ باری تعالیٰ در ہر روز و در ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علی التفصیل، این قسم راغیب خاص اوتعالیٰ نامند "فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا" یعنی پس مطلع نمی کندبر غیب خاص ہیچ کس را ... اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی مگر کسے راکہ پسند می کند وآں کس رسول می باشد، خواہ ازجنس ملک باشد، مثل جبریل و خواہ ازجنس بشر مثل حضرت مصطفیٰ وموسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ اورا اظہار بر بعضے از غیوب خاصہ می فرماید (تفسیر عزیزی پارہ ۲۹)۔

ترجمہ: ''جو چیز تمام مخلوق کی بہ نسبت غائب ہے وہ غیب مطلق ہے۔ جیسے وقوع قیامت کا وقت اور باری تعالیٰ کے روزانہ کے تکوینی (دنیاوی) احکام اور ہر شریعت کے شرعی احکام اور باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے تفصیلی حقائق۔ اس قسم کو اللہ تعالیٰ کا خاص غیب کہا گیا ہے۔ تو وہ اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس فرد کے جسے وہ پسند فرمالیتا ہے اور وہ فرد رسول ہوتا ہے۔ خواہ فرشتہ ہو جیسے جبرئیل علیہ السلام یا انسان جیسے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰات والتسلیمات۔ انہیں اپنے خاص غیبوں میں سے بعض پر مطلع فرمادیتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ اَطْلَعَ حَبِيْبَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى وَقْتِ قِيَامِهَا لَا عَلٰى وَجْهٍ يُحَاكِيْ عِلْمَهٗ تَعَالٰى اِلَّا اَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ اَوْجَبَ عَلَيْهِ كَتْمَهٗ لِحِكْمَةٍ وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ مِنْ خَوَاصِّهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ. (روح المعانی ۲۱/۱۱۳)

ترجمہ: یہ ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو قیامت آنے کے

وقت کا علم عطا فرمایا ہے، لیکن یہ علم ایسا علم نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم کے مشابہ ہو۔ مگر یہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے اسے چھپانا واجب کر دیا ہے۔ اور یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خاص صفتوں میں سے ہے۔

علامہ احمد صاوی علیہ الرحمہ آیت کریمہ:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا۔ (الاعراف: ۱۸۷)

کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

اَنَّهَا مِنَ الْاَمْرِ الْمَكْتُوْمِ الَّذِيْ اسْتَاْثَرَ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ فَلَمْ يُطْلِعْ عَلَيْهِ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضَاهُ مِنَ الرُّسُلِ ۔وَالَّذِيْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ الَّتِيْ تَحْصُلُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ، عَيْنَ يَقِيْنٍ لِمَا وَرَدَ "رُفِعَتْ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِيْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ وَوَرَدَ اَنَّهٗ اطَّلَعَ عَلَى الْجَنَّةِ وَمَا فِيْهَا وَالنَّارِ وَمَا فِيْهَا وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا تَوَاتَرَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ وَلٰكِنْ اُمِرَ بِكِتْمَانِ الْبَعْضِ۔ (الصاوی علی الجلالین ۲/۳۰۷)

ترجمہ: قیامت ایسا امر مخفی ہے جس کے علم کو اللہ نے اپنے لئے خاص فرمایا ہے۔ اس پر کسی کو آگاہی نہیں عطا فرمائی، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو اس کا علم عطا فرمایا ہے۔ اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے تمام غیبوں کا علم عطا فرمایا۔ آپ کو یہ سب غیب معلوم ہیں، عین الیقین کے طور پر۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے لئے دنیا کو سمیٹ کر سامنے کر دیا گیا ہے تو میں اس کو دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کو جنت و دوزخ اور اور جو بھی ان میں ہے اس کا علم ہے۔ اس پر تواتر کے ساتھ اخبار وارد ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کو چھپانے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

علامہ احمد صاوی متوفی ۱۲۴۱ھ سورۃ النازعات کی اسی مفہوم کی آیت ۴۲ کے تحت لکھتے ہیں:

فَلَا يُنَافِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ وَلٰكِنْ اُمِرَ بِكَتْمِ اَشْيَاءَ مِنْهَا. (حاشية الصاوی علی الجلالين: ۲۳۶/۶)

ترجمہ: یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے تمام غیبوں کا علم دے دیا۔ لیکن کچھ غیب کو چھپانے کا حکم دیا۔

علامہ صاوی مزید لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ (وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ) اِنْ قُلْتَ: اِنَّ هٰذَا يُشْكِلُ مَعَ مَاتَقَدَّمَ لَنَا اَنَّهُ اطَّلَعَ عَلٰى جَمِيْعِ مَغِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. وَالْجَوَابُ: اَنَّهُ قَالَ ذَالِكَ تَوَاضُعًا. اَوْاَنَّ عِلْمَهُ كَلَاعِلْمٍ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ لَاقُدْرَةَ لَهُ عَلٰى تَغْيِيْرِ مَاقَدَّرَاللّٰهُ وُقُوْعَهُ فَيَكُوْنُ الْمَعْنٰى حِيْنَئِذٍ، لَوْكَانَ لِيْ عَلْمٌ حَقِيْقِيٌّ بِاَنْ اَقْدِرَ عَلٰى مَااُرِيْدُ وُقُوْعَهُ لَاسْتَكْثَرْتُ الخ.

اِنْ قُلْتَ: اِنَّ دُعَاءَهُ مُسْتَجَابٌ لَايُرَدُّ اُجِيْبَ: بِاَنَّهُ لَايَشَاءُ اِلَّا مَايَشَاءُ اللّٰهُ فَلَوْاطَّلَعَ عَلٰى اَنَّ هٰذَا الشَّيْءَ مَثَلًا لَايَكُوْنُ كَذَا لَايُوَفَّقُ لِلدُّعَاءِ لَهُ، اِذْ لَايَشْفَعُ وَلَا يَدْعُوْ اِلَّا بِمَافِيْهِ اِذْنٌ مِنَ اللّٰهِ وَاطِّلَاعٌ مِنْهُ عَلٰى اَنَّهُ يَحْصُلُ مَادَعَابِهِ وَهُوَ سِرُّ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (مَنْ ذَالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ) وَفِيْ ذَالِكَ الْمَعْنٰى قَالَ الْعَارِفُ:

وَخَصَّكَ بِالْهُدٰى فِيْ كُلِّ اَمْرٍ
فَلَسْتَ تَشَاءُ اِلَّا مَايَشَاءُ

وَلِلْخَوَاصِّ مِنْ اُمَّتِهٖ حَظٌّ مِنْ هٰذَاالْمَقَامِ وَلِذَا قَالَ الْعَارِفُ اَبُوالْحَسَنِ الشَّاذِلِيُّ:
اِذَااَرَادَاللّٰهُ اَمْرًا اَمْسَكَ اَلْسِنَةَ اَوْلِيَاءِهٖ عَنِ الدُّعَاءِ سَتْرًا عَلَيْهِمْ لِئَلَّا يَدْعُوافَلَا يُسْتَجَابَ لَهُمْ فَيَفْتَضِحُوْا. (حاشيه الصاوی علی الجلالين ۳۰۷/۲ فيصل پبليكشنز ديوبند)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر میں غیب جانتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا۔ یہ بات تو اس بات کے خلاف ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی کہ نبی پاک ﷺ دنیا سے نہیں گزرے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے مغیبات کا علم دے دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے تواضع کے طور پر یہ فرمایا۔ یا یہ معنی ہے کہ آپ کا علم غیب اللہ کے علم کے بہ نسبت لاعلم ہے اس معنی کر کے کہ اللہ نے جس چیز کے واقع ہونے کو مقدر فرما دیا ہے اس کو بدلنے کی آپ کو قدرت نہیں۔

تو اب معنی یہ ہوا "اگر مجھے علم حقیقی (علم ذاتی) ہوتا بایں طور کہ میں (اللہ کے ارادے کے بغیر) اپنے ارادے کے مطابق جو چاہتا کر سکتا تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا۔ پھر اگر تم یہ اعتراض کرو کہ نبی کی دعا تو بہر حال مقبول ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی رب سے کچھ چاہیں اور رب عطا نہ فرمائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر نبی کو یہ معلوم ہوا کہ فلاں چیز حاصل ہونے والی نہیں تو آپ کو اس کی دعا کرنے سے اللہ کی طرف سے روک دیا گیا اور آپ نے اس کی دعا نہیں فرمائی۔ کیوں کہ نبی سفارش اور دعاء نہیں کرتے مگر اسی چیز کی جس کی دعا کا اللہ کی طرف سے اذن ملتا ہے اور یہ آگاہی ملتی ہے کہ وہ چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی حکمت ہے اللہ کے ارشاد کی: مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ. الخ کون ہے جو اس کے پاس سفارش کرے اس کے اذن کے بغیر؟۔ کسی عارف نے کہا ہے۔

اللہ نے آپ کو خاص کیا ہدایت کے ساتھ ہر معاملے میں تو آپ نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔

نبی پاک ﷺ کی امت کے خواص (اولیاء) میں سے بعض کو اس مقام سے حصہ ملتا ہے۔ یہی بات عارف باللہ امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی امر کو لازم فرمانا چاہتا ہے تو اپنے اولیاء کی زبانوں کو اس کے خلاف دعا کرنے سے روک دیتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ دعا کریں اور دعا نا مقبول ہونے کی وجہ سے لوگوں میں ان کی رسوائی ہو۔

شارح بخاری امام قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ تحریر فرماتے ہیں:

(وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ) اَحَدٌ (اِلَّا اللّٰهُ) وَاِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَطَّلِعُ عَلٰی مَایَشَاءُ مِنْ غَیْبِهٖ وَالْوَلِیُّ التَّابِعُ لَهٗ یَاْخُذُ عَنْهُ. (ارشاد الساری ۷/ ۱۸۶)

ترجمہ: اور کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ مگر اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ رسول جانتا ہے۔ کیوں کہ اسے اللہ اپنے غیب میں سے جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور ولی جو رسول کے پیروکار ہوتے ہیں وہ غیب کا علم رسول سے لیتے ہیں۔

معتبر مفسرین و محدثین کی کتابوں کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ

کو قیامت کا علم عطا فرمایا ہے، لیکن حکمت کی وجہ سے اسے عام لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ کیوں کہ قرآن میں ہے کہ قیامت اچانک آئے گی۔ اگر رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو قیامت آنے کا وقت بتادیتے تو اچانک آنے کی بات بے معنی ہو جاتی اور کلام اللہ کا کذب لازم آتا۔

حضور ﷺ کو قیامت کا علم چھپانے کا حکم دیا گیا تھا اس لئے آپ نے امت کو نہیں بتایا کہ قیامت کب آئے گی؟ لیکن قیامت کی علامتوں کو بیان کر کے یہ اشارہ بھی دے دیا کہ قیامت کب آئے گی، اس کا علم آپ کو ہے۔ قیامت کے قریب کیا کیا علامتیں ظاہر ہوں گی حضور ﷺ نے بتادیا۔ یہ بھی فرمادیا کہ جمعہ کے دن آئے گی۔ لوگ اپنے کام میں مصروف ہوں گے اور اس قدر اچانک اور تیزی سے آئے گی کہ آدمی اپنا کام سمیٹ بھی نہ پائے گا۔ یہ ساری تفصیلات بتادیں لیکن متعین سال، مہینہ اور وقت تفصیل سے نہیں بتایا، کیوں کہ اس کے چھپانے کا حکم تھا۔ حدیث جبرئیل میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جارہا ہے، وہ اس کو سائل (جبرئیل) سے زیادہ نہیں جانتا۔ کچھ لوگ اس کا غلط مفہوم نکالتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو قیامت کا علم نہیں تھا۔ حالانکہ حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قیامت کا علم نہیں۔ حدیث مذکور کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اس بارے میں آپ کو جو علم ہے کہ قیامت اچانک آئے گی اس سے زیادہ مجھے بھی اس کا علم نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ عام بندوں کو نہ بتایا جائے کہ قیامت کب آئے گی بلکہ اسے لوگوں سے چھپایا جائے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے درخواست کی کہ پھر قیامت کی کچھ علامات ہی بیان کر دیجئے تو آپ نے قیامت کی علامتیں بیان فرمائیں۔ کیوں کہ ان کو چھپانے کا حکم نہیں تھا۔ حدیث جبرئیل میں غور کیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم صرف حضور ﷺ کو ہی نہیں تھا بلکہ اس کا علم رسول ملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی حاصل تھا۔ یہاں اگر یہ کہا جائے کہ جب جبرئیل علیہ السلام کو معلوم تھا تو پوچھا کیوں؟ تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور علامات قیامت کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس

میں آدمی کی شکل میں آ کر جو سوال کیا تھا وہ امت کی تعلیم کیلئے تھا۔ یہ سوال اس لئے نہیں تھا کہ یہ چیزیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو معلوم نہ تھیں۔ حدیث کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ باتیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو معلوم تھیں۔ کیوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب حضور ﷺ سے سوال کیا اور آپ نے جواب دیا تو آپ کے جواب پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ باتیں معلوم تھیں۔ وہ سوال و جواب کے ذریعہ لوگوں کو دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام چلے گئے تو حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ عمر جانتے ہو یہ کون تھے؟ حضرت عمر نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو معلوم تھا کہ قیامت کے علم کو چھپانے کا حکم ہے تو پھر انہوں نے حضور ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قیامت کے بارے میں سوال کیا اور حضور ﷺ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ قیامت فلاں وقت آئے گی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ قیامت کی نشانیوں کے بارے میں پوچھا تو حضور نے قیامت کی نشانیاں بیان کیں۔ اس سے امت کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں اگر کوئی پوچھے کہ قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہوگی؟ کل کوئی کیا کرے گا۔ کون کہاں مرے گا؟ ماں کے پیٹ میں بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ تو ادب یہ ہے کہ جواب میں یہ کہہ دیا جائے: ان چیزوں کا علم اللہ کو ہے! البتہ قیامت کے بارے میں کوئی پوچھے تو بس اس کی نشانیاں بتا دی جائیں۔ جیسا کہ رسول ﷺ نے صرف نشانیاں بتائیں۔

چنانچہ جب ایک سائل جو کسی دیہات سے حضور ﷺ کے پاس آیا تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کئے۔ اس نے کہا: میری بیوی حمل سے ہے۔ مجھے بتائیں لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ ہمارے شہر میں سوکھا پڑ گیا ہے، فرمایئے بارش کب ہوگی؟ مجھے معلوم ہے میں کب پیدا ہوا۔ آپ مجھے بتائیں میں کب مروں گا؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰـهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ

اَلْغَیْثَ ۔حضور ﷺ نے یہ آیت اس کے سامنے پڑھ کر یہ تعلیم دی کہ ان چیزوں کے بارے میں کوئی سوال کرے تو جواب میں یہی کہنا چاہئے کہ انہیں اللہ ہی جانے ۔(ملخص از تفسیر ابن کثیر)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ "بُعِثْتُ اَنَاوَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ "قَالَ وَضَمَّ السَّبَّابَۃَ وَالْوُسْطٰی.(صحیح بخاری . صحیح مسلم حدیث:۷۴۰۸،سنن ترمذی ۲۲۱۴)

ترجمہ:حضرت انس ﷺ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے زمانۂ بعثت اور قیامت کے درمیان ان دوانگلیوں کے درمیان کے فاصلہ کی طرح ہے۔ حضرت انس ﷺ نے فرمایا کہ حضور نے کلمۂ شہادت کی انگلی اور بیچ والی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا:

نبی پاک ﷺ کو علم تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ لیکن آپ کو اُسے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا کہ اس کا علم کسی کے سامنے ظاہر نہ فرمائیں۔ اگر آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب میں یہ فرمادیں کہ اس کا علم اللہ کو ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے حدیث مذکور کے بعد یہ تحریر فرمایا:

وَمَعَ ھٰذَا کُلِّہٖ قَدْاَمَرَہُ اللّٰہُ تعالیٰ اَنْ یَّرُدَّ عِلْمَ السَّاعَۃِ اِلَیْہِ اِذَا سُئِلَ عَنْھَا (تفسیر ابن کثیر ۲۲۹/۹)

ترجمہ:ان تمام باتوں (قیامت کی علامتوں اور قرب قیامت کی نشانیوں کو بیان کرنے) کے باوجود آنحضرت ﷺ کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا کہ جب آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ جواب میں یہ کہہ دیں کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔

رسول خدا ﷺ کی بعثت بندوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور جنت کی بشارت سنانے کے لئے ہوئی تھی۔ اللہ نے آپ کو بشیر ونذیر بنایا۔ آپ کی صفت نذیر کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ اللہ کے بندوں کے سامنے اس بات کا اظہار نہ فرماتے کہ قیامت کب آئے گی؟ تا کہ بندے ہمیشہ قیامت اور اللہ کے عذاب کا خوف کرتے رہیں۔

اس حکمت کے پیش نظر اللہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو اس مخصوص غیب (قیامت کب آئے گی؟) کے علم کو بندوں میں عام کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ اس لئے حضور پاک ﷺ نے صرف انہیں غیوب کو بیان فرمایا جن کو بیان کرنے کی رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی اور قیامت کے علم کے تعلق سے اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ سے جب قیامت کے بارے میں پوچھا جائے کہ کب

آئے گی تو آپ جواب میں صرف یہ کہہ دیں کہ اس کا علم اللہ کو ہے۔ کیوں کہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ قیامت اچانک آئے گی۔ اللہ فرماتا ہے: لَاتَاْتِیْکُمْ اِلَّابَغْتَةً۔(الاعراف ۱۸۷) چنانچہ اللہ نے اپنی کتاب میں بندوں کے لئے یہ بیان فرمایا کہ قیامت کب آئے گی اور نہ ہی اپنے نبی کو یہ بیان کرنے کی اجازت دی۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

لَمْ یُبَیِّنْهَالِاَحَدٍ حَتّٰی یَکُوْنَ الْعَبْدُ اَبَدًاعَلٰی حَذَرٍ.(تفسیر القرطبی ۷/۲۱۳)

ترجمہ: اللہ نے قیامت کب آئے گی؟ اس بات کو کسی کے لئے بیان نہیں فرمایا تا کہ بندے اللہ کے عذاب اور قیامت سے ڈرتے ہیں۔

علامہ فخر الدین رازی نے تحریر فرمایا:

لِیَتَحَقَّقَ فِی الْقُلُوْبِ اَنَّ وَقْتَ السَّاعَةِ مَکْتُوْمٌ عَنِ الْخَلْقِ فَیَصِیْرُ حَامِلًا لِلْمُکَلَّفِیْنَ عَلَی الْمُسَارَعَةِ اِلَی التَّوْبَةِ وَاَدَاءِ الْوَاجِبَاتِ.(تفسیر کبیر ج۵ جز۱۵ ص۶۸)

ترجمہ:(نبی ﷺ کو قیامت کا علم اللہ کے سپرد کردینے کا حکم اس لئے دیا گیا) تا کہ دلوں میں یہ بات جم جائے کہ قیامت کے وقت کو مخلوق سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔تا کہ یہ بات بندوں کی توبہ اور اداءِ واجبات میں جلدی کرنے کا سبب بن جائے۔

امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ الْمُحَقِّقُوْنَ وَالسَّبَبُ فِیْ اِخْفَاءِ السَّاعَةِ عَنِ الْعِبَادِ اَنَّهُمْ اِذَا لَمْ یَعْلَمُوْا مَتٰی تَکُوْنُ کَانُوْا عَلٰی حَذَرٍ مِنْهَا. فَیَکُوْنُ ذَالِکَ اَدْعٰی اِلَی الطَّاعَةِ وَاَزْجَرَ عَنِ الْمَعْصِیَةِ.

(تفسیر کبیر ج ۵جز۱۵ ج ۱۰ ص ۶۹)

ترجمہ: محققین نے فرمایا کہ بندوں سے قیامت کے وقت کو چھپانے کا سبب یہ ہے کہ جب بندوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ قیامت کب آئے گی تو اس سے وہ ڈرتے رہیں گے اور اس کی وجہ سے طاعت میں لگے رہیں گے اور معصیت سے بچتے رہیں گے۔

حضرت حسن بصری اور قتادہ سے منقول ہے کہ قریش نے نبی پاک ﷺ سے اپنی قرابت داری کا واسطہ دے کر پوچھا تھا: یَامُحَمَّدُ بَیْنَنَاوَبَیْنَکَ قَرَابَةٌ فَاذْکُرْلَنَامَتَی السَّاعَةُ ؟(اے محمد ﷺ)

ہمارے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے، لہٰذا ہمیں بتادو کہ قیامت کب آئے گی؟ (حوالہ سابق)

باوجوداس کے نبی پاک ﷺ نے منشائے الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے قریش کو نہیں بتایا کہ قیامت کب آئے گی؟ بلکہ وہی جواب دیا جو رب تعالیٰ نے دینے کا حکم دیا تھا۔

تفسیر خازن میں امام علاء الدین بغدادی متوفی ۷۲۵ھ نے تحریر فرمایا:

قَالَ قَتَادَةُ قَالَتْ قُرَيْشُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ قَرَابَةً سِرًّا اِلَيْنَا مَتَى السَّاعَةُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ جَبْلُ بْنُ اَبِىْ قَبْشِيْرِ وَشمول بنُ زَيْدٍ وَهُمَا مِنَ الْيَهُوْدِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَامُحَمَّدُ اَخْبِرْنَا مَتَى السَّاعَةُ؟ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا كَمَا تَقُوْلُ، فَاِنَّا نَعْلَمُ مَتَى السَّاعَةُ؟ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ.

(تفسير خازن ۲/ ۳۲۱، ۳۲۲)

ترجمہ: قتادہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے قریش نے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان قرابت داری ہے، تو آپ ہمیں چپکے سے بتادیں کہ قیامت کب آئے گی؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہودیوں میں سے جبل بن ابی قبشیر اور شمول بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں خبر دیجئے کہ قیامت کب آئے گی؟ تاکہ ہم جان لیں کہ قیامت کب آئے گی؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نبی پاک ﷺ حکم خداوندی کے بموجب کسی کو نہیں بتاتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ جب یہود نے پوچھا تو آپ نے وہی جواب دیا جو رب نے حکم دیا تھا کہ "اس کا علم اللہ کے پاس ہے" قریش نے اپنی قرابت داری کا واسطہ دے کر پوچھا تو بھی آپ نے نہیں بتایا کہ قیامت کب آئے گی؟ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قریش کو بھی یقین تھا کہ آپ ﷺ کو قیامت کا علم ہے لیکن چھپا رہے ہیں، اگر آپ کو اپنی قرابت داری کا واسطہ دیا جائے تو شاید یہ راز ہمیں بتادیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ بارش کب ہوگی؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کو بتایا کہ سات سال تم پر قحط سالی رہے گی، اس کے بعد

بارش ہوگی اور خوش حالی آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ. ثُمَّ يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ. ثُمَّ يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ. (یوسف: ۴۷، ۴۸، ۴۹)

ترجمہ: (اہل مصر سے) یوسف علیہ السلام نے کہا تم لوگ دائمی عادت کے مطابق مسلسل سات برس تک کاشت کروگے۔ تو جو کھیتی تم کاٹو اسے اس کے خوشوں (اناج کی بالیوں) میں چھوڑ دینا مگر تھوڑا نکال لینا، جتنا تم کھاتے ہو (سال بھر) پھر اس کے بعد سات (سال) بہت سخت (خشک سالی کے) آئیں گے وہ اس (جمع شدہ اناج) کو کھا جائیں گے، جو تم ان کے لئے جمع کرتے تھے مگر تھوڑا سا (بچ جائے گا) جو تم محفوظ کرلوگے۔ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں کو (خوب) بارش دی جائے گی اور (اس سال اس قدر پھل ہوں گے کہ) لوگ اس میں (پھلوں کا) رس نچوڑیں گے۔

فائدہ: حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال کی قحط سالی کے بعد ہونے والی بارش اور اس سے پیدا ہونے والی ہریالی وخوش حالی کی پہلے ہی خبر دے دی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بارش کب ہوگی؟ اس کا علم اللہ نے دیا تو ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ اپنے پیارے نبی آنحضرت ﷺ کو اللہ نے اس کا علم نہیں دیا؟ آپ تو اولین وآخرین میں سب سے زیادہ فضیلت اور علم والے ہیں۔ اور اللہ نے آپ سے فرمایا کہ ہم آپ کو ان سب چیزوں کا علم دے دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ فرشتہ کو اللہ علم عطا فرماتا ہے

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا:

يَدْخُلُ الْمَلَكُ عَلَى النُّطْفَةِ بَعْدَ مَا تَسْتَقِرُّ فِی الرَّحِمِ بِاَرْبَعِيْنَ اَوْ خَمْسَةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَشَقِیٌّ اَمْ سَعِيْدٌ فَيُكْتَبَانِ فَيَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى فَيُكْتَبَانِ وَيُكْتَبُ

عَمَلَهُ وَاَثَرَهُ وَاَجَلَهُ وَرِزْقَهُ ثُمَّ تُطْوَى الصُّحُفُ فَلَا يُزَادُ فِيهَا وَلَا يُنْقَصُ.

(صحیح مسلم، کتاب القدر حدیث: ۶۷۲۵)

ترجمہ: جب نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے تو چالیس یا پینتالیس راتوں کے بعد وہاں ایک فرشتہ آتا ہے۔ وہ کہتا ہے اے رب! یہ برا ہوگا یا نیک؟ تو لکھ دیا جاتا ہے کہ برا ہوگا یا نیک۔ پھر فرشتہ کہتا ہے اے رب! یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ تو لکھ دیا جاتا ہے لڑکا ہے یا لڑکی۔ پھر فرشتہ اس کا عمل اور اس کا اثر (چھوڑی جانے والی چیز) لکھ لیتا ہے۔ اس کی عمر، اس کا رزق بھی لکھ لیتا ہے، پھر صحیفے بند کر دیئے جاتے ہیں اور لکھے ہوئے میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خبر دیتے ہوئے جو کہا تھا اس کو قرآن نے یوں بیان کیا۔

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا. (مریم ۱۹)

ترجمہ: (جبرئیل علیہ السلام نے کہا) میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (اس لئے آیا ہوں) تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پہلے ہی فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی تھی۔ قرآن حکیم میں ہے۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ. (الذاریات ۲۸)

ترجمہ: فرشتے بولے: آپ اندیشہ نہ کریں اور فرشتوں نے ابراہیم کو ایک صاحب علم لڑکے کی بشارت دی۔

فائدہ: ابھی شکم مادر میں کسی شئی کا نام ونشاں نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں کو علم دے دیا کہ سارہ کے بطن سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر ۹۰ سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو دس یا پندرہ سال تھی۔

معلوم ہوا کہ اللہ اپنے فرشتوں کو اپنے اس غیب کا علم دیتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اور اللہ کے علم دینے سے فرشتے کو علم ہو جاتا ہے۔

ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی

حدیث: حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا کی راویت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا:

رَأَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكَ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ. (مشكوة المصابيح: ٥٧٦. مسند احمد ٢٦٣٣٤، ٢٦٣٣٨)

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اِنَّ اُمَّ الْفَضْلِ مَرَّتْ بِهٖ ﷺ فَقَالَ اِنَّكِ حَامِلٌ بِغُلَامٍ فَاِذَا وَلَدْتِهٖ فَاْتِيْنِيْ بِهٖ قَالَتْ فَلَمَّا وَلَدْتُهُ اَتَيْتُهُ بِهٖ فَاَذَّنَ فِيْ اُذُنِهِ الْيُمْنٰى وَاَقَامَ فِيْ اُذُنِهِ الْيُسْرٰى وَاَلْبَاهُ مِنْ رِيْقِهٖ وَسَمَّاهُ عَبْدَاللّٰهِ فَقَالَ اِذْهَبِيْ بِاَبِي الْخُلَفَاءِ قَالَتْ فَاَخْبَرْتُ الْعَبَّاسَ فَاَتَاهُ فَذَكَرَ لَهٗ ذَالِكَ فَقَالَ هُوَ مَا اَخْبَرْتُكَ هٰذَا اَبُو الْخُلَفَاءِ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمُ السَّفَّاحُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمُ الْمَهْدِيُّ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّيْ بِعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ.

(المواهب الدنيه ٢٥٤/٧ تاريخ الخلفاء ص١٨، بحواله محدث ابو نعيم فى الدلائل)

ترجمہ: ام الفضل رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ نے فرمایا: آپ ایک بیٹے کی ماں بننے والی ہیں۔ جب وہ پیدا ہو تو میرے پاس لے آیئے۔ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ جب میرے ہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی تو میں اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے لڑکے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور کھجور چبا کر لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو لے جاؤ۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عباس سے حضور ﷺ کا ارشاد بیان کیا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کا ذکر کیا جو آپ نے فرمائی تھی، تو آپ نے فرمایا ویسا ہی ہوگا جیسا میں نے کہا۔ یہ خلفاء کا باپ ہوگا، یہاں تک کہ اس کی نسل سے سفاح ہوگا اور اسکی نسل سے مہدی ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ بھی اس کی نسل سے ہوگا جو عیسی ابن مریم کو

نماز پڑھائے گا۔

حدیث: طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابراہیم ان کے شکم میں تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَانِیْ فَبَشَّرَنِیْ اَنَّ فِیْ بَطْنِهَا مِنِّیْ غُلَامًا وَاَنَّهٗ اَشْبَهُ الْخَلْقِ بِیْ وَاَمَرَنِیْ اُسَمِّیَهٗ اِبْرَاهِیْمَ وَكَنَانِیْ بِاَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ. (کنز العمال حدیث: ۳۲۲۱۴)

ترجمہ: جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے خوشخبری سنائی کہ ماریہ کے پیٹ میں مجھ سے ایک لڑکا ہے، وہ تمام مخلوق سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کا نام ابراہیم رکھوں اور جبرئیل نے میری کنیت ابوابراہیم رکھی۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے خبر دی کہ رحم مادر میں کیا ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ کے علم غیب کی وسعت تو بڑی بات ہے۔ حضور کے فیض سے مستفیض ہونے والے بعض خواص کو بھی یہ نعمت ملتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے انہیں "غابہ" کے مقام پر کچھ کھجور کے درخت ہبہ کئے تھے۔ ان سے بیس وسق (تقریبا ۲۶ کوئنٹل ۱۲ کلوگرام) کھجوریں آتی تھیں۔ جب حضرت ابوبکر ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ اے میری بیٹی! مجھے یہ بات سب سے زیادہ پسند ہے کہ تم میرے بعد محتاج نہ رہو۔ میرے بعد تمہاری مفلسی میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف دینے والی ہے۔ میں نے تمہیں کچھ درخت دئے تھے۔ ان سے بیس وسق کھجوریں آتی تھیں۔ اگر تم نے ان پر قبضہ کر لیا ہوتا تو وہ تمہارے ہو جاتے۔ اب وہ میراث کا مال ہے۔ تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، لہٰذا تم سارے مال کو اللہ کی کتاب کے مطابق تقسیم کرنا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا۔ ابا جان! مال کتنا بھی زیادہ ہوتا میں چھوڑ دیتی، لیکن مجھے یہ بتایئے

کہ میری بہن تو صرف ایک ہے وہ ہے اسماء۔ لیکن دوسری کون ہے؟ حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا:
ذُوْبَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ اُرَاهَا جَارِيَةً ۔ وہ بنت خارجہ (حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی دوسری بیوی) کے پیٹ میں ہے۔ میں دیکھتا ہوں وہ لڑکی ہے۔ (موطا امام مالک کتاب الاقضیہ حدیث: ۱۴۶۵)۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے جو فرمایا تھا وہی ہوا۔ بنت خارجہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ حدیث کی مشہور و معتبر کتاب موطا امام مالک کی اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کو اللہ نے یہ علم دیا تھا کہ بنت خارجہ کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے لڑکی کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی خبر دی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو نقل فرمایا اور اس واقعہ کا انکار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے خاص بندے کبھی اللہ کی عطا سے یہ جان لیتے ہیں کہ شکم مادر میں بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ جب حضرت ابوبکر ﷺ کی یہ شان ہے تو جس نبی مکرم کی بدولت ابوبکر کو یہ شان ملی، ان کی عظمت و وسعت علم کا کیا کہنا۔

کل کیا ہوگا؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے خبر دی

اگر چہ گذشتہ دلیلوں کے ذکر کرنے کے بعد اس بات کے ثبوت پر مزید دلیل دینے کی ضرورت نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو آنے والے کل کا علم تھا۔ پھر بھی کچھ اور دلیلیں بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

آیت کریمہ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ پہلے ذکر کی گئی اور اس کے تحت احادیث اور مفسرین کرام کے اقوال بھی ذکر کئے گئے کہ گذشتہ زمانے میں جو کچھ ہوا اور آئندہ زمانے میں جو کچھ ہوگا سب کچھ ایک مجلس میں رسول پاک ﷺ نے بیان فرمایا (حوالۂ سابق) اور اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کو دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک کہ دنیا و آخرت کے تمام غیب کی باتیں نہیں بتائیں۔

قرآن پاک جب یہ فرماتا ہے کہ اللہ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور تمام چیزوں میں آئندہ کل ہونے والی چیز بھی داخل ہے، تو اللہ نے آپ کو اس کا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو وہ تمام احکام شرعیہ سکھائے جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اس سے آئندہ کل ہونے والی چیزوں کا علم مراد نہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ قیامت کے آنے سے پہلے جو بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی وہ، اور احوال قیامت، حشر ونشر، حساب وکتاب، جنت ودوزخ کے احوال، جنتیوں اور دوزخیوں کے احوال وغیرہ بے شمار چیزیں، یہ سب مستقبل میں ہوں گی یا نہیں؟ اور یہ سب شرعی امور ہیں یا دنیاوی؟ ہر با شعور مسلمان کہے گا کہ یہ سب آئندہ ہونے والے شرعی امور ہیں۔ اور یہ بھی دلائل سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے یہ سب امور امت کو بتائے: لہٰذا مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سے احکام شرعیہ مراد ہوں پھر بھی یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کل ہونے والی چیزوں کا علم اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ ذیل میں کچھ آئندہ کل ہونے والے مخصوص واقعات کے تعلق سے روایتیں ذکر کی جارہی ہیں، جن کی خبر حضور ﷺ نے ان واقعات کے رونما ہونے سے پہلے ہی دے دی تھی۔

بعض کفار کے مرنے کی جگہ حضور ﷺ نے پہلے ہی بتا دی

حدیث: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قریش کا ہراول پستہ بدر کے مقام پر پہنچا تو ان میں قبیلہ بنو الحجاج کا ایک سیاہ فام غلام بھی موجود تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑ لیا اور اس سے ابوسفیان اور انکے ساتھیوں کے بارے میں پوچھنے لگے۔ اس نے کہا: مجھے ابوسفیان کے بارے میں علم نہیں۔ ہاں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ ابن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے مارا پیٹا تو اس نے کہا، ہاں میں تم کو بتاتا ہوں۔ وہ ہیں ابوسفیان۔ پھر جب اسے مارنا پیٹنا چھوڑ دیتے اور پوچھتے تو وہ کہتا مجھے ابوسفیان کا پتہ نہیں، لیکن ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ ابن خلف لوگوں میں موجود ہیں۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے مارنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو کر نماز

پڑھ رہے تھے۔آپ نے نماز پوری کرنے کے بعد فرمایا۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔جب یہ لڑکا تم سے سچ کہتا ہے تو تم اسے پیٹتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو اسے چھوڑ دیتے ہو۔پھر آپ نے فرمایا۔

هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا.قَالَ فَمَا مَاتَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. (صحيح مسلم كتاب الجهاد ۲/۱۰۲ باب غزوة بدرٍ)

ترجمہ: یہ فلاں کے (قتل ہوکر) گرنے کی جگہ ہے اور حضور ﷺ اپنا دست مبارک ادھر ادھر رکھ کر اشارہ فرماتے جاتے تھے،حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرنے والے کفار میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کے ہاتھ سے نشان لگی ہوئی جگہ سے ادھر ادھر نہ مرا۔

ابھی میدان بدر میں جنگ شروع نہ ہوئی تھی۔تلواریں نیام سے باہر نہ نکلی تھیں،لیکن غیب کی خبریں دینے والے رسول ﷺ نے میدان جنگ کا نقشہ پہلے ہی ملاحظہ فرمالیا اور قتل ہونے والے سرداران قریش کی قتل گاہ کی نشاندہی فرمادی اور جو کچھ فرمایا وہی ہوا۔

امام نووی شارح صحیح مسلم اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

وَفِيْهِ مُعْجِزَتَانِ مِنْ اَعْلَامِ النُّبُوَّةِ اَحَدُهُمَا اِخْبَارُهُ ﷺ بِمَصْرَعِ جَبَابِرَتِهِمْ فَلَمْ يَتَعَدَّ مَصْرَعَهُ. اَلثَّانِيَةُ اِخْبَارُهُ ﷺ بِاَنَّ الْغُلَامَ الَّذِىْ كَانُوْا يَضْرِبُوْنَهُ يَصْدُقُ اِذَا تَرَكُوْهُ وَيَكْذِبُ اِذَا ضَرَبُوْهُ وَكَانَ كَذَالِكَ فِىْ نَفْسِ الْاَمْرِ. (شرح نووى على صحيح مسلم)

ترجمہ: اس حدیث میں حضور ﷺ کے دو معجزوں کا ذکر ہے، جو آپ کی نبوت کی دلیلوں میں سے ہیں۔ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کے ظالم سرداروں کی قتل گاہوں کو بتادیا اور کسی کا قتل حضور ﷺ کی نشاندہی کے خلاف تھوڑا سا بھی ادھر ادھر دوسرے مقام میں نہ ہوا۔دوسرا معجزہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جس لڑکے کو مار رہے تھے اس کے بارے میں حضور ﷺ نے یہ بتادیا کہ جب صحابہ اس کو مارنا چھوڑتے ہیں تو وہ سچ بولتا ہے اور جب اسے مارتے ہیں تو وہ جھوٹ بولتا ہے اور معاملہ حقیقت میں ایسا ہی تھا۔

حضور ﷺ نے خبر دی کہ کل علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوگا

حدیث: بخاری شریف باب غزوۃ خیبر میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن فرمایا:

لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُوْنَ لَيْلَتَهُمْ اَيُّهُمْ يُعْطَاهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُعْطَاهَا فَقَالَ اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالُوْا هُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ قَالَ فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَاءَ فَبَصَقَ فِيْ عَيْنِهٖ وَدَعَالَهٗ فَبَرَاَ حَتّٰى كَانَ لَمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ. (بخاری حدیث: ۳۷۰۱،۳۷۰۲)

یہی حدیث مسلم شریف کتاب الفضائل میں بھی ہے۔اس کے آخر میں ہے:

فَاَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّايَةَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (حضور ﷺ نے فرمایا) میں کل یہ جھنڈا ضرور ایسے آدمی کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائے گا۔وہ آدمی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔حضرت سہل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ،لوگوں نے آپس میں غور وخوض کرتے ہوئے رات گزاری کہ کل جھنڈا کس کے ہاتھ میں دیا جائے گا؟ جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک یہ امید لگائے ہوئے تھا کہ شاید جھنڈا اسے دیا جائے گا۔حضور ﷺ نے فرمایا: علی ابن ابو طالب کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔آپ کے حکم کے مطابق علی رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور ان کی صحت کے لئے دعا فرمائی۔(اسی وقت) انہیں ایسی صحت ملی کہ گویا (آنکھوں) میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔پھر حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا دیا۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

دیکھئے! حضور ﷺ نے یہ بھی بتادیا کہ مسلمانوں کو کل فتح ملے گی اور فتح سے پہلے حضرت علی ؓ کے ہاتھ میں جھنڈا دے کر یہ بھی بتادیا کہ کس کے ہاتھ سے فتح ملے گی؟

بخاری و مسلم شریف کی اس حدیث کے پڑھنے کے بعد بھی کیا کسی کو کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس بات کا علم دیا تھا کہ کل کیا ہوگا؟ اور کون کل کیا کرے گا؟

نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ کو ان کی موت کا وقت بتادیا

حدیث: بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہراء کو قریب بلایا اور ان کے کان میں چپکے سے کچھ کہا تو وہ رونے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا بات تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے چپکے سے میرے کان میں کہا کہ اب میری وفات کا وقت آچکا ہے۔ میں دنیا سے جانے والا ہوں۔ میں یہ سن کر رونے لگی اور جب آپ نے فرمایا کہ فاطمہ! میری وفات کے بعد میرے گھر والوں میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی، تو میں خوشی سے ہنسنے لگی۔ بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ کون کب مرے گا؟ جیسا کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ وہ آپ کے بعد آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے وفات پانے والی ہیں۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لَاتَبْكِيْ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ "فَضَحِكْتُ" (حدیث: ۴۴۳۳، ۴۴۳۴، ۳۶۲۳، ۳۶۲۴)

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: (بیٹی) مت رو، میرے گھر والوں میں سے تو ہی سب سے پہلے مجھ سے ملے گی۔ حضرت فاطمہ ہنس پڑی۔ حدیث کے اخری الفاظ ہیں: فَاَخْبَرَنِيْ اَنِّيْ اَوَّلُ اَهْلِهٖ يَتْبَعُهٗ فَضَحِكْتُ. حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ آپ کے گھر والوں میں، میں سب سے پہلے آپ کی وفات کے بعد آپ سے ملوں گی تو میں خوشی سے ہنس پڑی۔

اس سلسلے میں بخاری و مسلم شریف کی ایک حدیث اور پڑھئے۔

حدیث: عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی کسی بیوی نے آپ سے پوچھا: آپ کی وفات کے بعد ہم (ازواج مطہرات) میں سے کون سب سے پہلے آپ سے ملنے والی ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے وہ ہے، جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ ازواج مطہرات نے ایک دوسرے کے ہاتھ کی پیائش شروع کر دی کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ (ام المومنین) سودہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والی تھیں۔ لیکن بعد میں (جب کہ سب سے پہلے ام المومنین زینب کی وفات ہوئی) ہم کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ والی سے حضور ﷺ کی مراد زیادہ صدقہ دینے والی تھی۔ کیوں کہ زینب کو صدقہ کرنا بہت پسند تھا۔ (بخاری کتاب الزکاۃ حدیث: ۱۴۲۰۔ مسلم باب فضائل زینب حدیث: ۶۳۱۶)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ کون کب مرے گا؟

تنبیہ: واضح رہے کہ امام بخاری سے حدیث مذکور کے متن کے نقل میں تسامح ہوا ہے۔ ان کی روایت میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تعلق سے ہے فَكَانَتْ سَوْدَةُ اَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ اَنَّمَا كَانَتْ طُوْلَ يَدِهَا الصَّدَقَةُ وَ كَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهٖ وَ كَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ.
بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت سودہ کا انتقال ہوا حالانکہ تمام اصحاب سیر و تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا اور حضور ﷺ کی مراد بھی حضرت زینب سے تھی۔ کیوں کہ ازواج مطہرات میں وہی سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی تھیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں اس کی صراحت موجود ہے۔ مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: قَالَتْ فَكَانَتْ اَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ. حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والی زینب تھیں۔ کیوں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور صدقہ کرتی تھیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے اپنا مدفن بتادیا

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع کے اس حصے میں تشریف لے گئے جس کو ''حش کوکب'' کہا جاتا ہے۔ آپ نے وہاں کھڑے ہوکر ایک جگہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''عنقریب یہاں ایک مرد صالح دفن کیا جائے گا'' اس کے کچھ دنوں کے بعد آپ کی شہادت ہوئی۔ بلوائیوں نے بہت زیادہ ہنگامہ کیا اور آپ کو حضور ﷺ کے روضہ کے پہلو میں دفن ہونے نہیں دیا اور جنت البقیع کے اس حصے میں بھی دفن ہونے نہیں دیا، جہاں بڑے بڑے صحابہ کرام مدفون تھے، بلکہ ایک الگ تھلگ جگہ جسے ''حشِ کوکب'' کہتے تھے، وہاں اسی مقام میں آپ کو دفن کیا گیا جس کی پہلے ہی آپ رضی اللہ عنہ نشاندہی کر چکے تھے۔ (ازالۃ الخفاص ۲۲۷)

کتب احادیث وتفاسیر کے حوالوں سے ثابت کر دیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام امور غیبیہ کا علم عطا فرمایا، لیکن بعض حکمتوں کے پیش نظر آپ نے بعض غیوب کی خبر عام لوگوں کو نہیں دی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا بھی علم عطا فرمایا۔

﴿۱﴾۔ قیامت کب آئے گی؟ آپ کو اس کا علم تھا لیکن حکمت الہیہ کے پیش نظر آپ کو چھپانے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے آپ نے اس کی خبر لوگوں کو نہیں دی۔ بلکہ تعیین وقت کی خبر سے گریز کرتے ہوئے اس کی ساری تفصیلات کی خبر دے دی حتی کہ اتنا بھی بتادیا کہ قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ (مشکوٰۃ باب الجمعہ)۔

﴿۲﴾۔ بارش کب آئے گی؟ اس کی بھی خبر آپ نے دی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس کی خبر دی، جیسا کہ دلائل پہلے گزر گئے۔

﴿۳﴾۔ شکم مادر میں کیا ہے؟ یہ بھی آپ نے بتایا۔ جیسا کہ اس کی دلیلیں بھی گزریں۔

﴿۴﴾۔ کوئی کل کیا کرے گا؟ بعض موقعوں پر اس کی بھی خبر آپ نے دی۔ اس کی بھی

دلیلیں گزریں۔

﴾۵﴿۔کون کہاں مرے گا؟اس کی بھی خبر آپ نے دی۔اس کی بھی دلیلیں گزریں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں جو کچھ ہوا اور آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے سب کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی وفات تک عطا فرمایا لیکن بعض علوم غیب کو اللہ کے حکم کے بموجب حضور اکرم ﷺ نے لوگوں سے چھپایا۔آپ نے انہیں علوم غیب کی خبر دی جن کو بیان کرنے کا آپ کو اذن الٰہی ملا۔یہی عقیدہ اہل سنت و جماعت کا قرن اول سے آج تک چلا آرہا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی وسعتِ علم پر سب سے پہلے منافقین نے اعتراض کیا تھا، پھر بعد میں کچھ گمراہ فرقوں مثلاً وہابی، دیوبندی، غیر مقلد، اہلِ حدیث وغیرہ نے آنحضرت ﷺ کے علم غیب کا انکار کیا۔بلکہ بعض گستاخوں نے آپ کے علم کو جانوروں پاگلوں کے علم کی طرح کہا اور بعض نے شیطان کے علم کو آپ ﷺ کے علم سے زیادہ بتایا اور اپنا ایمان تباہ کرلیا۔رسول پاک ﷺ کی وسعت علم پر اعتراض کرنا منافقوں کی علامت ہے۔اللہ تعالیٰ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو منافقوں کی اس بری عادت سے بچائے۔

انبیاء علیہم السلام سے مدد مانگنا جائز ہے

اہل سنت و جماعت کے مخالفین (دیوبندی، وہابی، اہل حدیث) رسول پاک ﷺ سے مدد مانگنے کو کبھی شرک کہتے ہیں، کبھی بدعت کہتے ہیں اور کبھی حرام۔ چونکہ یہ باطل پرست اور گمراہ ہیں۔ ان کے عقائد گمراہ کن ہیں، اس لئے وہ اپنے کسی ایک موقف پر قائم نہیں رہتے، کوئی ان پڑھ سنی ملے گا تو اس کے سامنے کہہ دیں گے کہ یہ بدعت ہے اور جب کسی سنی عالم دین کا سامنا ہوگا تو راہ فرار اختیار کرلیں گے یا بحث سے دامن بچالیں گے یا پھر اپنی جہالت کا اعتراف کرنے کے باوجود اپنے پیشواؤں کو سنی علماء کے سامنے لانے سے کترائیں گے اور ان کے باطل پرست ظاہر ہونے کے باوجود ان کے موقف سے الگ نہیں ہوں گے۔

یہاں پر ہم شرعی دلیلوں سے ثابت کریں گے کہ انبیاء کرام سے مدد مانگنا نہ شرک ہے، نہ بدعت وضلالت ۔ سب سے پہلے اہل سنت کا موقف جان لیا جائے، اس کے بعد اس پر دلیلیں پیش کی جائیں گی۔ اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ انبیاء کرام بالخصوص ہمارے آقا و مولیٰ قاسم نعمت نبی رحمت سیدنا محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی مدد کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ ان کی یہ طاقت اللہ کی عطا کی ہوئی ہے۔ جو انہیں خدا سمجھ کر پکارے یا یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر دوسروں کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں تو اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہے۔ کوئی جاہل سے جاہل سنی مسلمان بھی کسی نبی کے بارے میں ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔ ہر سنی مسلمان یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی، اللہ کے برگزیدہ محبوب بندے ہیں۔ اللہ نے انہیں اپنے عام بندوں سے بہت زیادہ تصرف کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ وہ پکارنے والے سے دور رہ کر بھی اس کی فریاد سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور ان کی مدد کرنے کی بھی طاقت رکھتے ہیں۔ جب اللہ نے انہیں دوسروں کی مدد کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے تو ان سے مدد مانگنا نہ شرک ہے نہ حرام، بلکہ جائز ہے۔ اب ذیل میں ہم اس پر دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (النساء: ٦٤)

ترجمہ: اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر کے (گناہ کر کے) اے نبی! آپ کی بارگاہ میں آتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول ان کے لئے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا، رحم کرنے والا پاتے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ﷺ میں سے جب کسی سے کوئی خطا سرزد ہوتی تھی تو وہ رسول پاک ﷺ کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہوکر درخواست پیش کرتے کہ یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا، مجھے ہلاکت سے بچایئے۔ مجھے گناہوں سے پاک فرمایئے۔ حضور ﷺ انہیں توبہ کراتے اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرماتے تھے۔ صحابہ کرام ﷺ اپنی دنیاوی حاجتوں میں بھی آپ سے مدد حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور حضور ﷺ ان کی مدد بھی فرماتے تھے۔

مسلم شریف جلد دوم ص ۲۵۶ میں حضرت انس ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے۔

اِنَّ امْرَاَةً كَانَ فِىْ عَقْلِهَا شَىْءٌ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِىْ حَاجَةً فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ اُنْظُرِىْ اَىَّ السِّكَكِ شِئْتِ حَتّٰى اَقْضِىَ لَكِ حَاجَتَكِ فَخَلَا مَعَهَا فِىْ بَعْضِ الطُّرُقِ حَتّٰى فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا.

ترجمہ: ایک عورت، جس کی عقل میں کچھ نقص تھا، اس نے رسول پاک ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ، آپ سے مجھے ایک ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! دیکھو جس راستے میں تم چاہو میں تمہاری ضرورت پوری کردوں۔ کسی راستے میں اس عورت نے حضور پاک ﷺ کو تنہائی میں اپنی ضرورت بتائی۔ آپ نے اس کی ضرورت پوری فرمادی۔

حدیث: بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ان کے والد احد کی جنگ میں شہید ہو چکے تھے اور ان پر قرض تھا۔ انہوں نے چھ بیٹیاں بھی چھوڑی تھیں۔ (وہ فرماتے ہیں کہ) جب کھجوروں کے توڑے جانے کا وقت آیا تو میں

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا (یارسول اللہ) آپ کو معلوم ہے، میرے والد احد کی جنگ میں شہید ہو گئے ہیں اور ان کے ذمہ بہت زیادہ قرض ہے۔ میں چاہتا ہوں (کہ آپ میرے باغ میں تشریف لائیں) کہ قرض خواہ، آپ کو دیکھیں (اور قرض کی ادائیگی پر مجھے مجبور نہ کریں) حضور ﷺ نے فرمایا تم جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کا الگ الگ ڈھیر باغ کے ایک گوشہ میں لگا دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ویسا ہی کیا جیسا حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ پھر میں نے حضور ﷺ کو باغ میں بلایا۔ جب قرض خواہوں نے آپ کو باغ میں دیکھا تو وہ مجھے غصہ سے دیکھنے لگے، گویا اس وقت میری وجہ سے ان کو غیرت آئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے قرض خواہوں کا حال دیکھا کہ وہ پورا قرض وصول کرنے کے ارادے سے آئے ہیں تو آپ نے کھجور کے سب سے بڑے ڈھیر کے چاروں طرف تین مرتبہ چکر لگایا، پھر کھجوروں کے سب سے بڑے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا۔ بلاؤ اپنے قرض خواہوں کو۔ (قرض خواہ آگئے) تو آپ انہیں تول تول کر کھجوریں دیتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا پورا قرض ادا فرما دیا۔ اس وقت میں یہ چاہتا تھا کہ اللہ کسی طرح میرے والد کا قرض ادا فرمائے، اگرچہ میں کھجور کا ایک دانہ بھی گھر لے کر نہ جاؤں۔ لیکن میرے والد کا پورا قرض بھی اللہ نے ادا کر دیا اور اللہ نے کھجور کے تمام ڈھیر کو بچا لیا۔ یہاں تک کہ جس ڈھیر کے پاس نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے، میں دیکھ رہا تھا کہ اس ڈھیر سے کھجور کا ایک دانہ بھی کم نہیں ہوا۔ (حدیث: ۲۷۸۱، ۲۷۰۹، ۲۳۹۵، ۲۴۰۵، ۲۶۰۱)

فائدہ: بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو سخت مشکل گھڑی پیش آئی تھی۔ باغ میں اتنی کھجوریں نہیں تھیں کہ وہ ان سے اپنے والد کا قرض ادا کرتے۔ قرض خواہوں کا دباؤ بھی بہت زیادہ تھا۔ رسوائی کا خطرہ تھا۔ ایسی مشکل گھڑی میں جب کوئی ظاہری سبب ان کے پاس اس مشکل کے حل کے لئے نظر نہیں آرہا تھا تو ان کی نظر حضور رحمۃ للعالمین کی طرف گئی اور انہوں نے آپ سے فریاد کی، مدد مانگی اور حضور ﷺ نے ان کی مدد فرما کر ان کی مشکل حل فرما دی۔

بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب یہ واقعہ گزر گیا تو حضرت جابر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے سامنے یہ واقعہ بیان کررہے تھے تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: عمر غور سے سنو جابر کیا کہہ رہے ہیں؟ جب حضرت جابر نے اپنا واقعہ بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! ہمیں یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی یہ آپ کا معجزہ ہے جو آپ کی رسالت کی دلیل ہے)۔

جس طرح حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ سے مدد مانگنے کا ثبوت موجود ہے اسی طرح بعد وفات بھی آپ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ اور اس کا شرعی ثبوت موجود ہے۔ کیوں کہ بعد وفات آپ اپنی قبر مبارک میں جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور جس طرح دنیا میں آپ کو علم، قدرت اور سننے دیکھنے اور مدد کرنے کی طاقت حاصل تھی، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ قبر کی زندگی میں آپ کی روح کو وہ قوت حاصل ہے۔

امام جلال الدین سیوطی، شیخ تقی الدین سبکی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

حَیَاةُ الْاَنْبِیَاءِ وَالشُّهَدَاءِ فِیْ الْقَبْرِ کَحَیَاتِهِمْ فِیْ الدُّنْیَا.

ترجمہ:: انبیاء وشہداء کی قبر کی زندگی ویسی ہے جیسی دنیاوی زندگی تھی پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

وَالْاِدْرَاکَاتُ کَالْعِلْمِ وَالسَّمَاعِ فَلَا شَکَّ اَنَّ ذَالِکَ ثَابِتٌ لَهُمْ وَلِسَائِرِ الْمَوْتٰی.

ترجمہ: جاننا اور سننا بلاشک وشبہ ان کے لئے ثابت ہے بلکہ تمام مُردوں کے لئے۔

(انباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء/۱۹)

یہی بات امام غزالی کے حوالے سے میں نے حیات انبیاء کے باب میں ذکر کی ہے۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبر کی زندگی دنیاوی زندگی کی طرح ہے تو جس طرح ان کی حیات ظاہری میں ان سے مدد مانگنا جائز تھا، بعد وفات بھی ان سے مدد مانگنا جائز ہے۔ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں، سوا اس کے کہ انہیں ایسا مردہ مانا جائے جس کے اندر کوئی طاقت وقدرت نہ ہو۔ یا یہ کہ شریعت نے ان سے مدد مانگنے کو ناجائز قرار دیا ہو۔ حالانکہ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ جائز ہونے کی دلیلیں موجود ہیں، انبیاء کو مردہ سمجھنا کہ انہیں کچھ شعور وعلم اور قدرت نہیں احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کرنا ہے اور انبیاء سے ان کی وفات کے بعد انہیں مردہ سمجھ کر مدد نہ مانگنا یا مدد مانگنے کو ناجائز کہنا سخت گمرہی ہے۔

حدیث: مشکوۃ شریف بـاب السُّجُوْدِوَفَضْلِهٖ میں مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی ﷛ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ نے بیان کیا: سَلْ (مانگو) میں نے عرض کیا؟ میں جنت میں حضور ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اور بھی کچھ؟ میں نے کہا بس یہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر تو کثرت نوافل کے ذریعہ میری مدد کرو۔

فائدہ: اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ حضور ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ آپ مانگنے والے کی ہر مانگ پوری فرما سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنے کو اندر سے مجبور سمجھتے تو حضرت ربیعہ سے یہ نہ فرماتے کہ مانگو جو کچھ مانگنا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ محض ڈینگ مارنا ہوتا اور حضور ﷺ کے لئے یہ بات ناممکن ہے، اس لئے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ حضور ﷺ خود کو بااختیار سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ سائل جو بھی سوال کرے گا، آپ اسے دینے پر قادر ہیں۔ نیز صحابی رسول حضرت ربیعہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ سے جو بھی مانگا جائے گا اسے عطا کرنے پر حضور قدرت رکھتے ہیں۔ انکا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ سے جنت میں رفاقت مانگوں گا تو حضور وہ بھی عطا فرما سکتے ہیں۔ اگر حضرت ربیعہ اندر سے یہ سمجھتے ہوتے کہ حضور ﷺ جنت میں اپنی رفاقت دینے پر قادر نہیں پھر بھی وہ آپ سے جنت میں رفاقت مانگتے تو حضور ﷺ کے ساتھ ان کا یہ استہزاء ہوتا اور صحابی رسول، بلکہ کسی مومن صادق کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رسول پاک ﷺ سے استہزاء کرے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر خدا سے مدد مانگنا شرک نہیں۔ اگر شرک ہوتا تو حضور ﷺ حضرت ربیعہ کو ایسے سوال سے روک دیتے اور یہ فرماتے کہ تم ہرگز مجھ سے جنت میں رفاقت نہ مانگو۔ میں اللہ نہیں اور جو اللہ نہیں اس سے مدد مانگنا شرک ہے۔ حضور ﷺ نے ربیعہ کو جنت میں آپ کی رفاقت کے سوال سے نہ روکا بلکہ فرمایا اَوَغَیـــر ذالک ؟ یعنی اس کے علاوہ اور بھی کچھ مانگتے ہو؟ جو مانگتے ہو وہ تو منظور ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے مدد مانگنا جائز ہے اور بعد وفات بھی مدد مانگنا جائز ہے کیوں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ پھر حدیث پاک میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ کبھی افضل بھی مفضول سے بعض اعتبار سے مدد مانگے تو حرج نہیں۔ جیسا کہ حضور نے ربیعہ

سے فرمایا کہ تو کثرت نوافل سے میری مدد کرو۔

اس حدیث پاک کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکٰوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

"واز اطلاق سوال که فرمود سَلْ و تخصیص نه کرد بمطلوبے خاص معلوم شود که کار همه بدست همت و کرامت اوست، هر چه خواهد هر کرا خواهد باذن پرور دگار خود بدهد"

ترجمہ: حضور ﷺ نے مطلقاً فرمایا کہ مانگو اور کسی خاص مطلوب کے سوال کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ ہر کام حضور ﷺ کے دست ہمت و کرامت میں ہے، جسے چاہیں جو چاہیں اپنے پروردگار کی اجازت سے عطا فرمائیں۔

اگر نبی سے مانگنا شرک یا حرام ہے تو کیا مخالفین یہ کہیں گے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی معاذ اللہ مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے تھے یا ایک حرام چیز کو حلال سمجھتے تھے۔ اور اگر غیر اللہ سے غیر معمولی چیز میں مدد مانگنا شرک ہے تو مخالفین اہل سنت صحابی رسول حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کہیں گے؟ انہوں نے تو حضور ﷺ سے جنت میں رفاقت مانگ لی تھی۔ ذیل میں کچھ اکابر اہل سنت و جماعت کے حوالے سے اس عقیدے کا ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔

امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا   وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ترجمہ: (یارسول اللہ ﷺ) دنیا اور اس کی حاجتیں آپ کی بخشش کا حصہ ہیں۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ہے۔

اہل حدیث کا عالم شیخ البانی نے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے مقبول بارگاہِ رسول، قصیدہ بردہ شریف جو آج بھی روضۂ رسول کی جالیوں پہ لکھا ہوا ہے، کے شعر مذکور کو "شرک پر مشتمل شعر لکھا ہے اور معاذ اللہ حضرت امام بوصیری کو مشرک قرار دیا ہے۔

(حاشیۃ الالبانی علی شرح العقیدۃ الطحاویہ ۲۰ دار الغد الجدید القاہرہ)

البانی جیسے کتنے ہی ایسے ابن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں جن کے نزدیک وہابیہ کے سوا سوادِ اعظم اہل سنت مشرک ہیں۔

چنانچہ عبدالعزیز، سید ابراہیم صادق، جمال ثابت تینوں کی نام نہاد تحقیق کے ساتھ حال ہی میں دارالحدیث القاہرہ سے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کی کتاب ''الزواجر عن اقتراف الکبائر'' مطبوع ہوئی ہے۔ اس کے مقدمہ میں ترجمۃ المؤلف کے عنوان کے تحت علامہ ابن حجر کے تعلق سے ''عقیدۃ'' کا ذیلی عنوان قائم کر کے اس میں یہ لکھا ہے کہ شیخ ابن حجر، باقلانی، ابن فورک، قاضی عیاض اور حافظ سیوطی یہ سب بدعات کے کیچڑ میں سنے ہوئے تھے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ مما یقول الظالمون۔**

کونین کی نعمتوں کا مالک، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بنایا ہے۔ اللہ کے اذن سے جسے آپ چاہیں نعمتیں عطا فرمائیں قرآن حکیم میں ہے وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم: ۴) بے شک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ خُلُق کا ایک معنی علامہ احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۳۰ھ نے یہ ذکر فرمایا ہے: هُوَ الْجُوْدُ بِالْكَوْنَيْنِ وَالتَّوَجُّهُ اِلٰى خَالِقِهِمَا خلق کا معنی دنیا و آخرت کی نعمتیں دینا اور کونین کے خالق کی طرف توجہ کرنا۔ (خطبۂ نور الانوار) خُلُق کے اس معنیٰ کے اعتبار سے آیت کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ اے نبی آپ خلق عظیم کی صفت پر ہیں۔ کونین کے خالق کی طرف متوجہ رہنے والے اور لوگوں کو کونین کی نعمتیں عطا فرمانے والے ہیں۔ اور خُلق کا یہ معنی نبی پاک ﷺ کے لئے مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح میں ہے: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ (میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے) اور یہ حدیث بھی ہے وَ اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنُ الْاَرْضِ ترجمہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں۔

حضور ﷺ کے غلام حضرت مُوَیْهِبَہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَا اَبَا مُوَيْهِبَةَ اِنِّىْ قَدْ اُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الدُّنْيَا وَالْخُلْدِ فِيْهَا ثُمَّ الْجَنَّةِ فَخُيِّرْتُ بَيْنَ ذَالِكَ وَبَيْنَ لِقَاءِ رَبِّىْ، قُلْتُ: بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ خُذْ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الدُّنْيَا وَالْخُلْدَ فِيْهَا ثُمَّ الْجَنَّةَ، قَالَ: لَا وَاللّٰهِ يَا اَبَا مُوَيْهِبَةَ لَقَدِ اخْتَرْتُ لِقَاءَ رَبِّىْ. (سنن دارمی مقدمہ باب ۱۴ حدیث ۷۸)

ترجمہ: اے ابو مویہبہ مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں اور یہ اختیار دیا گیا ہے کہ

چاہوں تو دنیا میں ہمیشہ (قیامت تک) رہوں، پھر جنت میں جاؤں یا یہ کہ (مجھے موت آئے اور) اپنے رب سے ملاقات کروں۔ ابو مویہبہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں لے کر دنیا میں ہمیشہ رہنا پسند فرمالیجئے اور پھر (قیامت آئے تو) جنت میں چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں واللہ اے ابو مویہبہ! مجھے پسند ہے کہ (موت آئے اور) میں اپنے رب سے ملاقات کروں۔

یہ احادیث اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔ جو نبی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بانٹنے والا ہو، اس سے مانگنا شرک یا حرام ہو، عقل و ایمان کی سلامتی کے ساتھ کوئی مسلمان یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے۔ سارے جہانوں کے لئے آپ رحمت ہیں اور مومنوں کے لئے رؤف و رحیم ہیں۔ آپ اپنی قبر مبارک میں باحیات ہیں اور امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ امت کے اعمال آپ کی خدمت میں پیش بھی کئے جاتے ہیں۔ جب آپ اپنی امت کے نیک اعمال دیکھتے ہیں تو آپ کو خوشی ہوتی ہے اور برے اعمال دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں اور استغفار فرماتے ہیں۔ یہ بات حدیث پاک سے ثابت ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں حوالہ گزرا۔ جس رسول مکرم ﷺ کی قبر کی زندگی کی یہ شان ہے اس سے مدد مانگنا کیوں بدعت و حرام ہوگا؟ آپ کی رحمت کے سوتے الحمد للہ خشک نہیں ہوئے۔ جو لوگ اپنے حق میں رسول رحمت کے فیضان کے سلسلے کو بند سمجھتے ہیں، وہ بھلا کیوں کر آپ کی رحمت کے امیدوار ہوں گے!

قیامت تک امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ پر عذاب عام نہیں آئے گا۔ جیسا کہ پچھلی امتوں پر عذابِ عام آیا تھا۔ وہ زمین میں دھنسا دیئے گئے تھے اور بعض کا چہرہ مسخ کر دیا گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کی امت کے بارے میں یہ فرمایا ہے: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. (الانفال آیت: ۳۳) اللہ کی یہ شان نہیں کہ لوگوں کو عذاب (عام) میں مبتلا کرے دراں حالانکہ اے نبی! آپ ان میں موجود ہیں۔ رسول خدا ﷺ اپنی امت کے لئے اللہ کی رحمت اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ بلکہ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں اور رہیں گے کہ آپ کے واسطے سے مخلوق کو رب کی ساری نعمتیں ملتی رہیں گی۔ پھر ان سے مدد مانگنا ناجائز و حرام کیوں ہوگا؟۔

علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مشکوۃ شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

فَيُعْطِي لِمَنْ شَاءَ مَاشَاءَ. (مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوۃ المصابیح) حضور ﷺ جسے جو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ محدث علی قاری رحمہ اللہ آج سے چار سو سال پہلے یہ عقیدہ بیان کر چکے ہیں۔

آیت کریمہ: اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ءَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ. (الانعام: ۸۹) کی تفسیر کے تحت امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَثَالِثُهَا الْاَنْبِیَاءُ وَهُمُ الَّذِیْنَ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنَ الْعُلُوْمِ وَالْمَعَارِفِ مَالِاَجْلِهٖ یَقْدِرُوْنَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِیْ بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَاَرْوَاحِهِمْ اَیْضًا وَاَعْطَاهُمْ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمَکِنَةِ مَالِاَجْلِهٖ یَقْدِرُوْنَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِیْ ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ وَلَمَّا اسْتَجْمَعُوْا هٰذَیْنِ الْوَصْفَیْنِ لَا جَرَمَ کَانُوْا هُمُ الْحُکَّامُ عَلَی الْاِطْلَاقِ. (تفسیر کبیر: جلد۵، ص ۵۹ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: تیسرے (حکام) ان میں انبیاء علیہم السلام ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہیں اللہ نے ایسے علوم و معارف عطا فرمائے ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ مخلوق کے اندرونی احوال اور ان کی روحوں میں بھی تصرف کرنے پر قادر ہیں اور اللہ نے انہیں اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ مخلوق کے ظاہری احوال پر بھی تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جب یہ حضرات ان دونوں صفتوں کے حامل ہیں تو یقینی طور پر وہ اللہ کی طرف سے مخلوق کے لئے حاکم مطلق ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جب امت کے ظاہری اور باطنی احوال اور ان کی روحوں پر تصرف کی قدرت رکھتے ہیں تو اپنے ظاہری احوال کی درستگی اور باطن کی اصلاح کے لئے رسول اللہ ﷺ سے امت درخواست کیوں نہیں پیش کر سکتی؟ آج سے آٹھ سو سال پہلے جب کہ وہابی، اہل حدیث، دیوبندی کسی کا وجود نہیں تھا، امام رازی اپنا یہ عقیدہ پیش کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہی عقیدہ امت مسلمہ کا ہونا چاہئے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

”افعال الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاء مریض و امثال ذالک مشرکان نسبت بارواح خبیثہ و اصنام می بندند و کافر می شدند و از تائید الٰہی یا خواص مخلوقات اومی دانند از ادویہ و عقاقیر یا دعائے صلحاء بندگان او کہ

ہ... از جناب رب تعالیٰ درخواستہ طلب کنند می فہمند در ایمان اینہا خلل نمی افتد (تفسیر عزیزی بسورہ بقر / ۴۶)۔

ترجمہ: اللہ کے کام، جیسے لڑکا دینا، رزق بڑھانا، بیمار کو اچھا کرنا اور اس طرح کی اور چیزوں کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسا کہ دوائیں، جڑی بوٹیاں یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں ہیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ یہی مومنین سمجھتے ہیں لہٰذا ان کے ایمان میں اس کی وجہ سے کوئی خلل نہیں آتا۔

درمختار ورد المختار میں علامہ حصکفی ۱۰۸۸ھ و علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے تحریر کیا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا ضَاعَ لَهٗ شَیْءٌ وَاَرَادَ اَنْ یَّرُدَّهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ فَلْیَقِفْ عَلٰی مَكَانٍ عَالٍ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَیَقْرَاُ الْفَاتِحَةَ وَیُهْدِیْ ثَوَابَهَا لِلنَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ یُهْدِیْ ثَوَابَهَا لِسَیِّدِیْ اَحْمَدَ بْنِ عَلْوَانَ وَیَقُوْلُ یَاسَیِّدِیْ اَحْمَدَ بْنَ عَلْوَانَ رُدَّ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ وَاِنْ لَّمْ تَرُدَّ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ نَزَعْتُكَ مِنْ دِیْوَانِ الْاَوْلِیَاءِ فَاِنَّ اللّٰهَ یَرُدُّ ضَالَّتَهٗ بِبَرَكَتِهٖ. (درمختار باب اللقیط)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ نعمانیہ میں ہے:

یَا اَكْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یَا كَنْزَ الْوَرٰی   جُدْلِیْ بِجُوْدِكَ وَاَرْضِنِیْ بِرِضَاكَ

ترجمہ: اے جن وانس میں سب سے بزرگ و برتر۔ اے نعمت الٰہی کے خزانوں کے مالک۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں مجھے کرم و بخشش کیجئے اور اپنی رضا کے واسطے سے مجھے راضی فرمائیے۔

قصیدہ بردہ شریف میں امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُبِهٖ   سِوَاكَ عِنْدَ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

ترجمہ: اے تمام مخلوق سے بہتر! میرا آپ کے سوا کوئی نہیں جس کی میں پناہ لوں مصیبتوں کی بھیڑ میں۔

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ جب دیوبندی، وہابی اہل حدیث وغیرہ فرقوں کا جنم نہیں ہوا تھا

اس وقت بزرگان دین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مدد مانگنا درست ہے اور یہی عقیدہ آج اہل سنت و جماعت کا ہے۔ اگر یہ عقیدہ بدعت وضلالت ہے تو لازم آئے گا کہ امام بوصیری، امام ابوحنیفہ، امام فخر الدین رازی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور دیگر اکابر اہل سنت کو معاذ اللہ گمراہ کہا جائے۔

اب ذیل میں کچھ اکابر علماء دیو بند کے حوالے سے اس عقیدہ کو ثابت کیا جا رہا ہے۔

﴿۱﴾۔ دیو بندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن دیو بندی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے تحت لکھتے ہیں۔

''ہاں اگر کسی مقبول بندے کو رحمت الٰہی کا واسطہ اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

الحمد للہ! سنی مسلمان خدا کے مقبول بندوں (انبیاء واولیاء) کو رحمت الٰہی کا واسطہ سمجھ کر ہی ان سے مدد مانگتے ہیں، کوئی انہیں خدا نہیں سمجھتا۔ پھر بھی انبیاء واولیاء سے مدد مانگنے کی وجہ سے ان پر بدعت وگمراہی کا الزام کیوں رکھا جاتا ہے؟

دیو بندیوں کے امام مولوی رشید احمد گنگوہی اپنی کتاب فتاویٰ رشیدیہ کتاب الحظر والاباحۃ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

سوال یہ کیا گیا: یہ اشعار اس مضمون کے پڑھنے کیسے ہیں؟

یا رسول کبریا فریاد ہے ۔۔۔ یا محمد مصطفٰے فریاد ہے

مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفٰے ۔۔۔ میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے

مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب نے جواب دیا: ''ایسے الفاظ پڑھنے جلوت اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات کو مطلع فرما دیا ہے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۰۳)۔

ضروری تنبیہ: اگر سنی مسلمان اس اعتقاد کے ساتھ نبی پاک سے فریاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سننے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ آپ دور سے فریاد سن سکتے ہیں تو یہ ناجائز کیوں ہوگا؟ یہاں

بھی تو یہ عقیدہ پایا گیا کہ اللہ کی عطا سے اور اللہ کے مطلع کرنے سے نبی کو اطلاع ہوتی ہے۔

دیو بندیوں کے امام مولوی قاسم نانوتوی کے ''قصائدِ قاسمی'' میں ہے:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا　　نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

یہ کیا انصاف ہے کہ دیو بندیوں کے پیشوا، نبی سے مدد کی درخواست کریں تو کوئی بات نہیں اور اگر کوئی سنی مسلمان نبی پاک کو مدد کے لئے پکارے تو اسے بدعتی و گمراہ کہا جائے!

دیو بندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب میں حضور ﷺ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں یہ عربی اشعار نقل کئے ہیں اور خود ہی ترجمہ بھی کیا ہے۔

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ　　فَالْفَتْحُ جُنْدُهٗ وَالنَّصْرُ وَالظَّفَرُ

دَعَاكُمْ مُسْتَغِيْثًا رَاجِيًا اَمَلًا　　فَهَلْ لَهٗ مِنْ سِوىٰ لُطْفِكُمْ نَظَرُ

فَاَعْطِفُ اِلٰهِيْ عَلَيْنَا قَلْبَ سَيِّدِنَا　　خَيْرِ الْاَنَامِ فَمِنْهُ الْعَطْفُ مُنْتَظَرُ

ترجمہ: جس شخص کی نصرت رسول ﷺ کے توسل سے ہو تو فتح و کامیابی اس کے لشکر میں سے ہے۔ (یعنی وہ شخص ہر جگہ کامیاب و کامران ہے)۔

اس بندے نے آپ کو یارسول اللہ ﷺ! مستغیث (مدد کا طلبگار) ہو کر اور امید کی چیزوں کا امیدوار ہو کر پکارا ہے، سو اس کے لئے سوا آپ کے لطف کے کوئی نظر گاہ نہیں۔ سوائے اللہ! ہم پر ہمارے سردار خیر الانام کے قلب کو مہربان کر دیجئے۔ کیوں کہ آپ کی طرف سے عطوف (مہربانی) کا انتظار ہے۔

دیکھئے مولوی اشرف علی تھانوی نے ان اشعار کے ترجمہ میں حضور ﷺ کے لئے یارسول اللہ لکھا ہے اور ان اشعار کو مع ترجمہ اپنی کتاب میں ذکر کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ سے رحمت کی امید رکھنا اور آپ کی مہربانی کا انتظار کرنا جائز ہے اور آپ کو یارسول اللہ کہہ کر پکارنا جائز ہے۔

دیو بندیوں کے پیشوا حضور ﷺ کو پکارنے کے لئے یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اپنی کتاب میں لکھیں تو کوئی بات نہیں اور بے چارے سنی مسلمان حضور کو یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کہہ کر پکاریں تو شرک یا بدعت و ضلالت ہو جائے کیا یہی انصاف ہے؟

یہی مولوی اشرف علی تھانوی صاحب امداد الفتاویٰ کتاب العقائد والکلام میں لکھتے ہیں:

”جو استعانت واستمداد باعتقاد علم وقدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ (جس سے مدد طلب کی جائے) حی ہو یا میت۔

سنی مسلمان انبیاء واولیاء سے جو مدد طلب کرنے کو جائز کہتے ہیں وہ یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدد کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ یہ قدرت اللہ کی قدرت کی طرح مستقل نہیں بلکہ غیر مستقل ہے اور یہ قدرت دلیل سے ثابت بھی ہے۔ پھر بھی انبیاء سے ان کا، مدد طلب کرنا شرک بدعت وگمراہی کیوں؟ آخر دیو بندیوں کے امام اشرف علی تھانوی بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اس طرح کی مدد زندہ سے مانگنا اور میت سے مانگنا بھی جائز ہے تو بدعت وحرام کے ارتکاب کا الزام صرف سنی مسلمانوں پر کیوں؟

دیو بندیوں کی ایک علمی خیانت

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی اشعار کا ترجمہ کیا ہے، جس کا نام شم الطیب رکھا ہے، جس میں حضور ﷺ سے مدد کی درخواست کی گئی ہے۔ لیکن ابھی میرے سامنے نشر الطیب کا ایک نسخہ ہے، جسے دینی بک ڈپو دہلی نے چھاپا ہے۔ اس میں سے شم الطیب والے حصے کو نکال دیا گیا ہے۔

شم الطیب میں چھپے عربی اشعار اور ان کا ترجمہ جو مولوی اشرف علی تھانوی نے کیا ہے، اسے ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

يَاشَفِيْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِیْ — اَنْتَ فِیْ الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمَدِیْ

دستگیری کیجئے میرے نبی — کش مکش میں تم ہی ہو میرے ولی

غَشَّنِیَ الدَّهْرُ ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ — كُنْ مُغِيْثًا فَاَنْتَ لِیْ مَدَدِیْ

ابن عبداللہ! زمانہ ہے مخالف — اے میرے مولی خبر لیجئے میری

تنبیہ: ان اشعار میں مولوی اشرف علی تھانوی نے رسول پاک ﷺ کو اپنا مددگار اور پناہ گاہ کہا اور مدد کرنے کی درخواست بھی کی، پھر بھی دیوبندیوں کے یہاں انہیں شرک و بدعت کا مرتکب کیوں نہیں کہا جاتا؟

مصیبت میں یارسول اللہ کہنا شرک نہیں

اگر کوئی شخص مصیبت کے وقت اللہ کے رسول ﷺ کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارے، یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اللہ نے آپ کو فریاد سننے کی قدرت عطا فرمائی ہے تو یہ شرک نہیں، نہ حرام و ناجائز ہے۔ حضور ﷺ کو آپ کی حیات ظاہری میں صحابہ کرام نے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہہ کر پکارا ہے، آپ سے مدد مانگی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد دور سے آپ کو یَارَسُوْلَ اللّٰہِ پکارنا شرک ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ ہم ذیل میں شرعی دلیلوں سے ثابت کریں گے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی قریب سے اور دور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو مصیبت میں یارسول اللہ کہہ کر پکارا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ کو مدد کے لئے پکارنا

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں حضرت عبدالرحمٰن ابن سعد سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پیر سُن ہوگیا تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ تم اس شخص کو یاد کرو جو لوگوں میں تم کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پکارا ''یـا محمد'' (الادب المفرد ص ۲۱۷، باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ، مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمہ، طبقات ابن سعد ۱۵۴/۴، تہذیب الکمال ۱۴۲/۱۷)۔

شارح صحیح مسلم امام نووی نے متعدد سندوں کے ساتھ اس روایت کو ذکر فرمایا ہے ان کی

روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ فَذَھَبَ خَدَرُہٗ پاؤں جو سن ہو گیا تھا وہ نبی پاک ﷺ کو پکارنے سے درست ہو گیا۔ (کتاب الاذکار ص ۳۰۵ دار الفکر بیروت ۲۰۰۳ء)

معلوم ہوا کہ مصیبت میں سرکار مدینہ ﷺ کو یا محمد یَارَسُوْلَ اللّٰہِ پکارنا نہ شرک ہے نہ بدعت، بلکہ صحابی کی سنت ہے۔

حاجت کے وقت یا محمد، یارسول اللہ پکارنے کے ثبوت میں ایک واضح دلیل وہ حدیث پاک بھی ہے جو کتب صحاح میں سے سنن ابن ماجہ میں حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے ایک نابینا کو صلوٰۃ حاجت اور ایک دعا کی تعلیم دی تھی۔

وہ دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ.

(سنن ابن ماجه باب صلوٰة الحاجة، حديث: ۱۳۸۵)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ سے یَا مُحَمَّدُ میں متوجہ ہوا اپنے رب کی طرف آپ کے واسطے سے، اپنی اس حاجت کے سلسلے میں، تاکہ یہ پوری ہو جائے۔ اے اللہ تو انہیں میرے حق میں شفیع بنا۔

ابن تیمیہ نے ''مجموعۃ الفتاویٰ'' میں اس حدیث کو جامع ترمذی، سنن نسائی اور متعدد کتب احادیث کے حوالوں سے نقل کیا ہے اور اس میں یَا مُحَمَّدُ موجود ہے۔ لیکن جامع ترمذی کے موجودہ نسخوں سے لفظ ''یا'' کو نکال دیا گیا ہے۔

یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ واقعہ رسول ﷺ کی حیات کا ہے اور حضور ﷺ اس صحابی کے قریب تھے اس لئے انہیں آپ نے یَا مُحَمَّدُ کہنے کا حکم دیا ورنہ دور سے یارسول اللہ پکارنا درست نہیں۔ یہ شبہ اس لئے بے وزن ہے کہ حدیث میں یہ ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ دعا صرف اسی نابینا کے لئے ہے۔ اور یہ بھی نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے اسے اپنے سامنے نماز حاجت پڑھنے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ دعا ہر حاجت مند کے لئے ہے چاہے وہ آپ کے زمانے میں ہو یا بعد میں آئے۔ آپ کے قریب بیٹھ کر پڑھے یا دور۔ جب حضور ﷺ نے اس میں کوئی

تخصیص نہیں فرمائی تو اس میں اپنی مرضی سے تخصیص پیدا کرنا اور یہ کہنا کہ یہ دعا صرف حضور ﷺ کی زندگی میں پڑھنے کی تعلیم دی گئی تھی اور آپ کے قریب بیٹھ کر پڑھنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اپنی طرف سے حدیث کے عموم کو بدلنا ہے جو نا جائز اور بجائے خود بدعتِ سیئہ ہے۔

اس دعا کے پڑھنے کے جواز کے لئے زمانہ رسالت کی قید نہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کے قریب و سامنے ہونے کی قید ہے، بلکہ کسی بھی زمانے میں کوئی بھی حاجت مند مسلمان اسے پڑھ سکتا ہے۔ اس بات کی دلیل حضرت عثمان بن حنیف کی وہ روایت ہے جس میں یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عثمان بن حنیف نے ایک شخص کو اس کی حاجت کے لئے دعاءِ مذکور پڑھنے کی تعلیم دی تھی اور یہ دعا پڑھنے سے اس کی حاجت پوری ہوگئی تھی وہ روایت اسی کتاب میں دوسرے مقام پر نقل کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد وصال بھی اپنی حاجت کے لئے یا محمد، یا رسول اللہ پکارنا جائز ہے۔ مسند ابویعلی میں حضرت ابوہریرہ ﷺ کی یہ روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ الْقَاسِمِ بِیَدِہٖ لَیَنْزِلَنَّ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ اِمَامًا مُقْسِطًا وَحَکَمًا عَدْلًا فَلَیَکْسِرَنَّ الصَّلِیْبَ وَلَیَقْتُلَنَّ الْخِنْزِیْرَ وَلَیُصْلِحَنَّ ذَاتَ الْبَیْنِ وَلَیُذْہِبَنَّ الشَّحْنَاءَ وَلَیُعْرَضَنَّ عَلَیْہِ الْمَالُ فَلَا یَقْبَلُہٗ ثُمَّ اِنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ "یَامُحَمَّدُ" لَاَجَبْتُہٗ.

(مسند ابو یعلیٰ ۶/۱۰۱)

ترجمہ: (حضور ﷺ نے فرمایا) قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں ابوالقاسم کی جان ہے۔ عیسیٰ ابن مریم ضرور نازل ہوں گے۔ وہ منصف امام اور عادل حاکم ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ لوگوں میں باہمی صلح کرائیں گے۔ لوگوں کے سینوں کے بغض کو دور کریں گے۔ ان کی خدمت میں مال پیش کیا جائے گا تو قبول نہیں کریں گے۔ اگر وہ میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر یا محمد کہیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔

مصیبت میں یا محمداہ پکارنا صحابۂ کرام ﷺ کا شعار تھا

امام حافظ الحدیث عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے تحریر فرمایا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے دور خلافت میں لوگوں کی یہ عادت بن چکی تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے وقت حضور ﷺ سے مدد کے لئے ''یا محمداہ'' کہا کرتے تھے۔

ابن کثیر کے الفاظ ہیں: وَكَانَ شِعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍ يَا مُحَمَّدَاهُ ۔ (البدایہ والنہایہ ۳۲۴/۶)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت یَا مُحَمَّدَاهُ، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہنا دور خیر القرون میں سے قرن ثانی کے مسلمانوں کا بھی طریقہ رہا ہے۔ یَا مُحَمَّدَاهُ کہنے والے صحابۂ کرام، کیا معاذ اللہ، شرک و بدعت اور فعل حرام کے مرتکب تھے؟

عہد صحابہ و تابعین میں مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں کے وقت یا محمداہ کہہ کر رسول اکرم ﷺ سے مدد طلب کرتے تھے۔

ابن الاثیر جزری تحریر فرماتے ہیں کہ جب یمامہ میں مسیلمہ کذّاب (جھوٹا مدعی نبوت) اور صحابہ کرام ﷺ کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو حضرت خالد بن ولید نے میدان میں آکر دشمنوں کو للکارا اور مسلمانوں کے معمول کے مطابق یا محمداہ پکارا۔ جو بھی حضرت خالد بن ولید کے مقابلے میں آتا تھا اسے حضرت خالید بن ولید قتل کر دیتے تھے۔

ابن الاثیر جزری کے الفاظ یہ ہیں:

ثُمَّ بَرَزَ خَالِدٌ وَدَعَا اِلَى الْبِرَازِ وَنَادٰى بِشِعَارِهِمْ وَكَانَ شِعَارُهُمْ يَامُحَمَّدَاهُ فَلَمْ يَبْرُزْ اِلَيْهِ اَحَدٌ اِلَّاقَتَلَهٗ. (الکامل فی التاریخ ۲۴۶/۲، دارالکتاب بیروت)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ جنگ یمامہ کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثُمَّ نَادٰى بِشِعَارِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ شِعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍيَامُحَمَّدَاهُ.

(البدایہ والنہایہ جلد، ۲۱۰۹/۶، مکتبہ نزار مطصفے الباز مکة المکرمہ)

ترجمہ: اوران دنوں مسلمانوں کی عادت یہ تھی کہ (وہ مصیبتوں اور دشمنوں کے مقابلے کے وقت) یَا مُحَمَّدَاہُ کا نعرہ لگاتے تھے۔

حافظ حدیث ابن کثیر مکی کو، مخالفین اہل سنت و جماعت (خصوصاً وہابی، اہل حدیث) بہت معتبر مانتے ہیں۔ان کے کہنے کے مطابق بھی حضرت صدیق اکبر ﷺ کے زمانے میں صحابۂ کرام کی یہ عادت جاری تھی کہ وہ مصیبتوں کے وقت اور دشمنوں سے مقابلے کے وقت حضور رسول اکرم ﷺ سے مدد طلب کرتے ہوئے یا محمداہ پکارتے تھے۔

اب تو مخالفین اہل سنت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ حضور رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپکو مصیبتوں میں یارسول اللہ کہہ کر پکارنا بدعت و گمراہی نہیں، بلکہ سنت صحابہ ہے۔

اظہار محبت کے لئے بھی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ،یَا مُحَمَّداہ کہنا جائز ہے

حدیث شریف: امام مسلم نے حضرت براء ابن عازب ﷺ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مرد و عورت اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور خدام راستے میں پھیل گئے اور پکارنے لگے۔یَا مُحَمَّد،یَارَسُوْلَ اللّٰہ.یَامُحَمَّد،یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ (صحیح مسلم ۲/۴۱۹ مجلس برکات مبارکپور)

فائدہ :اس حدیث سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں ﴿۱﴾ اظہار محبت کے لئے یا رسول اللہ کہنا صحابۂ کرام ﷺ کی سنت ہے ﴿۲﴾ اجتماعی طور پر یارسول اللہ کا نعرہ لگانا بھی صحابۂ کرام کی سنت ہے۔

❀ ❀ ❀

اللہ کے رسول ﷺ ''نور'' ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

يَاَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِمَّا تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْعَنْ كَثِيْرٍ. قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ. (المائده: ۱۵)

ترجمہ: اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول۔ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت سی ایسی چیزیں، جنہیں تم چھپاتے ہو کتاب سے (تورات وانجیل سے) بے شک آ چکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ظاہر کرنے والی ایک کتاب۔

قدوۃ المفسرین ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

يَقُوْلُ جَلَّ ثَنَاءُهُ لِهٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ خَاطَبَهُمْ مِنَ اَهْلِ الْكِتَابِ: قَدْ جَآءَ كُمْ يَااَهْلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يَعْنِىْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا ﷺ الَّذِىْ اَنَارَاللّٰهُ الْحَقَّ وَاَظْهَرَ بِهِ الْاِسْلَامَ وَمَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ فَهُوَ نُوْرٌ لِمَنْ اسْتَنَارَبِهِ يُبَيِّنُ الْحَقَّ وَمِنْ اِنَارَتِهِ الْحَقَّ تَبْيِيْنُهُ لِلْيَهُوْدِ كَثِيْرًا مِمَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ (وَكِتَابٌ مُّبِيْنٌ) وَ هُوَ الْقُرْآنُ الَّذِىْ اَنْزَلَهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ. (تفسير الطبرى ۴/۱۰۲ دارالفكر بيروت ۲۰۰۵ء)

ترجمہ: اللہ جل ثناءہٗ اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے اہل توراۃ وانجیل یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ چکا۔ نور سے مراد محمد ﷺ ہیں، جن کے ذریعہ اللہ نے حق کو روشن فرمایا اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور شرک کو مٹایا۔ پس وہ (محمد ﷺ) نور ہیں اس کے لئے، جو ان کے ذریعہ روشن ہونا چاہے۔ وہ حق کو واضح فرماتے ہیں اور ان کا حق کو واضح کرنا یہ ہے کہ وہ بہت ایسی چیزوں کو یہود کے سامنے ظاہر کرتے ہیں جنہیں وہ چھپاتے تھے، کتاب میں سے۔ کتاب مبین سے مراد قرآن ہے، جس کو اللہ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا:

مفسر قرآن علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

(قَدْجَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ) عَظِيْمٌ وَهُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَ النَّبِيُّ الْمُخْتَارُ ﷺ وَاِلٰى هٰذَا ذَهَبَ قَتَادَةُ وَاخْتَارَهُ الزَّجَّاجُ .(روح المعانی:۳/۱۲۲)

ترجمہ: آیت مذکورہ میں نور سے مراد نور عظیم، نور الانوار، نبی مختار ہیں۔ یہی قتادہ کا مذہب ہے اور زجاج نے اسی کو پسندیدہ قول کہا۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

(قَدْجَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ) هُوَ نُوْرُ النَّبِيِّ ﷺ وَ (كِتَابٌ) قُرْآنٌ (مُبِيْنٌ) بَيِّنٌ ظَاهِرٌ (تفسیر جلالین)

علامہ احمد صاوی متوفی ۱۲۲۳ھ تحریر فرماتے ہیں:

(قَوْلُهُ هُوَ النَّبِيُّ) اَیْ وَسُمِّیَ نُوْرًا لِاَنَّهُ يُنَوِّرُ الْبَصَائِرَ وَيَهْدِيْهَا لِلرَّشَادِ وَلِاَنَّهُ اَصْلُ كُلِّ نُوْرٍ حِسِّیٍّ وَمَعْنَوِیٍّ .(حاشية الصاوی علی الجلالین)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ کے ذریعہ دل و دماغ کو روشنی ملتی ہے اور درستگی کی ہدایت ملتی ہے اور اس لئے کہ آپ ﷺ ہر نور حسی و معنوی کی اصل ہیں۔

امام فخر الدین راز متوفی ۶۰۴ھ لکھتے ہیں:

وَفِيْهِ اَقْوَالٌ: اَلْاَوَّلُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ وَ بِالْكِتَابِ اَلْقُرْآنُ وَالثَّانِیْ اَنَّ الْمُرَادَ بِالنُّوْرِ اَلْاِسْلَامُ وَبِالْكِتَابِ الْقُرْآنُ اَلثَّالِثُ اَلنُّوْرُ وَالْكِتَابُ هُوَ الْقُرْآنُ وَهٰذَا ضَعِيْفٌ لِاَنَّ الْعَطْفَ يُوْجِبُ الْمُغَايَرَةَ بَيْنَ الْمَعْطُوْفِ وَالْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ وَتَسْمِيَةُ مُحَمَّدٍ وَالْاِسْلَامِ وَالْقُرْآنِ بِالنُّوْرِ الظَّاهِرِ لِاَنَّ النُّوْرَ الظَّاهِرَ هُوَ الَّذِیْ يَتَقَوّٰی بِهِ الْبَصَرُ عَلٰى اِدْرَاكِ الْاَشْيَاءِ الظَّاهِرَةِ وَالنُّوْرُ الْبَاطِنُ اَيْضًا هُوَ الَّذِیْ يَتَقَوّٰی بِهِ الْبَصِيْرَةُ عَلٰى اِدْرَاكِ الْحَقَائِقِ وَالْمَعْقُوْلَاتِ .(تفسیر رازی:۳/۳۲۷، مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

امام رازی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں نور سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات ہے اور کتاب مبین سے قرآن مراد ہے یہی راجح قول ہے اور نور اور کتاب مبین دونوں سے قرآن مراد لینا ضعیف و کمزور بات ہے (یہ قول در اصل معتزلہ کا ہے جیسا کہ علامہ الوسی کی عبارت میں گزرا)۔ یہ قول کمزور اس لئے ہے کہ قاعدہ کے مطابق معطوف اور معطوف علیہ دونوں کو الگ الگ ہونا چاہئے لہٰذا نور اور کتاب مبین دونوں سے قرآن مراد لینا ضعیف ہے۔ نبی ﷺ

اور اسلام اور قرآن نور ظاہر بھی ہیں اور نور باطن بھی ہیں۔ کیوں کہ نور ظاہر وہ ہے جس کے ذریعہ آنکھ ظاہری چیزوں کو دیکھتی ہے اور نور باطن وہ ہے جس کے ذریعہ روح حقائق اور معقولات کا علم حاصل کرتی ہے۔

علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا، کیوں کہ آپ اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی ﷺ کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں کیونکہ انوار میں آپ کا، کامل ظہور ہے اور آپ کتاب مبین بھی ہیں۔ کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام، احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۱۴ ادارۃ الفکر بیروت)

نورِ نبی ﷺ سے متعلق حافظ ابن کثیر کا موقف

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں مختلف سندوں کے ساتھ کچھ آثار و روایات ذکر کی ہیں جن سے رسول اکرم ﷺ کا نور ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کچھ روایات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

☆ حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ جب عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح کرنے کے لئے انہیں اپنے ساتھ لے جا رہے تھے تو راستے میں عبداللہ کو ایک کاہنہ عورت نے دیکھا جس کا نام فاطمہ بنت مر خثعمیہ تھا۔ وہ کتب سابقہ کی عالمہ تھی۔ اس نے عبداللہ کی پیشانی پہ نور نبوت دیکھا اور عبداللہ کو اپنے پاس بلا کر کہا: ابھی اگر تم مجھ سے وطی کرو گے تو میں تمہیں سو اونٹ انعام میں دوں گی۔ حضرت عبداللہ نے اس عورت کے سامنے یہ شعر پڑھا:

اَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَهٗ وَالْحِلُّ لَا حِلُّ فَاسْتَبِیْنَهٗ
فَکَیْفَ بِالْاَمْرِ الَّذِیْ تَبْغِیْنَهٗ یَحْمِی الْکَرِیْمُ عِرْضَهٗ وَدِیْنَهٗ

ترجمہ: حرام کا ارتکاب کرنے سے مرجانا بہتر ہے۔ اور چھان بین کر کے میں صرف حلال کو اختیار کرنے والا ہوں۔ تو جو چاہتی ہے وہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ صاحب کرامت آدمی اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔

جب حضرت عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ سے ہوا تو نکاح کے تین دنوں کے بعد حضرت عبداللہ کی ملاقات پھر اسی کاہنہ عورت سے ہوئی۔ اس نے عبداللہ سے پوچھا: تو نے میرے یہاں سے جانے کے بعد کیا کیا؟ حضرت عبداللہ نے اپنے نکاح کا ذکر کیا تو کاہنہ نے کہا:

واللّٰہ مَا اَنَا بِصَاحِبَةِ رِیْبَةٍ وَلٰکِنِّیْ رَأَیْتُ فِیْ وَجْهِکَ نُوْرًا فَاَرَدْتُ اَنْ یَکُوْنَ فِیَّ وَاَبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یَجْعَلَهٗ حَیْثُ اَرَادَ.

ترجمہ: واللہ میں کوئی بدکار عورت نہیں، لیکن میں نے تمہارے چہرے پر (اے عبداللہ!) ایک نور دیکھا۔ میں نے چاہا کہ وہ نور مجھ میں منتقل ہو جائے۔ مگر اللہ کو یہ منظور نہیں تھا۔ اس نے جہاں چاہا اس نور کو رکھا۔ اس کے بعد اس کاہنہ عورت نے حسرت بھرے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

میں نے جگمگاتا ہوا ایک نور دیکھا۔ چودھویں کے چاند کی طرح، وہ اپنے اردگرد کو روشن کردے گا۔ کاش وہ نور مجھے حاصل ہو جاتا تو میرے لئے قابل فخر ہوتا، کہ ہر نور حاصل کرنے والا میرے ہی نور سے حاصل کرتا۔ لیکن اللہ کی مرضی ہے کہ قبیلۂ بنی زہرہ کی ایک عورت (آمنہ) نے میرے مقدر سے میرے لباس زینت کو چھین لیا۔ اور مجھے شعور بھی نہ ہوا۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۶۱۵ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمہ)

حضرت عباس ﷺ نے نبی پاک ﷺ سے اجازت لے کر آپ کی مدح میں جو اشعار کہے تھے ان میں سے دو شعر یہ ہیں۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَ ۔۔۔ رضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ

فَنَحْنُ فِیْ ذَالِکَ الضِّیَاءِ وَفِی الـ ۔۔۔ ـنُّوْرِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

(حوالہ سابق ص ۶۲۳)

ترجمہ: جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کے نور سے زمین اور افاق (آسمان کے گوشے) روشن ہوگئے۔ ہم اسی نور اور روشنی میں ہدایت کے راستوں پہ چل رہے ہیں۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس سے کچھ مختلف روایت ذکر کی ہے۔ ان کی روایت میں بھی پیشانی عبداللہ میں نور نبی کے چمکنے کا ذکر ہے، لیکن جس عورت سے حضرت عبداللہ نے وطی کرنے سے انکار کیا تھا اس کو امام بیہقی کی روایت میں حضرت عبداللہ کی دوسری بیوی کہا گیا ہے۔

حدیث: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں ے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اِنِّی عَبْدُاللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْ ذَالِكَ، دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبِشَارَةُ عِيْسٰى بِیْ وَرُؤْيَا اُمِّی الَّتِیْ رَاَتْ وَكَذَالِكَ اُمَّهَاتُ النَّبِيِّيْنَ يَرَيْنَ وَاِنَّ اُمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْهُ نُوْرًا اَضَاءَ تْ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ.

(شعب الایمان ۲/۵۸۸ حدیث:۱۳۸۵)

ترجمہ: (نبی پاک ﷺ نے فرمایا) میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین ہوں اس وقت سے، جب کہ ادم اپنی مٹی کے خمیر میں تھے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں، میں ابراہیم علیہ السلام کی دعاء عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں اور اسی طرح کا خواب انبیاء کی مائیں دیکھتی تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی ماں نے دیکھا جب کہ آپ کی ولادت ہوئی، ایک نور نمودار ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔

حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ماں جنہوں نے حضرت امنہ کے لئے دایہ کا کام انجام دیا تھا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول پاک ﷺ کی ولادت ہوئی تو غیب سے آواز آئی یَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ اور ایک نور چمکا جس سے روم کے محلات نظر آنے لگے۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۶۲۹)

حدیث: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ماں نے مجھ سے بیان کیا، وہ امنہ کے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی شب موجود تھیں۔ انہوں نے بیان کیا۔ اس وقت گھر میں، میں نے نور کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ میں ستاروں کو دیکھتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ قریب آچکے ہیں اور لگتا تھا کہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ (مرجع سابق)

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے بیان کیا ہے کہ جس وقت رسول خدا ﷺ میرے شکم میں تھے تو وقتِ ولادت تک نہ میں نے کوئی بوجھ محسوس کیا اور نہ ہی وقت ولادت کچھ تکلیف ہوئی۔ فَلَمَّا فَصَلَ مِنِّیْ خَرَجَ مَعَهٗ نُوْرٌ اَضَاءَ لَهٗ مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ اِلَی الْمَغْرِبِ. (مرجع سابق)

ترجمہ: حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میرا جگر پارہ مجھ سے الگ ہوا تو اس کے ساتھ ایک نور نکلا جس سے مشرق تا مغرب روشنی پھیل گئی۔

مذکورہ اخبار و آثار سے رسول پاک ﷺ کا نور ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔

نور چونکہ لطیف ہوتا ہے اور اس کا وزن نہیں ہوتا، اس لئے نبی پاک ﷺ جب شکم مادر میں تھے تو حضرت آمنہ کو کچھ بھی بوجھ محسوس نہیں ہوا اور نہ ہی وقتِ ولادت کچھ تکلیف محسوس ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا

مفسر قرآن امام نسفی متوفی ۷۰۵ھ تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اللّٰهَ مَا اَوْقَعَ ظِلَّکَ عَلَی الْاَرْضِ لِئَلَّا یَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَهٗ عَلٰی ذَالِکَ الظِّلِّ.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پہ پڑنے نہیں دیا، تا کہ کسی انسان کا قدم اس سایہ پر نہ پڑے۔ (تفسیر مدارک ۲/۱۰۳)

حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان تابعی سے روایت کیا:

لَمْ یَکُنْ یُرٰی لَهٗ ظِلٌّ فِی الشَّمْسِ وَلَا فِی الْقَمَرِ. (خصائص کبریٰ ۱/۶۸)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ کے جسم پُر نور کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔

امام قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

مَا ذُكِرَ اَنَّهُ لَاظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِیْ شَمْسٍ وَّلَاقَمَرٍ لِاَنَّهُ كَانَ نُوْرًا. (الشفاء ۱/۲۴۲)

ترجمہ: یہ جوذکر کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے جسم پاک کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں نہیں ہوتا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نور تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

بَابُ الْاٰيَةِ فِیْ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ. (الخصائص الکبریٰ ۱/۵۸)

ترجمہ: اس معجزہ کا بیان کہ حضور ﷺ کا سایہ نظر نہیں آیا تھا۔

امام سیوطی حکیم ترمذی سے حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد حضرت امام ابن سبع سے نقل فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ سَبُعٍ مِنْ خَصَائِصِهٖ ﷺ اَنَّ ظِلَّهٗ لَايَقَعُ عَلَى الْاَرْضِ وَاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا فَكَانَ اِذَامَشٰى فِی الشَّمْسِ اَوِالْقَمَرِ لَا يُنْظَرُ لَهٗ ظِلٌّ قَالَ بَعْضُهُمْ وَيَشْهَدُ لَهٗ حَدِيْثُ قَوْلِهٖ ﷺ فِیْ دُعَاءٍ وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا. (الخصائص الکبریٰ ۱/۶۸)

ترجمہ: ابن سبع نے کہا کہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے یہ تھا کہ آپ کا سایہ زمین پہ نہیں پڑتا تھا اور آپ نور تھے، اس وجہ سے جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس کی دلیل حضور ﷺ کی یہ حدیث پاک بھی ہے۔ آپ نے اپنی دعاء میں یہ کہا ہے کہ اے اللہ! مجھے تو نور بنادے۔

شارح بخاری امام قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ نے امام رازی کے حوالے سے لکھا:

وَاَمَّا سُجُوْدُ الْمَلَائِكَةِ لِاٰدَمَ فَقَالَ الْاِمَامُ فَخْرُالدِّيْنِ الرازی فی تفسيره اِنَّ الْمَلَائِكَةَ اُمِرُوْابِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ لِاَجْلِ نُوْرِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ كَانَ فِیْ جَبْهَتِهٖ.

(المواهب اللدنيه جلد۷ ص ۷۸)

ترجمہ: امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ فرشتوں کو اس وجہ سے حضرت ادم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا نور ان کی پیشانی میں موجود تھا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی متوفی ۱۰۳۵ھ تحریر فرماتے ہیں:

"ناچار اورا سایہ نبود۔ چوں در عالم شہادت سایۂ ہر شخص لطیف از شخص او باشد و چوں لطیف تراز وے در عالم نہ باشد اورا سایہ چہ صورت وارد۔" (مکتوبات امام ربانی ۱۸۷/۲)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم شہادت میں ہر چیز سے اس کا سایہ لطیف ہوتا ہے اور حضور ﷺ سے لطیف کائنات کی کوئی چیز نہیں۔ تو پھر آپ کا سایہ کس صورت سے ہوسکتا ہے۔

مزید امام ربانی تحریر فرماتے ہیں:

ہرگاہ محمد رسول اللہ را از لطافت ظل نہ بود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد۔ (مکتوبات ۲۳۷/۲)

ترجمہ: جب محمد رسول اللہ ﷺ کا سایہ ان کے لطیف ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا تو ان کے رب کا سایہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

نبود شخص آں حضرت ﷺ را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر (مدارج النبوۃ ۲۱/۱)

ترجمہ: حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا، نہ سورج، نہ چاند کی روشنی میں۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

وسایہ ایشاں بر زمین نمی افتاد۔ (تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص: ۲۱۹)

آپ ﷺ کا سایہ زمین پہ نہیں پڑتا تھا۔

اتنے اکابر اہل سنت و جماعت کا یہ موقف ہوتے ہوئے بھی یہ کہنا کہ حضور اکرم ﷺ کے جسم مبارک کے سایہ نہ ہونے کی بات بے اصل ہے، بالکل زیادتی ہے۔ اگر حضور ﷺ کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا باطل ہے تو کیا یہ سب اکابر معاذ اللہ باطل پر تھے۔؟

خود مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب "نشر الطیب" میں سات حدیثیں حضور اکرم ﷺ کے نور ہونے کے ثبوت میں ذکر کی ہیں اور انہوں نے کتاب کے شروع ہی میں عنوان قائم کیا ہے: "نور محمدی کا بیان" اور اس عنوان کے اختتام پر ساتویں روایت کے ضمن میں یہ جملے لکھے ہیں: "آپ ﷺ جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے آفاق منور ہوگئے، سو ہم اس

ضیاء اور اس نور میں ہدایت کے راستوں کو قطع کر رہے ہیں"۔

جمہور مفسرین کا موقف یہ ہے کہ آیت مذکورہ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (الخ) میں نور سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن ہے۔ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن لینا ضعیف ہے۔ جیسا کہ امام رازی کا قول اس سے پہلے گزرا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ کو "نور" فرمایا۔ مسلمانوں کو یہ ماننا چاہیے کہ حضور ﷺ نور ہیں اور بے مثل بشر بھی۔ مطلقا آپ کی بشریت کا انکار کفر ہے۔ اور مطلقاً آپ کے نور ہدایت ہونے کا انکار بھی کفر ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو حاضر و ناظر ماننا شرک یا بدعت نہیں

حاضر و ناظر کا معنی: رسول اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں جسم کے ساتھ باحیات ہیں اور اللہ کی عطا کردہ قوت سے دور و نزدیک کی آوازوں کو سنتے ہیں اور اپنی امت کے اعمال و احوال کا مشاہدہ فرماتے ہیں، یا یہ کہ روحانی طور پر یا جسم مثالی کے ساتھ ان واحد میں سیکڑوں کلومیٹر کی دوری پر مدد کے لئے پہنچنے پر قادر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے علم و مشاہدہ اور قدرت کے اعتبار سے حاضر و ناظر ہیں، لیکن اللہ تعالی کی طرح حاضر و ناظر نہیں۔ اللہ اپنے علم ازلی اور قدرت ازلیہ کے ساتھ ازل سے از خود حاضر ہے اور اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے عطا کردہ علم و مشاہدہ کے ساتھ حاضر و ناظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایک لمحے کے لئے بھی غفلت طاری ہونا ممکن نہیں لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند) صرف اس کی شان ہے اور لَيْسَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تمہارے اعمال سے کسی لحہ غافل نہیں) اللہ کی خاص صفت ہے رسول اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا جو معنی بیان کیا گیا اس کو ذیل میں ہم شرعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ اللہ تعالی فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ (سورۃ الاحزاب: ۴۶)

ترجمہ: اے نبی! یقیناً ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا دراں حالیکہ آپ شاہد (گواہ) اور مبشر (جنت کی بشارت سنانے والے) اور نذیر (جہنم سے ڈرانے والے) ہیں۔

شاہد کا معنی: مفردات امام راغب میں ہے:

اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوِ الْبَصِيْرَةِ.

یعنی شہود اور شہادت کا معنی ہے حاضر و ناظر ہونا، چاہے بصر (نگاہ) کے ساتھ ہو یا بصیرت

(علم) کے ساتھ۔

قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر شاہد اور شہید حاضر کے معنی میں ذکر کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ ہود آیت ۱۷، الصافات آیت ۱۵۰، البقرہ آیت: ۲۸۲،۱۳۳، الانعام آیت ۱۴۴، النور آیت ۴، ۶، ۱۳، مسند احمد حدیث: ۲۵۹۹۰۔

مسند احمد حدیث ۶۲۹ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلشَّاهِدُ یَرىٰ مَالَا یَرَى الْغَائِبُ. حاضر وہ چیز دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا۔

صحیح بخاری حدیث ۶۷ باب ۹ میں ہے:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. حاضر شخص میری بات غائب کو پہنچائے۔

اسی طرح صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، ابن ماجہ کتاب الاذان، دارمی مناسک، ترمذی ابواب الحج، بخاری کتاب البیوع، کتاب الوکالۃ ودیگر کتب احادیث میں لفظ شاہد حاضر کے معنیٰ میں آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں نبی کو شاہد کہا گیا ہے۔ اس سے حاضر مراد لینا نہ لغوی اعتبار سے غلط ہے اور نہ ہی شرعی اعتبار سے۔ بلکہ حاضر مراد لینے پر شرعی دلائل موجود ہیں۔

گواہ کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ مشاہدہ سے جو علم اسے حاصل ہوتا ہے، اس کو بیان کرتا ہے۔ سید عالم ﷺ تمام عالم کی طرف مبعوث ہوئے۔ آپ کی رسالت عام ہے۔ اور آپ اپنے سے پہلے اور قیامت تک ہونے والے تمام انسانوں کے گواہ ہیں اور ان کے اعمال وافعال واحوال، تصدیق، تکذیب، ہدایت، ضلالت سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی شَاهِدًا عَلَى اللّٰهِ بِالْوَحْدَانِیَّةِ وَاَنَّهٗ لَا اِلٰهَ غَیْرُهٗ وَعَلَى النَّاسِ بِاَعْمَالِهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

ترجمہ: اللہ کے ارشاد میں شاهدًا کا معنی یہ ہے کہ نبی، اللہ کی وحدانیت کے گواہ اور اس بات کے گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کی گواہی دینے والے ہیں۔

ظاہر ہے آپ ﷺ لوگوں کے اعمال کے گواہ ہوں گے تو ضرور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرمانے

والے ہیں۔

علامہ محمود الوسی تفسیر روح المعانی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

شَاهِدًا عَلٰى مَنْ بُعِثْتَ اِلَيْهِمْ تُرَاقِبُ اَحْوَالَهُمْ وَتُشَاهِدُ اَعْمَالَهُمْ تُؤَدِّيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَدَاءً مَقْبُوْلًا فِيْ مَالَهُمْ وَمَاعَلَيْهِمْ. (روح المعانی ۱۲/۶۵ الجزء الثانی والعشرون ذکریابکلپو دیوبند)

یعنی اے نبی آپ گواہ ہیں ان کے جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے۔آپ ان کے احوال پر نگاہ رکھتے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کی موافقت اور مخالفت میں گواہی دیں گے۔

آگے چل کر علامہ الوسی نے صوفیاء کرام کے نظریہ کو بھی بیان کیا ہے۔"اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو بندوں کے اعمال پر آگاہ فرمایا ہے اور آپ نے ان کے اعمال کا مشاہدہ فرمایا۔اس لئے آپ کو شاہد فرمایا"

پھر اس کی تائید میں مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کا یہ شعر بھی تحریر فرمایا ہے۔

در نظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاھد نہاد

بندوں کے مقامات حضور ﷺ کی نگاہ میں تھے،اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد فرمایا:

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی کتاب تفسیر مظہری میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

شَاهِدًا عَلٰى اُمَّتِكَ: حضور ﷺ اپنی امت پر گواہی پیش کرنے والے ہیں۔

پھر اس معنی کی تائید میں انہوں نے حضرت ابن المبارک کے حوالے سے حضرت سعید ابن میتب کی یہ روایت ذکر کی ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَيُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ اُمَّتُهٗ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ. (مرجع سابق)

ترجمہ: ہر روز صبح وشام امت کے اعمال حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں،اسی لئے آپ ان پر گواہ ہوں گے۔

حافظ الحدیث امام ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حدیث: ''اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو روئے زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم حدیثیں بیان کرتے ہو اور تمہارے لئے حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ امت کے نیک عمل دیکھوں گا تو اس پر اللہ کا شکر ادا کروں گا اور امت کا برا عمل دیکھوں گا تو اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔ اس حدیث کو مسند بزار میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور حافظ الحدیث ''الہیثمی'' نے مجمع الزوائد میں اس کو صحیح لکھا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

علامہ الوسی نے شاھد کی تفسیر کے ضمن میں ایک اعتراض چھیڑ کر خود ہی اس کا جواب بھی دیا ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی امت کے اعمال کے گواہ ہیں۔ اگر مراد یہ ہے کہ آپ اپنے زمانے کے لوگوں کے اعمال کے گواہ ہیں تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ آپ ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے بعد کے لوگوں کے اعمال کے بھی گواہ ہیں تو یہاں ایک سوال یہ ہوگا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت حوض پر آئے گی اور میں اس وقت اپنی امت کے علاوہ دوسرے لوگوں کو حوض سے دور کر رہا ہوں گا، جیسے کوئی شخص اپنے حوض سے غیر کے اونٹوں کو دور بھگاتا ہے۔ صحابۂ کرام ﷺ نے پوچھا۔ یا نبی اللہ آپ ہم کو پہچان لیں گے،؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہاری ایک نشانی ہوگی جو دوسروں کے پاس نہیں ہوگی۔ تم حوض پر آؤ گے اس حال میں کہ تمہارے چہرے اور ہاتھ پیر وضو کے آثار کی وجہ سے چمکدار ہوں گے۔ تم میں سے (امت دعوت میں سے) ایک گروہ کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا تو وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں؟ مجھے ایک فرشتہ جواب دے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد اپنے دین میں دین کے

خلاف نئی باتیں نکالی تھیں۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ، حدیث: ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۶)

اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعد کے لوگوں کے اعمال کے گواہ نہیں، ورنہ وہ لوگ جو حضور ﷺ کی وفات کے بعد اپنا دین بدل لیں گے، جب وہ حوض کے پاس پہنچیں گے تو حضور ﷺ ان کے بارے میں یہ کہیں گے کہ اے میرے رب، یہ میرے اصحاب میں سے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کو ان کے بارے میں یہ علم ہوتا کہ انہوں نے آپ کی وفات کے بعد اپنا دین بدل لیا تھا تو ان کے بارے میں یہ نہ فرماتے کہ یہ میرے اصحاب میں سے ہیں۔

اس سوال کا ایک جواب علامہ الوسی نے یہ دیا ہے کہ حضور ﷺ کو ان کے عمل کا علم ہوگا لیکن خاص اس موقع پر ان بندوں کے تعلق سے آپ کے اندر اللہ کی طرف سے نسیان طاری کر دیا جائے گا۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں دِرایت کی نفی ہے، علم کی نفی نہیں۔ درایت کا اصل معنیٰ ہے اندازے اور قیاس سے کسی چیز کو جاننا۔ یہاں دِرایت کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی آپ کو ان کے مرتد ہونے کا علم قیاس اور اندازے سے حاصل نہیں بلکہ اس کا یقین حاصل ہے۔ بعض حضرات نے اپنے طور پر اور بھی جواب دیئے ہیں۔

سب سے عمدہ جواب جو راقم کی سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اپنی امت کو حوض پر بلائیں گے تو امت کے کچھ لوگ جو حضور ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو چکے تھے، وہ بھی حوض کوثر پہ آنے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ جب انہیں حضور اکرم ﷺ اس حال میں دیکھیں گے کہ ان کے چہرے اور ہاتھ پیر سیاہ ہیں، حالاں کہ آپ کی امت کے چہرے اور ہاتھ پیر آثار وضو کی وجہ سے چمکتے ہوں گے تو انہیں دیکھ کر آپ تعجب کرتے ہوئے یہ کہیں گے یَارَبِّ هٰؤُلَاءِ مِنْ اَصْحَابِیْ ؟ پروردگار! یہ مرے اصحاب میں سے ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اے رب! یہ میرے اصحاب کے ساتھ آ گئے ہیں، حالانکہ یہ میرے اصحاب کہاں سے ہو سکتے ہیں؟ ان کے چہرے اور ہاتھ پیر تو سیاہ ہیں اور میرے اصحاب کے چہرے اور ہاتھ پیر تو آثار وضو سے چمکتے ہیں۔ تو اتمام حجت کے طور پر اور ان مرتدین کی ذلت کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی فرشتہ کہے گا: بالکل نہیں یہ آپ کے اصحاب میں سے کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ کو پتہ

نہیں؟ انہوں نے آپ کے بعد دین کو بدل دیا تھا اور مرتد ہو گئے تھے۔ یعنی آپ تو جانتے ہی ہیں کہ آپ کے بعد یہ مرتد ہو گئے تھے۔

علماء جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں بہت سی جگہوں میں استفہام تقریر کے لئے آتا ہے یہاں یہی صورت ہے۔ یہ سارا سوال وجواب صرف ان مرتدین کی رسوائی اور ذلت کے لئے ہوگا۔ چنانچہ جب یہ کہہ کر ان کی ذلت کو ظاہر کر دیا جائے گا اور اتمام حجت کر دیا جائے گا تو حضور ﷺ ان سے فرمائیں گے: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔

اس توجیہ کی تائید مسلم شریف ہی کی دوسری روایت کے الفاظ میں غور کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری روایت میں ہے:

اُنَادِیْهِمْ اَلَاهَلُمَّ فَیُقَالُ اِنَّهُمْ قَدْبَدَّلُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا. (حدیث:۵۸۳)

ترجمہ: میں انہیں پکاروں گا آجاؤ۔ تو کہا جائے گا انہوں نے آپ کے بعد دین کو بدل دیا تھا۔ میں کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔ یہ پکارنا ان کو پر امید بنانے کے لئے ہوگا، پھر دھتکار دیا جائے، تاکہ اس سے ان کو زیادہ تکلیف ہو۔ ایسا نہیں کہ حضور ﷺ انہیں پہچان نہیں پائیں گے اور انہیں اپنے حوض کوثر سے پلانے کے لئے بلائیں گے۔

بہر حال علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی وفات کے بعد بھی اپنی امت کے اعمال کو دیکھتے ہیں اور آپ کا گواہ ہونا قیامت تک کے لوگوں کے حق میں عام ہے۔ یہی آپ کے حاضر وناظر ہونے کا معنیٰ ہے۔

اب ہم ذیل میں چند احادیث ذکر کرتے ہیں جن سے حضور ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ میں رہ کر شام میں ہونے والی جنگ کا نقشہ ملاحظہ فرمایا

بخاری شریف کتاب المغازی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زید، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ان کے شہید ہونے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَ جَعْفَرٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيْبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتّٰى اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ يَعْنِيْ خَالِدَبْنَ وَلِيْدٍ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۔ (بخاری باب غزوة مؤته من ارض الشام،حدیث: ۴۲۶۲)۔

ترجمہ: جھنڈا زید نے لیا تو وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر نے لیا، وہ بھی شہید ہو گئے پھر ابن رواحہ نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا، یعنی خالد بن ولید نے، تو اللہ نے دشمنوں پر فتح عطا فرمائی۔

فائدہ: مدینہ منورہ میں رہ کر شام میں ہونے والی جنگ کا نقشہ ملاحظہ فرمانا اور بغیر کسی ظاہری آلہ وسبب کے وہاں کے احوال کو جان لینا۔ علم ومشاہدہ کے لحاظ سے آپ کا شام میں حاضر وناظر ہونا ہے۔

رسول اکرم ﷺ دنیا کو مثل ہتھیلی دیکھتے ہیں

شارح بخاری امام قسطلانی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَاهُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ (زرقانی علی المواهب اللدنيه ۲۰۳/۷ کتاب الملاحم والفتن لنعیم بن حماد المعجم الکبیر للطبرانی، کنز العمال ۲۲۰/۱۱، حلیة الاولیاء لابی نعیم ۱۰۱/۶، الترغیب والترهیب ۲۱۱/۱)

ترجمہ: اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے۔ میں زمین اور قیامت تک اس میں ہونے والی چیزوں کو دیکھتا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

امام مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا. (صحیح مسلم کتاب الفتن حدیث: ۷۲۵۸، ابو داؤد کتاب الفتن حدیث: ۴۲۵۲، ترمذی کتاب الفتن حدیث: ۲۱۷۶، ابن ماجه کتاب الفتن حدیث: ۳۹۵۲، مسند احمد ۱۰۳/۵ حدیث: ۱۶۶۲۶)

ترجمہ: بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے تمام اطراف کو دیکھ لیا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا وفضل سے اللہ کے نبی اپنے علم ومشاہدہ کے لحاظ سے حاضر وناظر ہیں۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ حدیث تو آپ کی حیات کے موقع کی ہے لہٰذا آپ اپنی حیات میں روئے زمین کو مثل ہتھیلی دیکھتے تھے۔ بعدِ وفات ایسا نہیں ہے۔

یہ شبہ اس لئے درست نہیں کہ حدیث شریف کے مطابق اللہ کے نبی اپنے جسم اطہر کے ساتھ قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے علم ومشاہدہ اور تصرفات میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ اب بھی امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ اس لحاظ سے رسول اکرم ﷺ حاضر وناظر ہیں۔

بعد وفات حضور ﷺ کا قتل گاہ حسین میں حاضر ہونا

امام ترمذی نے حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل فرمائی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں، میں نے عرض کیا: آپ روتی کیوں ہیں؟ ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر مبارک اور ریش اقدس (داڑھی مبارک) پر گرد وغبار ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کا یہ حال کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: **شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ اٰنِفًا**۔ میں ابھی حسین کی شہادت گاہ میں حاضر ہوا تھا۔ (ترمذی: مناقب، حدیث: ۳۷۷۱)۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ اپنی وفات کے بعد اپنے جسم مثالی کے ساتھ کہیں بھی تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اسے خواب کا واقعہ کہہ کر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ کو حقیقت میں دیکھا۔ کیوں کہ شیطان حضور کی شکل میں نہیں آسکتا۔

امام ترمذی نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو ذکر کر کے اپنا یہ عقیدہ ظاہر فرمادیا کہ رسول اکرم ﷺ بعد وفات اپنے جسم مثالی کے ساتھ کسی جگہ تشریف لے جاسکتے ہیں۔اور حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا ایک معنی یہ بھی ہے، جو اہل سنت و جماعت کا موقف ہے۔

اب آیئے رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے ثبوت میں معتبر و معتمد محدثین و مفسرین و علماء ربانیین کے اقوال ملاحظہ کیجئے۔

شارح بخاری امام قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ عُلَمَاءُ نَا لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَالِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهٗ لَا خِفَاءَ بِهٖ .

(المواهب اللدنيه ۲/ ۳۸۷)

ترجمہ: ہمارے علماء کرام نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کی حالتوں، نیتوں، ارادوں اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں اور یہ آپ پر بالکل ظاہر ہے، اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

حضرت قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ اَحَدٌ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ. (الشفاء ۲/۲)

ترجمہ: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو اس میں داخل ہوتے وقت کہو: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔

اس کی شرح میں علامہ محدث علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرَةٌ فِيْ بُيُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ (شرح الشفاء مع نسیم الریاض ۳/ ۳۴۳)

ترجمہ: اس لئے کہ حضور ﷺ کی روح مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔

علامہ ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

قَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : اَنَّ الْاَرْضَ لَا تَاْكُلُ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ وَ قَدْ اَخْبَرَ بِهٖ بِاَنَّهٗ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهٗ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ اِلٰى غَيْرِ ذَالِكَ مِمَّا يَحْصُلُ مِنْ جُمْلَتِهِ الْقَطْعُ بِاَنَّ مَوْتَ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّمَا هُوَ رَاجِعٌ اِلٰى اَنْ غُيِّبُوْا عَنَّا بِحَيْثُ لَا

نُدْرِکُھُمْ وَاِنْ کَانُوْا مَوْجُوْدِیْنَ اَحْیَاءً وَذَالِکَ کَالْحَالِ فِی الْمَلَائِکَۃِ فَاِنَّھُمْ اَحْیَاءٌ مَوْجُوْدُوْنَ وَلَانَرَاھُمْ. (کتاب الروح :ص ۵۷،۵۸)

ترجمہ: نبی ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ زمین انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاسکتی اور یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی بھی مسلمان آپ پر درود پڑھے گا تو اللہ آپ کی روح کو آپ کی طرف متوجہ فرمائے گا اور آپ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس معنی کی اور بھی احادیث ہیں جن کے مجموعے سے اس بات کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کا مفہوم یہ ہے کہ (ان پر موت طاری ہوئی اور) وہ ہماری نگاہوں سے چھپا دیئے گئے۔ ہم انہیں دیکھ نہیں پاتے، اگرچہ وہ موجود (حاضر) زندہ ہیں، جس طرح کہ فرشتوں کا حال ہے کہ وہ زندہ موجود (حاضر) ہیں اور ہم انہیں نہیں دیکھتے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

اَلنَّظْرُ فِیْ اَعْمَالِ اُمَّتِہٖ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمْ مِنَ السَّیِّئَاتِ وَالدُّعَاءُ بِکَشْفِ الْبَلَاءِ عَنْھُمْ وَالتَّرَدُّدُ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَالْبَرَکَۃُ فِیْھَا وَحُضُوْرُ جَنَازَۃٍ مِنْ صَالِحِیْ اُمَّتِہٖ فَاِنَّ ھٰذِہِ الْاُمُوْرَ مِنْ اَشْغَالِہٖ ﷺ فِی الْبَرْزَخِ کَمَاوَرَدَتْ بِذَالِکَ الْاَحَادِیْثُ وَالْاٰثَارُ.

(انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص: ۲۰ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

ترجمہ: امت کے اعمال کو دیکھنا، ان کے گناہوں کے لئے استغفار کرنا، ان کی بلاؤں کو دور کرنے کے لئے اللہ سے دعا کرنا، زمین کے مختلف گوشوں میں آنا جانا اور برکتیں دینا، اپنی امت کے بعض صالحین کے جنازے میں شرکت کرنا، یہ امور حضور ﷺ کے اعمال میں سے ہیں عالم برزخ میں۔ اس پر احادیث و آثار وارد ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آں حضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل قائم وباقی است۔ وبراعمال امت حاضر وناظر ومر طالبان حقیقت را ومتوجہان آں حضرت رامفیض ومربی۔

(سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل مع اخبار الاخیار مطبوعہ رحیمیہ دیوبند ص ۱۶۱)

ترجمہ: امت کے علماء میں اختلاف اور کثرت مذاہب کے باوجود کسی کو اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کہ آں حضرت ﷺ حقیقی حیات کے ساتھ، جس میں مجاز کا شائبہ اور تاویل کا وہم نہیں، باحیات ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبان حقیقت اور آپ کی طرف متوجہ ہونے والوں کو فیض پہنچاتے ہیں اور ان کی تربیت فرماتے ہیں۔

حضرت محدث دہلوی مزید تحریر فرماتے ہیں:

اگر بعد ازاں گو کہ حق تعالیٰ جسد شریف را حالتے وقدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد، خواہ بعینہٖ وخواہ بمثال خواہ برآسمان وخواہ برزمین خواہ درقبر وغیرو ے صورتے دارد باوجود ثبوت نسبت خاص بہ قبر در ہمہ حال۔ (مدارج النبوۃ ۲/۴۵۰)

ترجمہ: پھر اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے جسم پاک کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں تشریف لے جائیں، چاہے اسی جسم کے ساتھ یا جسم مثالی کے ساتھ۔ آسمان پر یا زمین پر، قبر میں یا کہیں اور، یہ درست ہے۔ بہر صورت قبر شریف سے تعلق باقی رہتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

قَدْ اَثْبَتَ غَيْرُ وَاحِدٍ تَمَثُّلَ وَتَطَوُّرَ هَالِنَبِيِّنَا ﷺ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَادَّعٰى اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَدْيُرٰى فِىْ عِدَّةِ مَوَاضِعَ فِىْ وَقْتٍ وَّاحِدٍ مَعَ كَوْنِهٖ فِىْ قَبْرِهِ الشَّرِيْفِ يُصَلِّىْ.

(روح المعانی تفسیر سورۃ الاحزاب آیت: ۴۵، ۴۶)

ترجمہ: بہت سے (اکابر امت) نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بعد وفات ایک وقت میں اپنے جسم مثالی کے ساتھ متعدد مقامات میں دیکھے جاسکتے ہیں اور کبھی دیکھے جاتے ہیں حالانکہ آپ اس وقت اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

علامہ آلوسی امام سیوطی کا قول نقل فرماتے ہیں!

وَقَالَ بَعْدَ نَقْلِ اَحَادِيْثَ وَاٰثَارٍ مَانَصَّهُ، فَحَصَلَ مِنْ مَجْمُوْعِ هٰذَاالْكَلَامِ الْمَنْقُوْلِ وَالْاَحَادِيْثِ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ حَىٌّ بِجَسَدِهٖ وَرُوْحِهٖ وَاَنَّهٗ يَتَصَرَّفُ وَيَسِيْرُ حَيْثُ شَاءَ فِىْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَفِى الْمَلَكُوْتِ وَهُوَ بِهَيْئَتِهِ الَّتِىْ كَانَ عَلَيْهَا قَبْلَ وَفَاتِهٖ لَمْ يَتَبَدَّلْ مِنْهُ شَىْءٌ وَاَنَّهٗ مُغَيَّبٌ عَنِ الْاَبْصَارِ كَمَاغُيِّبَتِ الْمَلَائِكَةُ مَعَ كَوْنِهِمْ اَحْيَاءً بِاَجْسَادِهِمْ .فَاِذَا

اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالیٰ رَفَعَ الْحِجَابَ عَمَّنْ اَرَادَ اِكْرَامَهٗ بِرُؤْيَتِهٖ رَاٰهُ عَلٰى هَيْئَتِهِ الَّتِىْ هُوَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهَا لَامَانِعَ مِنْ ذَالِكَ وَلَادَاعِىَ اِلَى التَّخْصِيْصِ بِرُؤْيَةِ الْمِثَالِ.

(روح المعالی جلد ۱۲ ص ۵۲،۵۳)

ترجمہ: سیوطی نے احادیث وآثار نقل کرنے کے بعد جو کچھ کہا اس کا نتیجہ یہ ہے: یہ کلام جو نقل کیا گیا، اس کے مجموعے سے یہ معنی حاصل ہوا کہ نبی ﷺ اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور عالم ملکوت وروئے زمین میں جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ آپ اپنی اسی حالت پہ ہیں جس حالت میں دنیا میں تھے (جسم وروح کے ساتھ زندہ، متصرف ہیں) اس میں تبدیلی نہیں ہوئی (آپ کے علم، قدرت، تصرف میں کوئی کمی نہیں ہوئی) بس اتنا ہوا کہ ہماری نگاہوں سے چھپادیئے گئے۔ جیسا کہ فرشتے ہماری نگاہوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے نوری اجسام کے ساتھ زندہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آپ ﷺ کے دیدار سے شرف یاب کرنا چاہتا ہے تو اس کی نگاہوں کے سامنے سے حجاب اٹھادیتا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کو آپ کی حالت پر دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اور مثالی صورت دیکھنے سے اسے خاص کرنے کی ضرورت نہیں۔

پھر علامہ آلوسی نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ بات محال نہیں کہ نبی پاک ﷺ کا دیدار آپ کے جسم مثالی کے ساتھ متعدد جگہ میں ہو اور آپ کے جسم اقدس سے قبر شریف میں آپ کی روح کا تعلق قائم ہو۔ جیسا کہ حضرت جبرئیل حضور کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر ہوتے تھے اور سدرۃ المنتہیٰ سے جدا بھی نہیں ہوتے تھے۔ اور جسم مثالی کے تعدد سے مانع کوئی چیز نہیں۔

(روح المعانی تفسیر سورۃ الاحزاب آیت ۴۱ تا ۴۳ جلد ۱۲ ص ۵۲،۵۳)

التحیات میں یَاَیُّهَا النَّبِیُّ کے خطاب کے تعلق سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

"ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات۔ پس آں حضرت در ذات مصلیان موجود، حاضر است۔ پس مصلّی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا از انوار قرب واسرار معرفت منور فائز گردد"۔ (اشعۃ اللمعات ۱/۴۰۱)

ترجمہ: التحیات میں یَاَیُّهَا النَّبِیُّ کا خطاب اس لحاظ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ (نور محمدی) موجودات کے ذروں اور ممکنات کے افراد میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔ نمازی کو چاہئے کہ اس بات سے آگاہ رہے اور اس (مقام) شہود سے غافل نہ رہے تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور و سرفراز ہو سکے (شیخ محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ: لمعات میں بھی یہی بات لکھی ہے)۔

محدث دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر فتح العزیز میں وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"باشد رسول بر شما گواه . زیرا که او مطلع است بنور نبوت برتبۂ هر متدین بدین خود که در کدام درجه دین من رسیده و حقیقت ایمان او چیست و حجابے که بدان از ترقی محجوب مانده است کدام است .پس او می شناسد گناهائے شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمار او اخلاص و نفاق شمارا".

ترجمہ: رسول تم پر گواہ ہوں گے۔ کیوں کہ وہ آگاہ ہیں اپنے نور نبوت سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے درجے کو، کہ دین کے معاملے میں کس کا درجہ کیا ہے؟ اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور اس کی ترقی کی راہ میں کون سی رکاوٹ ہے؟ وہ تمہارے گناہوں کو پہچانتے ہیں، تمہارے ایمان کے درجوں کو جانتے ہیں اور تمہارے اچھے و برے اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو جانتے ہیں۔

التحیات میں جو حضور اکرم ﷺ پر سلام کا ذکر صیغہ خطاب کے ساتھ ہے اس کے تعلق سے شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ علامہ طیبی م ۷۴۳ھ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُصَلِّيْنَ لَمَّا اسْتَفْتَحُوْا بَابَ الْمَلَكُوْتِ اُذِنَ لَهُمْ بِالدُّخُوْلِ فِيْ حَرِيْمِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ فَقَرَّتْ اَعْيُنُهُمْ بِالْمُنَاجَاةِ وَنُبِّهُوْا عَلٰى اَنَّ ذَالِكَ بِوَاسِطَةِ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَبَرَكَةِ مُتَابَعَتِهِ فَالْتَفَتُوْا فَاِذَا الْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ فَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِ قَائِلِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الصلوۃ، جلد ۲ ص ۳۸۸ مکتبہ شیخ الہند دیوبند)

ترجمہ: (اہل عرفان کے مطابق اس مقام کی تشریح یہ ہے کہ) جب نمازیوں نے ''التحیات'' کے ذریعہ عالم ملکوت کے دروازے کو کھٹکھٹایا تو اس ذات (اللہ) کے حریم قدس میں داخلے کی انہیں اجازت مل گئی، جو زندہ ہے، جسے موت نہیں۔ تو اس ذات پاک سے ہم کلامی کے ذریعہ نمازیوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور انہیں اس بات پہ آگاہ کیا گیا کہ ان کو یہ (شرف) نبی رحمت کے واسطے سے اور آپ کی پیروی کی برکت سے حاصل ہوا۔ اس طرف جب ان کی توجہ ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ محبوب، محبوب کے حریم ناز میں موجود ہے تو وہ ان (محبوب خدا ﷺ) کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی حدیث مذکور کی تشریح میں یہی بات تحریر کی ہے۔ (عمدۃ القاری ۶/۱۱۱)

حجۃ الاسلام امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَاَحْضِرْ فِیْ قَلْبِکَ النَّبِیَّ ﷺ وَشَخْصَهُ الْکَرِیْمَ وَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ وَلْیَصْدُقْ اَمَلُکَ فِیْ اَنَّهٗ یَبْلُغُهٗ وَیَرُدُّ عَلَیْکَ مَاهُوَ اَوْفٰی مِنْهُ.

(احیاء علوم الدین ۱/ ۲۳۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمہ)

ترجمہ: جس وقت تو التحیات میں یہ عرض کرے السلام علیك ایها النبی تو اس وقت نبی کریم ﷺ کو اپنے دل میں حاضر رکھ اور حضور ﷺ کی ذات اقدس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ عرض کر۔ اے نبی کریم ﷺ! اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر۔ اس ناچیز کی طرف سے یہ سلام پیش ہے۔ زبان سے یہ کہے اور دل میں یہ سچی امید رکھے کہ تیرا یہ سلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور حضور ﷺ سلام کا اس سے بہتر جواب عطا فرماتے ہیں۔

علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ تحریر فرماتے ہیں

اَلْاَنْبِیَاءُ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ مِنَ الْاَجْسَامِ وَالظَّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَاطِنُهُمْ وَقُوَاهُمْ

الرُّوحَانِيَّةُ مَلَكُوتِيَّةٌ وَلِذَا تَرىٰ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا وَتَسْمَعُ اَطِيْطَ السَّمَاءِ وَتَشُمُّ رَائِحَةَ جِبْرَئِيْلَ اِذَا اَرَادَ النُّزُوْلَ اِلَيْهِمْ. (نسیم الریاض ۵۳۵/۳)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں، لیکن ان کی باطنی اور روحانی قوتیں ملکوتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ زمین کے تمام حصوں کو دیکھتے ہیں اور آسمان کی چرچراہٹ سنتے ہیں۔ جبرئیل کی آمد کے وقت ان کی خوشبو محسوس کر لیتے ہیں۔

ذکر کردہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کے اعمال، احوال، دلوں کی کیفیات کو جانتے ہیں۔ قیامت کے دن تمام اولین و آخرین کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ قبر مبارک میں رہتے ہوئے امت کے اعمال آپ دیکھتے ہیں اور روحانی طور پر یا جسم مثالی کے ساتھ کہیں بھی جانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ یہی معنیٰ آپ کے حاضر و ناظر ہونے کا ہے۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے حضور ﷺ کو حاضر و ناظر ماننا اگر شرک یا بدعت ہے تو جن محدثین و مفسرین اور علماء ربانیین کے حوالے سے ہم نے یہ بات لکھی ان کے بارے میں کیا کہا جائے؟ کیا معاذ اللہ یہ علماء ربانیین مشرکانہ عقیدہ رکھتے تھے؟

مسئلہ حاضر و ناظر اور مخالفین اہل سنت

جس معنی میں اہل سنت و جماعت رسول اکرم ﷺ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ وہی معنی بعض مخالفین اہل سنت کی کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ دیکھئے دیو بندوں کے امام مولوی محمد قاسم نانوتوی تحذیر الناس ر۱۰ میں لکھتے ہیں:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" کو بعد لحاظ صلہ من انفسهم کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں۔ کیوں کہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔

مسلمانو! نبی پاک ﷺ کو اس معنی میں حاضر و ناظر ماننا اگر شرک یا بدعت ہے تو مولوی قاسم نانوتوی صاحب کو کیا کہا جائے؟ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ دیو بندیوں کے امام مولانا قاسم نانوتوی صاحب تو یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ مومنوں کی جان سے زیادہ قریب ہیں، لیکن دیو بندیوں کے سب سے بڑے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی کے نزدیک نماز میں نبی پاک ﷺ کا خیال لانا اپنے گائے گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے زیادہ برا ہے۔ (صراط مستقیم ر۸۶ کتب خانہ رحیمیہ دیو بند)۔

نبی پاک ﷺ کو حاضر و ناظر ماننا دیو بندیوں کے نزدیک معاذ اللہ شرک ہے، لیکن ان کے نزدیک اپنے پیر کو حاضر و ناظر ماننا عین معرفت ہے۔ دیکھئے امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد گنگوہی دیو بندی لکھتے ہیں:

''ہم مرید بیقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید، اگر چہ از شیخ دور است، اما روحانیت او دور نیست چو این امر محکم دارد ہر وقت شیخ را بیاد دارد تا ربط قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود۔ مرید در حال واقعہ محتاج شیخ بود۔ شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسان حال سوال کند، البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القا خواہد کرد مگر ربط تام شرط است۔ بہ سبب ربط قلب شیخ را لسان

قلب ناطق می شود و بسوئے حق تعالیٰ راہ ے کشاید وحق تعالیٰ اورا محدث می کند"۔

ترجمہ: مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے۔ مرید جہاں بھی ہو، دور یا نزدیک۔ اگر چہ مرید کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں۔ اگر یہ بات پختہ ہوگئی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے تا کہ دلی تعلق ظاہر ہو اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا رہے۔ مرید واقعہ کی حالت میں پیر کا محتاج رہتا ہے، لہٰذا شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے۔ پیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور دل میں القا کرے گی۔ مگر کامل تعلق شرط ہے۔ اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان بولنے لگتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اس کو صاحب الہام بنا دیتا ہے۔

لیجئے! دیوبندیوں کا جو الزام شرک و بدعت، اہل سنت و جماعت پر ہے ان کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی کی عبارت نے اس کی بنیاد ہی ڈھادی۔ کیوں کہ جن باتوں کو دیوبندی جماعت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شرک کہتی ہے، مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب مرید کو پیر کے حق میں وہی باتیں ماننے کی تلقین کرتے ہیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب لکھتے ہیں: (۱) مرید پیر کو اپنے پاس حاضر وناظر تصور کرے (۲) مرید ہر وقت پیر کو یاد کرے (۳) مرید پیر کو حاجت روا سمجھتے ہوئے دور و نزدیک سے پکارے (۴) اس سے مدد مانگے (۵) پیر میں یہ طاقت ہے کہ مرید کی دور و نزدیک سے مدد کر سکے۔

مسلمانو! انصاف کرو۔ یہ باتیں سنی مسلمان، اللہ کے رسول ﷺ کے لئے مانیں تو ان پر شرک و بدعت کے فتوے لگیں اور انہیں باتوں کو دیوبندی جماعت اپنے پیروں کے لئے مانے تو عین ایمان و خالص سنت بن جائے، انصاف کے اس دوہرے معیار کی دنیا میں ہے کوئی مثال؟

شفاعت کا بیان

قیامت کے دن جب سارے لوگ خوف و ہیبت سے تھرا رہے ہوں گے۔ لوگ اضطراب و پریشانی کی حالت میں انبیاء کرام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے درخواست کریں گے کہ ان کے لئے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شفارس کریں تو انبیاء کرام علیہم السلام انہیں واپس کر دیں گے اور آخر میں سب لوگ سید المرسلین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔ حضور ﷺ ان کی درخواست سنیں گے اور بارگاہ الٰہی میں ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ آپ کے اسی مقام و مرتبہ کو قرآن حکیم میں ''مقام محمود'' کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (سورہ بنی اسرائیل : ۷۹)

ترجمہ: قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

اس آیت کی تفسیر کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا، اِنَّہٗ مَقَامُ الشَّفَاعَۃِ لِمَا رَوٰی اَبُوْھُرِیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالَ ھُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اَشْفَعُ فِیْہِ لِاُمَّتِیْ وَلِاشْعَارِہٖ تَعَالٰی بِالنَّاسِ یَحْمَدُوْنَہٗ لِقِیَامِہٖ فِیْہِ وَمَاذَالِکَ اِلَّامَقَامَ الشَّفَاعَۃِ.

ترجمہ: آیت کریمہ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا میں مقام محمود (حضور ﷺ کا) مقام شفاعت ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مقام محمود وہ مقام ہے کہ جہاں میں شفاعت کروں گا اپنی امت کی اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگاہ فرمائے گا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کریں گے اس مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے۔ اور وہ مقام صرف مقام شفاعت ہے۔

شفاعت کے تعلق سے قرآن حکیم میں ہے:

﴿۲﴾ لَایَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ (سورۂ مریم:۸۷)

ترجمہ: شفاعت کے مالک وہی ہوں گے جنہوں نے رحمٰن کے پاس عہد لیا ہے۔

یعنی انبیاء، اولیاء، شہداء اور مومنین کو شفاعت کا اذن ملے گا۔ کافر کو نہ شفاعت کرنے کا اختیار دیا جائے گا اور نہ ہی اس کے لئے کسی کی شفاعت قبول ہوگی۔ (البقرہ:۴۸، ۱۲۳، المدثر:۴۸، غافر:۱۸، الشعراء:۱۰۰)

بخاری شریف و مسلم شریف میں شفاعت سے متعلق ایک مفصل حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

حدیث: ''جب لوگ میدان حشر میں جمع ہوں گے تو سورج ان کے سروں کے بالکل قریب ہوگا۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔ لمبے انتظار کے بعد جب ان سے صبر نہ ہو سکے گا تو آپس میں مشورہ کریں گے اور کہیں گے'' کیوں نہ ہم ایسی ہستی کے پاس چلیں جو اللہ کی بارگاہ میں ہمارے لئے سفارش کرے''۔ چنانچہ وہ ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور یوں عرض کریں گے۔

''آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی روح پھونکی۔ پھر آپ کو جنت میں بسایا اور فرشتوں سے آپ کا سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ آپ ہمارے لئے اپنے رب کے یہاں سفارش کیجئے تاکہ اس تکلیف کی جگہ سے ہمیں نجات ملے۔ آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے۔ میرا رب آج بہت غضبناک ہے۔ وہ اس سے پہلے اتنا غضبناک کبھی نہیں تھا اور آج کے بعد اتنا غضبناک کبھی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا، میں فرمان پر عمل نہ کر سکا نَفْسِیْ۔ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ: مجھے آج اپنی جان کی فکر ہے۔ تم اپنی شفارس کے لئے کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ سارے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ روئے زمین میں سب سے پہلے رسول ہیں اللہ نے آپ کو ''عبد شکور (شکرگزار بندہ) کا لقب دیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں؟ آپ ہمارے لئے اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت نہیں کریں گے؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے۔'' آج میرا پروردگار بہت

زیادہ غضبناک ہے۔ اتنا زیادہ غضبناک نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ نَفْسِیْ، نَفْسِیْ۔ مجھے تو آج اپنی ذات کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دعا مانگنے کا حق دیا تھا کہ وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ میں نے وہ دعا کرلی ہے۔ یعنی اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا۔ اب میں اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کے لئے لب کشائی نہیں کرسکتا۔ کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ پھر سارے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے۔ ''آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی جواب دیں گے کہ آج میرا رب بہت زیادہ غضبناک ہے۔ میں تمہارے لئے شفاعت نہیں کرسکتا۔ مجھے تو آج اپنی جان کی فکر لگی ہے۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ کلیم اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توراۃ عطا فرمائی ہے اور انہیں قریب بلا کر ان سے کلام فرمایا ہے۔ سارے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر اپنی عرضی پیش کریں گے۔ آپ بھی معذرت کرلیں گے اور فرمائیں گے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حالتِ زار بیان کریں گے اور بارگاہ الٰہی میں ان کی شفاعت کرنے کی درخواست پیش کریں گے۔ آپ بھی معذرت فرمائیں گے اور فرمائیں گے کہ تم (حضرت) محمد ﷺ کے پاس چلے جاؤ کہ وہ اللہ کے برگزیدہ و مقبول بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی بشارت پائے ہوئے ہیں۔ سب لوگ حضور شفیع المذنبین ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں گے اور شفاعت کی درخواست پیش کریں گے تو ہمارے آقا ﷺ فرمائیں گے اَنَا لَهَا۔ میں اس کے لئے ہوں۔ مجھے حق ہے کہ اپنے رب کی بارگاہ میں مخلوق کی شفاعت کروں۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

''میں وہاں سے چل کر عرش الٰہی کے پاس حاضر ہوں گا اور اپنے رب سے شفاعت کرنے کی اجازت طلب کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اجازت عطا فرمائے گا۔ میں اپنے پروردگار کو عرشِ عظیم پر جلوہ فرما دیکھوں گا اور آج میں اس کی ایسی تعریف کروں گا کہ اس سے پہلے ایسی تعریف نہ کرسکا تھا۔ دیر تک میں سجدے میں رہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی۔

يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ سَلْ تُعْطَه وَاشْفَعْ تُشَفَّع .

اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھایئے اور مانگئے، آپ کو دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں سجدے سے سر اٹھاؤں گا اور رب کی بارگاہ میں عرض کروں گا۔ يَارَبِّ اُمَّتِي اُمَّتِيْ ۔اے میرے پروردگار! میری امت، میری امت۔(میری امت کو نجات دے) میرا رب مجھ سے فرمائے گا: اَدْخِلْ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَاحِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْاَيْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ۔ جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے اپنے ان امتیوں کو جنت میں داخل کرو، جن سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ دوسرے دروازوں سے بھی آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی۔

حضرت انس ﷜ سے یہ الفاظ منقول ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا:

ثُمَّ اَخِرُّ سَاجِدًا يُقَالُ لِيْ يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَکَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَ سَلْ تُعْطَهْ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَيُقَالُ : اِنْطَلِقْ وَافْعَلْ.

ترجمہ: پھر میں سجدے میں جاؤں گا۔ مجھ سے کہا جائے گا اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھایئے اور فرمایئے، آپ کی بات سنی جائے گی، سفارش کیجئے، قبول کی جائے گی۔ مانگئے دیا جائے گا۔ میں کہوں گا اے رب! میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ کہا جائے گا جایئے، جس کے دل میں ایک گیہوں یا جو کے برابر بھی (تھوڑا سا بھی) ایمان ہے اس کو (جہنم سے) نکال لیجئے۔ میں جاؤں گا اور انہیں جہنم سے نکالوں گا۔

حدیث: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْنَفْسِهٖ.

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث حدیث: ۹۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے مروی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرہ مند وہ ہوگا جو خلوص دل کے ساتھ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے گا۔

حضرت انس ﷜ سے مروی ہے:

حدیث: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَااَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ وَاَنَااَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ تَبَعًا.

(صحیح مسلم، کتاب الایمان حدیث: ۳۸۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے پہلے میں جنت کے بارے میں (اپنی امت کی) شفاعت کروں گا، اور تمام انبیاء کے پیروکار سے زیادہ میرے پیروکار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (ابراھیم : ۳۶)

ترجمہ: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا) اے رب! انہوں نے (بتوں نے) بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے، سو جس شخص نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت بھی پڑھی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (المائدہ ۱۱۸)

ترجمہ: (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کہا) اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرمادے تو، تو ہی سب پر غالب اور سب سے زیادہ حکمت والا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ان دونوں آیتوں کی تلاوت کے بعد اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ، اُمَّتِیْ ۔ اے اللہ! میری امت، میری امت، یہ کہتے ہوئے رونے لگے۔ اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا؟ اے جبرئیل جاؤ محمد ﷺ کے پاس اور پوچھو کہ آپ کیوں رورہے ہیں؟ حالاں کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ رب کا حکم پاتے ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے رونے کا سبب دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل کو بتایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کو سنایا، حالانکہ اللہ جانتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا: اے جبرئیل جاؤ محمد ﷺ کے پاس اور کہو: یقیناً ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث: ۴۹۹)

حدیث: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِيَ الْجَنَّةَ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِاَنَّهَا اَعَمُّ وَاَكْفٰى اَتُرَوْنَهَا لِلْمُتَّقِيْنَ؟ لَا وَلٰكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِيْنَ الْخَطَّائِيْنَ الْمُتَلَوِّثِيْنَ. (ابن ماجہ، کتاب الزھد حدیث ۴۳۱۱، ۴۳۱۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے یہ اختیار ملا کہ چاہوں تو یہ پسند کروں کہ میری آدھی امت جنت میں جائے یا پوری امت کے لئے شفاعت کروں تو میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا۔ کیوں کہ یہ زیادہ عام اور کافی ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ متقیوں کے لئے ہے؟ نہیں بلکہ گناہ گاروں، خطا کاروں اور برائیوں میں ملوث لوگوں کے لئے ہے۔

حدیث: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِکُلِّ نَبِیٍ دَعْوَۃٌ مُسْتَجَابَۃٌ فَتَعَجَّلَ کُلُّ نَبِیٍ دَعْوَتَہٗ وَ اِنِّیْ اخْتَبَاتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَۃً لِاُمَّتِیْ فَھِیَ نَائِلَۃٌ مَنْ مَاتَ مِنْھُمْ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا.

(ابن ماجہ باب ذکر الشفاعۃ حدیث ۴۳۰۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہر نبی کی دعاء قبول ہوئی۔ ہر نبی نے دنیا میں اپنی دعا کر لی لیکن میں نے اپنی دعا کو دل میں چھپا کر رکھا اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔ لہٰذا میری شفاعت اس شخص کو حاصل ہونے والی ہے جو اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا تھا۔

ابن ماجہ باب ذکر الشفاعۃ میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ. (ابن ماجہ حدث: ۴۳۱۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری شفاعت قیامت کے دن میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے ہے۔

مسند بزار، معجم اوسط طبرانی میں سند صحیح کے ساتھ مذکور ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ حَتّٰی یُنَادِیَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ فَیَقُوْلُ اَرَضِیْتَ یَامُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ نَعَمْ رَضِیْتُ قَالَ : رَاَیْتُ مَاتَعْمَلُ اُمَّتِیْ بَعْدِیْ فَاخْتَرْتُ لَھُمُ الشَّفَاعَۃَ.

(المعجم الاوسط ۲/۳۰۷، کنز العمال ج ۱۴، ص ۲۷۱ حدیث: ۳۹۷۵۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا، یہاں تک کہ میرا رب پکارے گا: اے محمد ﷺ کیا تو راضی ہوگیا؟ میں کہوں گا ہاں میں راضی ہوگیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھ لیا کہ میری امت میرے بعد کیا عمل کرے گی؟ اس لئے میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔

شفاعت کا عقیدہ برحق ہے اس کا ثبوت اخبار مشہورہ متواترۃ المعنی سے ہے۔ اس کو جو نہ مانے وہ سخت گمراہ، بددین و محروم ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِهٖ لَمْ یَکُنْ مِنْ اَھْلِھَا.

(جامع صغیر ۲/۴۳، کنز العمال ج۱۴ ص ۱۷۱، حدیث: ۳۹۰۵۳،۳۹۰۵۳)

ترجمہ: میری شفاعت، قیامت کے دن برحق ہے۔ جو اس پر ایمان نہ لائے وہ میری شفاعت کا حقدار نہیں۔

یہ حق ہے کہ قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ اپنے گناہ گار امتیوں کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن یہ خیال باطل اور گمراہ کن ہے کہ جب حضور ﷺ گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور گناہ بخشوائیں گے تو پھر گناہوں سے بچنے کی کیا ضرورت؟ ہرگز کوئی مسلمان ایسا نہ سوچے۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت کا حق دار ہونے کے لئے ایمان کی حالت میں موت ہونا شرط ہے۔ خدانہ خواستہ اگر کسی کی، کفر پر موت ہو تو وہ آپ کی شفاعت کا مستحق نہیں۔ یہ حدیث پاک بھی ہر مسلمان کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پہ ایک سیاہ نقطہ کی طرح دھبہ آجاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے وہ گناہ کرتا جاتا ہے، سیاہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے اور اس کی سیاہی اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے (صحیح مسلم حدیث: ۳۶۹ سنن ترمذی حدیث: ۳۳۳۴)۔

ظاہر ہے کہ جب بندہ گناہوں کا عادی اور گناہ پر جری ہو جاتا ہے تو سب سے بڑے گناہ ''کفر'' تک پہنچنے کا بھی خوف نہیں کرتا۔ اسے یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس سے کفر صادر ہو گیا ہے۔ خود کو وہ مسلمان سمجھتا ہے، حالانکہ اندر سے کافر ہو چکا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا مستحق کہاں رہا؟ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ گناہ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے اور نفس کے شر سے مغلوب ہو کر دانستہ یا نادانستہ طور پر اگر گناہ کرلے تو اس پر شرمندہ ہو اور رب تعالیٰ کے حضور استغفار کرے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت میں ہم گناہ گاروں کو اپنے حبیب کی شفاعت نصیب فرمائے۔

ایک خیر خواہانہ گذارش

واعظین و خطباء کو چاہئے کہ مسلمانوں کے حالات کے لحاظ سے انہیں وعظ سنائیں۔ جہاں پر لوگوں میں بے عملی عام ہو، لوگ گناہوں پر جری ہو رہے ہوں، وہاں انہیں صرف شفاعت کی احادیث سنانا قطعی طور پر حکمتِ تبلیغ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ ایسے موقع پر ایسے لوگوں کو صرف احادیث شفاعت سنانا گویا انہیں بے عمل رہنے کی ترغیب دینا ہے۔ علماء و واعظین، رسول اکرم ﷺ کے علوم نبوت کے امین و وارث ہیں، لہٰذا علوم نبوت کی تبلیغ کا کام منہاج نبوت پر انجام دینا، علماء کی ذمہ داری ہے۔ علماء کو نبی پاک ﷺ کی صفت بشیر و نذیر دونوں کا مظہر ہونا چاہئے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب کیمیاء سعادت میں ایسے واعظین کی سخت مذمت بیان کی ہے جو لوگوں کے حالات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف انہیں بشارت کی باتیں سناتے ہیں اور عذاب سے متعلق آیات و احادیث بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا مقصد لوگوں کی واہ واہی حاصل کرنا اور انہیں خوش کرنا ہوتا ہے اور یہ مقصد لوگوں کو خوش کن باتیں سنانے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔

ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ ہر سال چند لوگوں کو اپنی نگرانی میں سفر حج میں لے جایا کرتا تھا۔ ایک مجلس میں اس نے کہا: دیکھو! اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے، سال بھر گناہ کرو اور سال میں ایک بار مکہ مکرمہ پہنچ کر حج کرلو اور وہاں سے گناہوں سے پاک صاف ہو کر واپس لوٹ جاؤ۔ گناہوں کے تعلق سے اس کی جرأت و بے باکی پر مجھے افسوس و تعجب تو ہوا ہی، اس کے ساتھ ہی مجھے سخت افسوس عام واعظین کے اس انداز تبلیغ و وعظ پر ہوا، جس کی وجہ سے ایک جاہل کے اندر گناہوں کے تعلق سے اتنی بے باکی اور جرأت پیدا ہوئی۔ ظاہر ہے اس جاہل کے سامنے واعظین کی طرف سے بیان کی جانے والی صرف وہی حدیثیں اور روایتیں رہی ہوں گی، جن میں حج کے فضائل کا ذکر ہے، کہ حج کر کے آنے والا، گناہوں سے پاک و صاف ہو کر اس حال میں اپنے وطن واپس آتا ہے کہ

گویا آج ہی شکم مادر سے دنیا میں آیا ہے۔ حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حج اور حاجی کے فضائل کے تعلق سے جتنی روایتیں ہیں، وہ سب حج مبرور (حج مقبول) سے متعلق ہیں۔ جب آدمی اس ارادے سے حج کو جا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک وصاف کروا کے آئے گا، اور واپس آ کر سال بھر گناہ کرے گا پھر دوبارہ حج کو جا کر سال بھر کے گناہ معاف کروائے گا۔ تو درحقیقت اس کا حج حج ہی نہیں، پھر اس سے گناہوں کے معاف ہونے کا کیا سوال؟ گناہوں سے استغفار کے لئے احساس ندامت ضروری ہے۔ جہاں ندامت نہیں، بلکہ گناہ پر جرأت اور معاذ اللہ ترک گناہ کا عزم نہیں، بلکہ آئندہ گناہ کرنے کا ارادہ ہے، اس سے تو سرے سے ایمان ہی جانے کا خطرہ ہے، گناہ معاف ہونا دور کی بات ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فضائلِ اعمال اور ان سے متعلق بشارتوں کو ذکر کرنا منع نہیں، بلکہ نیک عمل کی ترغیب کے لئے یہ انداز شریعت میں مطلوب بھی ہے، لیکن اس کے لئے مخاطبین کے احوال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ فضائلِ اعمال کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کر دینا چاہئے کہ کن صورتوں میں اعمال کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور اعمال کی فضیلتیں کن شرطوں اور قیدوں کے ساتھ مشروط ہیں۔

غلامانِ رسول ﷺ بھی شفاعت کریں گے

اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی کے واسطے سے آپ کے غلاموں کو بھی شفاعت کی اجازت ملے گی۔ وہ بھی اپنے احباب ومتبعین کی شفاعت کریں گے۔

ترمذی شریف باب ماجاء فی ذکر الشفاعۃ میں ہے:

حدیث: وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَیْھِمْ وَلَا عَذَابَ، مَعَ کُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا. وَثَلَاثُ حَثَیَاتٍ مِنْ حَثَیَاتِ رَبِّیْ.

(سنن ترمذی حدیث ۲۴۳، مسند احمد ۱۶/۴، کنز العمال ۳۱۹۷۷)

ترجمہ: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت کے ستر ہزار لوگوں کو

بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ اور میرے رب کے (دست رحمت کے) تین لَپ کے برابر لوگ مزید ہوں گے۔ (یعنی رب تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے اور بھی بے شمار لوگوں کو بے حساب کے جنت میں داخل فرمائے گا)۔

مسند احمد ابن حنبل میں حضرت انس ﷺ سے مروی ہے، نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

حدیث: وَعَدَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یُدْخِلَ مِنْ اُمَّتِیْ الْجَنَّةَ مِأَةَ اَلْفٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ زِدْنَا: قَالَ لَهٗ هٰکَذَا وَاَشَارَ بِیَدِهٖ قَالَ یَانَبِیَّ اللّٰهِ زِدْنَافَقَالَ وَهٰکَذَا وَاَشَارَ بِیَدِهٖ قَالَ یَانَبِیَّ اللّٰهِ وَزِدْنَافَقَالَ وَهٰکَذَافَقَالَ عُمَرُ: قَطْکَ یَااَبَابَکْرٍ، قَالَ مَالَنَاوَلَکَ یَاابْنَ الْخَطَّابِ، قَالَ لَهٗ عُمَرُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَادِرٌ اَنْ یُدْخِلَ النَّاسَ الْجَنَّةَ کُلَّهُمْ بِحَفْنَةٍ وَاحِدَةٍ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ صَدَقَ عُمَرُ. (مسند احمد ج ۴ ص ۴۵ حدیث ۱۲۵۹۵)

ترجمہ: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے ایک لاکھ کو (بے حساب کے) جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور بڑھائیے۔ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا: ٹھیک ہے اتنا اور بڑھادیا۔ انہوں نے پھر کہا: یارسول اللہ اور بڑھائیے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا اتنا ہی اور بڑھادیا۔ پھر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اور بڑھائیے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا اتنا ہی اور بڑھایا۔

حضرت عمر نے کہا: اے ابوبکر بس کیجئے! حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے ابن الخطاب اس میں ہمارا اور تمہارا کیا جاتا ہے؟ حضرت عمر نے کہا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایک لپ (ایک ہی دستِ رحمت) سے سارے لوگوں کو جنت میں داخل فرمادے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔

حدیث: عن عبداللہ بن ابی الجدعاانّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ لَیَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ بَشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ. اَکْثَرُ مِنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ. قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سِوَاکَ؟ قَالَ سِوَایَ

(سنن ابن ماجه كتاب الزهد حديث ۴۳۱۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابوالجد عاء ﷺ نے رسول پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے ایک آدمی (حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ) کی شفاعت سے، قبیلۂ بنوتمیم کے لوگوں کی تعداد سے زیادہ تعداد میں میری امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہؑ

کرام ﷺ نے پوچھا۔ یارسول اللہ! آپ کے علاوہ آپ کی امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے اتنے لوگ جنت میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے علاوہ۔

حدیث: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ، اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. (سنن ابن ماجه حديث ۴۳۱۳، كنز العمال حديث ۳۹۰۶۶)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قیامت کے دن تین گروہ (خاص طور سے) شفاعت کریں گے۔ انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

حدیث: ایک شہید اپنے گھر والوں میں سے ستر آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ (کنز العمال حدیث: ۱۱۱۵)

حدیث: عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ لَيْسَ بِنَبِيٍّ، مِثْلُ الْحَيَّيْنِ رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَمَا رَبِيْعَةُ مِنْ مُضَرَ؟ قَالَ: اِنَّمَا اَقُوْلُ مَا اَقُوْلُ. (مسند احمد جلد ۶ ص ۳۴۳ حديث ۲۱۷۱۲)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی جو نبی نہیں، اس کی شفاعت سے دو قبیلے ربیعہ اور مُضر کے آدمیوں کے برابر میری امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ! کیا قبیلہ ربیعہ مُضر ہی کا حصہ نہیں؟ (پھر آپ نے انہیں دو قبیلہ کیسے فرمایا؟) تو آپ نے فرمایا! بے شک میں جو کچھ کہتا ہوں وہ مجھے کہلایا جاتا ہے (یعنی میری زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ وحی الٰہی ہے، میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا۔ لہٰذا میری بات پر اعتراض نہ کرو) (۱۲ مؤلف غفرلہٗ)

حدیث مذکور کو ذکر کرنے کے بعد اس کی سند کے تعلق سے امام منذری نے فرمایا: رواہ احمد باسناد جیّد۔ (الترغیب والترہیب ۴/۲۲۲) امام احمد نے اسے عمدہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے توسل واستمداد کا ثبوت قرآن وحدیث سے

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے اور آپ کے جاہ ومرتبہ اور برکت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا، مغفرت کی دعا کرنا، یہ فعلِ انبیاء اور سلف صالحین کے طریقوں سے ثابت ہے۔ خواہ یہ مدد مانگنا دنیا میں آپ کے آنے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو، آپ کی دنیاوی زندگی میں ہو یا برزخی زندگی میں ہو یا قیامت میں ہو، اس کے جائز وواقع ہونے پر اجماع وارد ہے اور اس سلسلے میں اخبار (احادیث وآثار) متواتر ہیں۔ چاہے اسے توسل کہو یا استعانت یا سفارشی بنانا، بہرحال درست ہے۔ صرف نبی پاک ﷺ کے ساتھ یہ خاص نہیں بلکہ تمام صالحین کو وسیلہ بنانا اور ان سے استعانت وامداد چاہنا بھی جائز ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد ج۱۲ ص۴۰۳)

اپنی حاجتوں کے لئے دعا کرنے میں رسول پاک ﷺ کو وسیلہ بنانے کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

آیت: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (النساء ۶۴)

ترجمہ: اور جب یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تھے، تو اگر آپ کے پاس حاضر ہوتے اور مغفرت چاہتے اللہ سے اور مغفرت طلب کرتے ان کے لئے رسول (بھی) تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا کی ہے

حدیث: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا اقْتَرَفَ اٰدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ فَقَالَ اللّٰهُ: يَا اٰدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ

مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ ؟ قَالَ : يَارَبِّ لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوْحِكَ رَفَعْتُ رَاسِيْ فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ : صَدَقْتَ يَاآدَمُ اِنَّهُ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ ، اُدْعُنِيْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ . (المستدرک للحاکم ج ۴ص ۱۵۸۳ حدیث ۴۲۲۸ ،مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ المکرّمہ)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب ﷺ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے جنت کے شجرۂ ممنوعہ سے کھالیا تو اللہ سے یوں مغفرت طلب کی۔اے میرے رب! میں تجھ سے محمد ﷺ کے حق کے وسیلے سے مغفرت چاہتا ہوں۔اللہ نے فرمایا:اے آدم! تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا، حالانکہ میں نے انہیں پیدا نہیں کیا ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے انہیں یوں پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے ستون پر لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے جان لیا کہ تو نے اس نام کو اپنے نام کے ساتھ شامل فرمایا ہے تو وہ ضرور مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے محبوب ہے۔ اللہ نے فرمایا: آدم! تو نے سچ کہا۔ یقیناً وہ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ مجھ سے اس کے حق کے وسیلے سے دعا کرو۔ میں نے تجھے بخش دیا۔اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

فائدہ: حدیث مذکورہ کو ذکر کرنے کے بعد امام حاکم نے تحریر فرمایا: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ ذَكَرْتُهُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بن زيد بن اسلم فى هذا الكتاب.

ترجمہ: یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے اس کتاب (المستدرک) میں ذکر کی ہے۔

امام محمد بن یوسف صالحی متوفی ۹۴۲ھ نے حدیث مذکور کے تعلق سے تحریر فرمایا:

روى الحاكم والطبرانى والبيهقى عن عمر بن الخطاب ......وتقدم هذا الحديث فى باب خلق آدم وَجَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ لِاَجْلِهٖ ﷺ وَتَقَدَّمَتْ شَوَاهِدُهٗ هُنَاكَ.

ترجمہ: حاکم، طبرانی اور بیہقی نے اس حدیث کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ حدیث مذکور کی شواہد کے ساتھ کتاب سبل الہدیٰ والرشاد میں عنوان "حضرت ادم علیہ السلام اور تمام مخلوقات کی تخلیق نبی پاک ﷺ کی وجہ سے ہوئی" میں گزر چکی ہے۔

تنبیہ: راقم الحروف کے مطالعہ میں "مستدرک حاکم" کا ایک جدید نسخہ، مکتبہ نزار مصطفےٰ الباز الریاض کا مطبوعہ ہے۔ اس میں تحقیق وتحشیہ کسی "حمدی اللہ مرداش محمد" نامی شخص کا ہے۔ اس میں ایک زبردست تلبیس اور علمی خیانت نظر آئی۔

اہل علم وتحقیق اچھی طرح یہ بات جانتے ہیں کہ کسی بھی کتاب کے مصنف کی رائے کے خلاف دوسری رائے علم وتحقیق کی کسوٹی پر رکھ کر پیش کرنے کا حق ہر محقق کو حاصل ہے، لیکن اس میں ایسا انداز اختیار کرنا ضروری ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہو کہ مصنف کی رائے کیا ہے اور محقق کی رائے کیا ہے؟

حدیث مذکور کو ذکر کرنے کے بعد امام حاکم نے اس کے تعلق سے اپنی رائے واضح انداز میں پیش کردی ہے کہ "یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کتاب (مستدرک) میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ذکر کی ہے"۔ محقق موصوف نے امام حاکم کی اس عبارت کے ساتھ اتنی عبارت اور بڑھا دی ہے۔ "اور ذہبی نے کہا کہ یہ صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے اور حدیث کا راوی عبدالرحمن واہی (کمزور) ہے۔"

امام حاکم کی رائے (یہ حدیث صحیح الاسناد ہے) کے ساتھ ذہبی کا قول (یہ حدیث موضوع ہے) اصل کتاب میں شامل کرنا درحقیقت قاری کے ذہن میں اشتباہ والتباس پیدا کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

اصول تحقیق کے مطابق محقق کو یہ چاہئے تھا کہ حاکم نے جب حدیث مذکور کو صحیح الاسناد لکھا اور اس پر محقق کو اعتراض تھا اور انہوں نے ذہبی کے حوالے سے اسے موضوع قرار دیا تو وہ ذہبی کے قول کو مستدرک کے اصل متن میں شامل نہ کرتے بلکہ اسے حاشیہ میں لکھتے۔ دوسری بات یہ کہ حاکم کے خلاف جب حدیث مذکور کو موضوع لکھا تو اسے دلیل سے مدلل کرتے۔ صرف ذہبی کے

حوالے سے یہ کہہ دینا کہ اس کا راوی عبدالرحمٰن واہی (کمزور) ہے، کیا حدیث کے موضوع ہونے کے لئے کافی ہے؟ اسے موضوع ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اصحاب جرح وتعدیل کے حوالے سے عبدالرحمٰن کا کذاب یا متہم بالکذب ہونا ثابت کرتے۔ حالانکہ عبدالرحمٰن کا کَذّاب، وضّاع (حدیث گڑھنے والا) یا مُتّہم بالکِذْب (جس پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو) ہونا تو دور کی بات ہے ناقدین حدیث کے نزدیک ان کا ضعیف ہونا مختلف فیہ ہے۔ حاکم کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے انہیں ضعیف لکھا (تقریب التہذیب) امام ترمذی نے غیر محفوظ لکھا، بخاری نے ضعیف جداً اور نسائی نے ضعیف لکھا۔ باوجود اس کے ان سے روایت لینے والے محدثین کی ایک بڑی جماعت ہے۔ دراصل ان کے تفردات کو محدثین نے قبول نہیں کیا ورنہ ان کی بعض روایات جن کے شواہد موجود ہیں انہیں محدثین نے مقبول قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے لکھا: عبدالرحمن ضعیف فی الحدیث لا یحتج بما ینفرد به۔

(حاشیہ میزان الاعتدال ۲۸۲/۴)۔

حاکم کی حدیث مذکور، عبدالرحمٰن کا تفرد نہیں بلکہ اس کے شواہد موجود ہیں، اگرچہ بیہقی نے اسے عبدالرحمٰن کا تفرد کہا ہے۔ امام صالحی شامی نے کہا کہ اس کے شواہد موجود ہیں جیسا کہ اسی کتاب میں اس کے شواہد مذکور ہوئے۔ حافظ ابن کثیر نے اسے البدایہ والنہایہ میں عبدالرحمٰن کی سند سے حاکم، بیہقی ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت عبدالرحمٰن بن زید کا تفرد نہیں بلکہ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے علاوہ حضرت ابن عباس، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کو امام حاکم کے علاوہ، شیخ عبداللہ بن محمد اصبہانی متوفی ۳۶۹ھ نے طبقات المحدثین باصبہان میں، امام سبکی نے شفاء السقام میں، امام ابوحفص عمر بن رسلان بلقینی متوفی ۸۰۵ھ نے اپنے فتاویٰ میں، امام دیلمی متوفی ۵۰۹ھ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور کم از کم حَسَن لغیرہ کے درجے کو پہنچتی ہے۔ اور اگر اسے ضعیف بھی کہہ لیا جائے تو ایسی ضعیف نہیں ہوگی جو نا مقبول ہو چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے۔ اسے موضوع کہنا اصول روایت کے لحاظ سے قطعاً باطل ہے۔

بات بہر حال قابل گرفت اور باعث تشویش ہے کہ کتاب کے محشی نے مستدرک کی احادیث کی تخریج میں شیخ البانی (غیر مقلدین کے معتبر و محقق عالم) کی "السلسلة الصحيحة والضعيفة" اور دیگر کتب احادیث کے جتنے حوالے لکھے ہیں وہ سب متن کتاب کے نیچے فٹ نوٹ (حاشیہ) کے طور پر لکھے ہیں، لیکن مستدرک حاکم کی حدیث مذکور جسے حاکم نے صحیح الاسناد لکھا اور حاکم کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور اس کے متعدد شواہد بھی ذکر کیے ہیں پھر بھی اس کو ذہبی کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کے محشی نے اصل کتاب میں "موضوع" کیوں لکھا؟ حالانکہ یہ دعویٰ کہ ذہبی نے اسے موضوع کہا، خود تشنۂ دلیل ہے۔ بہر حال حدیث مذکورہ کو موضوع کہنا سراسر باطل ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث: حضرت عثمان بن حنیف ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے شفا دے۔ مجھے بینائی عطا فرمائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں اسے موخر کرتا ہوں اور یہ (تاخیر کرنا) تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو میں دعا کرتا ہوں۔ اس نے عرض کیا: آپ دعا فرمائیں۔ آپ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا اور دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھنے کی تعلیم دی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَامُحَمَّدُ اِنِّىْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّىْ فِىْ حَاجَتِىْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِىَّ.

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، نبی رحمت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے وسیلے سے یا محمد ﷺ میں آپ کے واسطے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا، اپنی اس حاجت میں تاکہ یہ پوری ہو جائے۔ اے اللہ! میرے حق میں ان کی سفارش قبول فرما۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیہا حدیث:۱۳۸۵، ترمذی ابواب الدعوات حدیث:۳۵۷۸، مسند احمد ۱۳۸/۴، حدیث:۱۶۷۸۹، ۱۶۷۹۰، صحیح ابن خزیمہ:۱۲۱۹، مستدرک حاکم:۱۱۸۰، ۱۹۰۹، بیہقی دلائل النبوۃ ۱۶۶/۶، نووی کتاب الاذکار:۸۳، تحفۃ الذاکرین للشوکانی ۱۹۴، ۱۹۵)

ابن ماجہ اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح علی شرط الصحیحین کہا ہے۔ امام ترمذی نے

اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام احمد ابن حنبل کی حدیث: ۱۶۷۹۰ میں ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے اس نابینا کی بینائی لوٹ آئی۔

ضروری تنبیہ: احادیث مذکورہ میں دعاء مذکور لفظ یا محمد کے ساتھ ہے۔ بلکہ مسند احمد میں تو دو مرتبہ یا محمد کے ساتھ ہے۔ لیکن ترمذی کے موجودہ تمام نسخے جو دیوبند سے مطبوع ہیں یا دیوبند کے مطبوعہ نسخوں کا عکس لے کر چھاپے گئے ہیں، ان سے لفظ یا محمد کو نکال دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ علمائے دیوبند و وہابیہ یا محمد اور یا رسول اللہ پکارنے کو ناجائز کہتے ہیں، بلکہ بعض تو اسے شرک بھی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہابیہ کے معتمد شیخ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ ج ا ص ۲۶۷ میں اس حدیث کو یا محمد کے ساتھ درج کیا ہے۔

نبی پاک ﷺ کے چہرۂ انور کے وسیلے سے بھی بارش ہوتی تھی

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

حدیث: حضرت سالم اپنے والد عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ علی المبنر. فَمَا نَزَلَ حَتّٰى جَيْشَ كُلُّ مِيْزَابٍ بِالْمَدِيْنَةِ. فَاَذْكُرُ قَوْلَ الشَّاعِرِ:

وَاَبْيَض يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ   ثِمَالُ الْيَتَامٰى، عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

(بخاری کتاب الاستسقاء حدیث: ۱۰۰۹، ابن ماجہ: الدعا فی الاستسقاء حدیث ۱۲۷۲)

ترجمہ: (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ) کبھی ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ بار ہوتے اور میں آپ کے رخ انور کو تکتے ہوئے شاعر (ابوطالب) کا ایک شعر گنگناتا تھا۔ جس کی برکت یہ ہوتی تھی کہ ابھی آپ منبر سے نیچے نہیں اترتے تھے کہ موسلا دھار بارش ہونے لگتی تھی اور مدینہ منورہ کے سارے پرنالے خوب بہنے لگتے تھے۔

شعر وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: قسم ہے اس پیکر حسن کی، جس کے رخ زیبا کے وسیلے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کا فریادرس اور بے سہاروں اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔

فائدہ۵: حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول پاک ﷺ کو ''فریادرس'' پناہ گاہ اور ماویٰ وملجا کہنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے جو لوگ اسے شرک کہتے ہیں انہیں اس حدیث کو پڑھ کر اپنے خیال کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

بعد وصال نبی پاک ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنے کا ثبوت

عَنْ مَالِکِ الدَّارِ کَانَ خَازِنَ عُمَرَ علیٰ الطَّعَام قَالَ اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلیٰ قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا فَاَتَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِی الْمَنَامِ فَقَالَ ائْتِ عُمَرَ فَاَقْرِءْہُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْہُ اَنَّھُمْ مُسْتَقُوْنَ وَقُلْ لَہٗ عَلَیْکَ الْکَیْسَ الْکَیْسَ فَاَتَی الرَّجُلُ عُمَرَ فَاَخْبَرَہٗ فَبَکٰی عُمَرُ ثُمَّ قَالَ یَارَبِّ لَا اٰلُوْاِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْہُ. (وفاء الوفاء الباب الثامن الفصل الثالث ومصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل باب فضل عمر بن الخطاب حدیث: ۳۵)

ترجمہ: مالک دار سے روایت ہے، یہ حضرت عمر کے غلہ کے خازن تھے، کہ لوگ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قحط میں مبتلا ہوئے تو ایک شخص (بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) حضور ﷺ کی قبر مقدس پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لئے رحمت کی بارش کی دعاء کیجئے! لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اس شخص کے خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: عمر سے جا کر میرا سلام کہنا اور انہیں یہ خوش خبری سنانا کہ لوگوں کو بارش دی جائے گی اور ان سے جا کر کہنا کہ وہ دانائی اختیار کریں۔ وہ شخص حضرت عمر کے پاس آیا اور اس واقعہ کی خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو دیئے، پھر عرض کیا: اے رب میرے! جہاں تک ممکن ہے میں کوتاہی نہیں کرتا مگر جس سے عاجز ہوں۔ (وہ نہیں کر سکتا)۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تحریر فرمایا:

رَوَی بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ مِنْ رِوَایَۃِ اَبِیْ صَالِحِ السَّمَّانِ عَنْ مَالِکِ الدَّارِیِّ

اس کے بعد روایت مذکورہ کے وہی الفاظ ذکر کئے ہیں جو مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہیں۔ پھر اس کے آگے یہ تحریر فرمایا:

وَقَدْ رَوَی سَیْفٌ فِی الْفُتُوْحِ اَنَّ الَّذِیْ رَاَی الْمَنَامَ الْمَذْکُوْرَ ھُوَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِیُّ اَحَدُ الصَّحَابَۃِ۔ (فتح الباری: ۲/۶۱۲، مکتبہ شیخ الہند دیوبند ۲۰۰۶ء)

تنبیہ: راقم کے مطالعہ میں فتح الباری کا جو نسخہ ہے اس پر تعلیق مشہور اہل حدیث عرب عالم عبدالعزیز بن باز کی ہے۔ اہل حدیث وغیر مقلدین چونکہ بنیادی طور پر محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد کے ماننے والے ہیں اور ان کے نزدیک نبی پاک صلی ﷺ کو آپ کی وفات کے بعد اپنی دعاؤں کے لئے وسیلہ بنانا شرک ہے۔ اس لئے شیخ بن باز کے لئے یہ ناممکن تھا کہ اس پر اپنی طرف سے کچھ حاشیہ آرائی نہ کرتے۔ چنانچہ انہوں نے جب دیکھا کہ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے حدیث مذکور کو صحیح الاسناد لکھا تو اگر اس کے بالمقابل اپنی جماعتی عادت کے مطابق حدیث مذکور کو ضعیف یا موضوع لکھتے تو اہل علم، بن باز کو بیک نظر رد کر دیتے۔ اس لئے بن باز نے حدیث مذکور کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے لئے کئی قلابازیاں دکھائی ہیں۔ پہلے تو اس کی صحت کا دبے انداز میں انکار کرتے ہوئے لکھا: اگر اس اثر کو صحیح مان لیا جائے تو بھی یہ اس بات کے لئے حجت نہیں بن سکتا کہ نبی کی وفات کے بعد آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرنا جائز ہے۔ اس آدمی نے جو کیا وہ ناجائز بلکہ شرک تک پہنچانے والا ہے۔ بلکہ اہل علم نے اسے ایک طرح کا شرک قرار دیا ہے۔ پھر بن باز کو خیال آیا کہ ابن حجر نے تو سیف کے حوالے سے لکھا کہ درخواست کرنے والے شخص، حضرت بلال بن حارث مزنی ؓ تھے، لہٰذا شرک کا یہ الزام تو ایک صحابی کے سر جاتا ہے تو قلابازی دکھاتے ہوئے یہ لکھا: شارح نے سیف کے حوالے سے جو بات لکھی اس کی سند ذکر نہیں کی، اس لئے اس کا صحیح ہونا مشکوک ہے۔ پھر بن باز صاحب کو خیال آیا ہوگا کہ ان کی اس منطق پر تو اہل علم کو ہنسی آئے گی۔ کیوں کہ کسی روایت کی سند مذکور نہ ہونے سے اس کی صحت کا مشکوک ہونا ضروری

نہیں، ورنہ خود بخاری کی تعلیقات کی صحت کا معاملہ مشکوک ٹھہرے گا۔ تو بن باز صاحب نے ایک اور پینترا بدلا اور یہ لکھا کہ اگر سیف کی روایت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے کہ بارش کی دعا کے لئے درخواست کرنے والا آدمی، صحابی رسول بلال بن حارث مزنی تھے پھر بھی اس کو نبی کے وسیلے سے دعاء کے جائز ہونے کی دلیل نہیں بنا سکتے۔ بن باز کی اس نادرِ روزگار تحقیق پر تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کو ہم کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں اور سردست ان کے وکیلوں سے صرف یہ سوال کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے، بن باز کے بقول اگر سیف کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ نبی پاک سے درخواست کرنے والے صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی ﷺ تھے پھر بھی اس روایت کو نبی کو وسیلہ بنانے کے جائز ہونے پر دلیل نہیں بنا سکتے۔ لیکن بن باز نے تو یہ لکھا کہ وسیلہ بنانا فعل منکر (ناجائز کام)، شرک کا سبب، بلکہ شرک ہے اور ظاہر ہے جب یہ مان لیا گیا کہ وہ فعل کرنے والے صحابی ہیں تو بقول بن باز کے، صحابی رسول معاذ اللہ شرک کے مرتکب ہوئے یا کم از کم ناجائز فعل کرنے والے ہوئے اور حضرت عمر ﷺ نے اس صحابی رسول کے قول پر اعتماد کیا اور اس کے فعل منکر بلکہ شرک پر اپنی ناراضگی ظاہر نہیں کی تو معاذ اللہ حضرت عمر ایک فعل ناجائز و شرک کی تائید کرنے والے ہوئے؟ پھر بن باز کے بقول صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف ﷺ بھی اس ناجائز و شرک کے فعل میں ملوث ہوئے کہ انہوں نے ایک شخص کو نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے وسیلے سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔

قارئین کرام! بات دراصل یہ ہے پوری وہابی لابی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہابی (اہل حدیث) اسلام میں ایک نیا فرقہ ہے جس کا بانی محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ ہے۔ اس فرقے کا باطل ہونا اس کی پیدائش کے وقت ہی ظاہر ہو چکا ہے اور سواد اعظم اہل سنت واسلاف امت نے اسے خوارج کی بگڑی ہوئی صورت کہہ کر اپنے آپ کو ان سے الگ کر لیا ہے۔ اب یہ فرقہ معتزلہ کی طرح اپنا اصلی چہرہ چھپانے کے لئے اور خوارج کی اقتداء میں صرف اپنے آپ کو موحد کہتا ہے اور ابن عبد الوہاب نجدی اور اس کے متبعین کے سوا پوری دنیا کے مسلمانوں کو مشرک کہتا ہے۔ حتیٰ کہ خوارج کی طرح اس کے شرک کی زد سے صحابۂ کرام

ﷺ بھی محفوظ نہیں۔ جیسا کہ مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ فرقہ چوں کہ اسلاف امت کے عقائد ونظریات سے ہٹا ہوا ہے اس لئے انہوں نے منصوبہ بند طریقے سے اسلاف کی کتابوں میں تعلیق وتحقیق اور ترتیب جدید کے نام پر تحریفات کا سلسلہ شروع کر دیا ہے تا کہ ان کی کتابوں میں وہابی نظریات کی چھاپ چھوڑی جا سکے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جا سکے کہ ابن عبد الوہاب نجدی کسی نئے مذہب کا بانی نہیں تھا بلکہ ان کے عقائد ونظریات وہی تھے جو اسلاف امت کے نظریات تھے۔ سچ ہے ع:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اس روایت سے متعلق میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ مصنف ابن ابوشیبہ کا جو نسخہ اس وقت میرے پیش نظر ہے وہ دار الفکر بیروت سے چھپا ہے اور اس پر تعلیق وتحقیق ''سعید محمد اللحام'' نام کے کسی شخص کی ہے۔ اس میں روایت مذکورہ اس طرح ہے کہ اس شخص (بلال بن حارث ﷺ) کے خواب میں رسول پاک ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تم عمر کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور ان سے کہو: ''اَنّکُمْ مستقیمون'' (تم سیدھے ہو) حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ صحیح یہ ہے'' اَنّکُمْ مُسْتَقُون'' یامُسْقَوْنَ (یقیناً تم بارش سے سیراب ہو گے)۔ خواہ یہ کتاب کی غلطی ہو یا کچھ اور، بہر حال یہ غلط ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک نبی پاک ﷺ کی قبر انور کے وسیلے سے دعا کرنا جائز

امام دارمی نے یہ روایت ذکر فرمائی:

قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلىٰ عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كَوًّا اِلىٰ السَّمَاءِ حَتّٰى لَايَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ قَالَ: فَفَعَلُوْا فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ عَنِ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ. (سنن الدارمی ج ۱ ص ٥٦، باب ما اکرم الله تعالیٰ نبیهٗ بعد موته حدیث: ۹۲)

ترجمہ: مدینہ منورہ میں شدید قحط پڑا۔لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کی قبر مبارک اور آسمان کے درمیان حجاب دور کرنے کے لئے چھت میں سوراخ کردو۔لوگوں نے ایسا ہی کیا۔حدیث کے راوی حضرت ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم پر خوب بارش ہوئی۔ یہاں تک کہ زمین میں ہریالی آگئی اور اونٹ موٹے تازے ہوگئے اور ان پر خوب چربی چڑھ گئی اور اس سال کو ہریالی کا سال کہا گیا۔

حضرت علی ﷺ کے نزدیک نبی پاک کے وصال کے بعد آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز

عَنْ عَلِيِّ بْنِ ابِى طَالِبٍ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا اَعْرَابِىٌّ بَعْدَ مَادَفَنَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَرَبَطَ بِنَفْسِهٖ عَلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَحَثَا مِنْ تُرَابِهٖ عَلٰى رَاسِهٖ وَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُلْتَ وَسَمِعْنَا قَوْلَكَ وَوَعَيْتَ عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ وَعَيْنَا عَنْكَ وَكَانَ فِيْمَا اُنْزِلَ عَلَيْكَ وَلَوْاَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ (الاٰية). وَقَدْ ظَلَمْتُ وَجِئْتُكَ لِتَسْتَغْفِرَ لِىْ فَنُوْدِىَ مِنَ الْقَبْرِ اَنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ.(وفاء الوفاء ۲/ص ۱۳۶۱تفسیر ابن کثیر ۲/۳۱۵)

ترجمہ: سیدنا علی ابن ابی طالب ﷺ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی ہمارے پاس آیا، جب کہ اس کے آنے سے تین دن پہلے ہم حضور پاک ﷺ کے جسم مبارک کو دفن کرچکے تھے۔وہ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف سے لپٹ گیا اور اس کی مٹی لے کر سر پر ملنے لگا۔وہ عرض کرتا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے قول کو ہم نے سنا۔آپ نے اللہ سے لیا اور ہم نے آپ سے لے کر محفوظ کرلیا۔اور آپ پر جو قرآن نازل ہوا اس میں یہ بھی ہے کہ "جب لوگ اپنے نفس پر ظلم کر کے آپ کے پاس آئیں، اللہ سے مغفرت چاہتے ہوئے اور رسول ان کے لئے مغفرت طلب کریں تو وہ یقیناً اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا، بہت مہربان پائیں گے"۔میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، تاکہ آپ میری مغفرت کی دعا فرمائیں۔قبر مبارک سے آواز آئی۔بے شک تجھے بخش دیا گیا۔

حضرت عثمان بن حُنیف ﷛ نے نبی پاک ﷺ کے انتقال کے بعد آپ کے وسیلے سے دعا کرنے کی تعلیم دی

حضرت عثمان بن حنیف ﷛ سے مروی ہے کہ ایک شخص کسی ضرورت سے حضرت عثمان بن عفان ﷛ کے پاس آتا جاتا تھا اور حضرت عثمان ﷛ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور اس کی ضرورت کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے۔ ایک دن اس شخص کی ملاقات حضرت عثمان بن حنیف سے ہوئی۔ اس نے آپ سے اس بات کی شکایت کی تو حضرت عثمان بن حنیف ﷛ نے فرمایا کہ وضوخانے میں جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز ادا کرو، پھر یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ جَلَّ وَعَزَّ لِیَقْضِیَ لِیْ حَاجَتِیْ.

(اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں ہمارے نبی، نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے۔ یا محمد میں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میری حاجت پوری فرمادے)۔

یہ دعاء پڑھ کر اپنی حاجت، رب کے حضور پیش کرو، پھر میرے پاس آؤ، تا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں۔ اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف ﷛ کے کہنے کے مطابق کیا۔ پھر حضرت عثمان بن عفان ﷛ کے دروازے پر آیا۔ اس بار دربان نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل کیا اور حضرت عثمان کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان ﷛ نے اس شخص کو اپنے ساتھ مسند پہ بٹھایا اور پوچھا کہ تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام بتایا تو حضرت عثمان ﷛ نے اس کا کام کر دیا۔ پھر پوچھا کہ تم نے آج سے پہلے اپنا کام کیوں نہ بتایا؟ جب بھی تجھے کوئی حاجت ہو، میرے پاس آ جانا۔ وہ شخص حضرت عثمان ﷛ کے پاس سے باہر نکلا تو حضرت عثمان بن حنیف ﷛ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ سے کہا: اللہ آپ کو اچھا بدلہ دے۔ اس سے پہلے حضرت عثمان ﷛ میری حاجت کی طرف

دھیان نہیں دیتے تھے۔آپ نے میری سفارش کی تو میرا کام بن گیا۔حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ میں نے تمہارے بارے میں حضرت عثمان سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ہاں ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں موجود تھا۔آپ کے پاس ایک نابینا آیا اور دعا کی درخواست کی۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا صبر کروگے؟اس نے کہا یارسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں اور مجھے تکلیف ہوتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: وضوخانہ جاؤ۔وضوکر کے دو رکعت نماز پڑھو، پھر آپ ﷺ نے اسے ان کلمات (جو میں نے تمہیں بتائے) سے دعاء کرنے کی تلقین فرمائی۔حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ابھی ہماری مجلس برخاست نہیں ہوئی تھی اور زیادہ دیر بات بھی نہیں چلی تھی کہ وہ نابینا اس حال میں واپس آیا کہ اس کی آنکھ میں بینائی آچکی تھی۔(الترغیب والترہیب جلد اص ۳۰۸ صلاۃ الحاجہ)

امام منذری متوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ الطَّبْرَانِيُّ بَعْدَ ذِكْرِ طُرُقِهٖ: والحدیث صحیح (امام طبرانی نے حدیث مذکور کی سندوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث ''صحیح'' ہے۔

امام حافظ الحدیث ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کا عقیدہ

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ محمد ابن اسحاق الثقفی سے یہ روایت ذکر کی ہے۔انہوں نے کہا کہ میں نے ابواسحاق القرشی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمارے پاس مدینہ میں ایک شخص تھا، جب وہ کوئی برائی دیکھتا تھا اور اسے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو نبی پاک ﷺ کی قبر شریف کے پاس آکر یوں گنگناتا تھا:

یَا قَبْرَیِ النَّبِيِّ وَصَاحِبَیْهِ أَلَا غَوْثَنَا لَوْ تَعْلَمُوْنَا

ترجمہ: اے قبر میں آرام فرمانے والے نبی اور آپ کے دونوں ساتھی، اے ہمارے مددگار! کیا ہماری مدد نہیں کریں گے؟ کاش آپ حضرات ہماری جانب توجہ فرماتے (کہ ہم کتنے گناہوں میں ڈوبے ہیں)۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۱۵۱۶، ۴۱۷۷)

ایک اعرابی حج کیلئے آیا ہوا تھا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے دروازے کے پاس آیا تو اپنی اونٹنی کو بٹھا کر باندھ دیا، پھر قبر شریف کے پاس آ کر رسول پاک ﷺ کے چہرۂ مبارک کے مقابل کھڑے ہو کر یہ عرض کیا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ'' پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سلام پیش کیا۔ اس کے بعد رسول پاک ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور یہ فریاد کرنے لگا:

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ جِئْتُکَ مُثْقَلاً بِالذُّنُوْبِ وَالْخَطَایَا مُسْتَشْفِعًا بِکَ عَلٰی رَبِّکَ لِاَنَّہٗ قَالَ فِیْ مُحْکَمِ کِتَابِہٖ "وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَاءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا. (النساء: ۶۴) وَقَدْ جِئْتُکَ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ مُثْقَلًا بِالذُّنُوْبِ وَالْخَطَایَا اَسْتَشْفِعُ بِکَ عَلٰی رَبِّکَ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ وَاَنْ تَشْفَعَ فِیَّ.

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے باپ ماں فدا ہوں۔ میں آپ کی بارگاہ میں گناہوں اور خطاؤں کا بوجھ لے کر آیا ہوں۔ آپ کے رب کے پاس آپ کو اپنا سفارشی بناتا ہوں۔ کیوں کہ اللہ نے اپنی محکم کتاب (قرآن) میں فرمایا ہے ''اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آتے پھر اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا رحم فرمانے والا پاتے''۔ میرے باپ ماں آپ پر قربان، یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے گناہوں اور خطاؤں کا بوجھ لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کو رب کی بارگاہ میں اپنا سفارشی بناتا ہوں تا کہ آپ میرے گناہوں کی مغفرت کے لئے سفارش فرمائیں اور آپ کے وسیلے سے میرے گناہ بخش دیئے جائیں۔

اس کے بعد وہ شخص لوگوں کے سامنے جا کر یہ اشعار پڑھنے لگا:

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ اَعْظُمُہٗ ۔۔۔ فَطَابَ مِنْ طِیْبِہِ الْاَبْقَاعُ وَالْاُکُمُ
نَفْسِیَ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ ۔۔۔ فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

(مرجع سابق)

ترجمہ: اے وہ ذات جو قبر میں مدفون تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ وہ ایسی پاکیزہ ذات ہے جس کی پاکیزگی سے پوری روئے زمین پاکیزہ ہوگئی۔ میری جان قربان اس قبر اطہر پر، جس

میں آپ جلوہ بار ہیں، جس میں پاکدامنی اور جود و کرم کا خزانہ ہے۔

اس واقعہ کے راوی امام عتبی کا بیان ہے کہ وہ اعرابی چلا گیا۔ میں جب سویا تو میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے عتبی اس اعرابی کے پاس جاؤ اور اسے خوش خبری سناؤ کہ اللہ نے اس کی مغفرت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۱۵)

قاضی عیاض اور امام مالک کا عقیدہ

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۴۴ھ "الشفاء" میں خلیفہ ابو جعفر کا واقعہ نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں:

امام مالک نے خلیفہ ابو جعفر سے فرمایا کہ اے امیر المومنین اس مسجد (مسجد نبوی) میں اپنی آواز اونچی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو ادب سکھایا ہے کہ "تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو" اور ایک گروہ کی تعریف بیان فرمائی کہ "بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کی بارگاہ میں پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لیا ہے" اور ایک گروہ کی برائی بیان فرمائی کہ "بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے"۔

یقیناً آپ ﷺ کا احترام آپ کی وفات کے بعد اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ کی ظاہری حیات میں آپ کا احترام ضروری تھا۔ ابو جعفر خاموش ہو گئے۔ پھر پوچھا اے ابو عبد اللہ (امام مالک) میں قبلہ کی طرف رخ کر کے دعا کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا: تم اپنا رخ حضور کی طرف سے کیوں ہٹاؤ گے؟ حالانکہ وہ ذات تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہے اللہ تک پہنچنے کا۔ بلکہ تم ان کی طرف رخ کرو اور انہیں اپنا سفارشی بناؤ۔ اللہ تعالیٰ تیرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔ (الآیہ)

ترجمہ: اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آتے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے اور رسول ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا رحم فرمانے والا پاتے۔ (الشفاء ار ۳۱ فصل فی تعظیم النبی بعد موتہ)

تنبیہ: راقم کے مطالعہ میں الشفاء کا ایک جدید ایڈیشن ہے۔ اس کو مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات نے شائع کیا ہے۔ اس میں تقدیم وتحقیق طٰہ عبدالرؤف اور خالد بن محمد بن عثمان کی ہے۔ ان دونوں نو پید محقق نے تحقیق کے نام پر الشفاء کے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو منصوبہ بند طریقے پر سلفی اہل حدیث، وہابی علماء کر رہے ہیں۔ الشفاء کی اس روایت کے ضمن میں جو حاشیہ لگایا گیا ہے، اس میں یہ لکھا ہے کہ امام مالک کی جانب منسوب یہ روایت صحیح نہیں اور آیت مذکورہ سے اس بات پر استدلال کرنا باطل ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس آنا اور وہاں آپ کے وسیلے سے اپنے گناہوں پر استغفار کرنا جائز ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی موت کے بعد آپ کی قبر پہ آ کر آپ کو سفارشی بنا کر اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے اللہ سے دعا کرنا باطل ہے، بدعت ہے۔ یہاں بھی تحقیق اور حفاظت توحید کے نام پر بڑی جرأت کے ساتھ بالواسطہ قاضی عیاض، امام طبرانی، بیہقی، امام نووی و دیگر محدثین واسلاف امت حتیٰ کہ صحابۂ کرام کو بھی مرتکب بدعت قرار دیا گیا۔ بلکہ نبی پاک کی احادیث کو بھی جھٹلا دیا گیا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری حیات میں مجھ سے ملاقات کی۔

علامہ زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ شرح المواہب اللدنیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ یَرَوِلَایَۃَ الرَّسُوْلِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ وَلَمْ یَرَ نَفْسَہُ فِیْ مِلْکِہٖ لَایَذُوْقُ حَلَاوَۃَ سُنَّتِہٖ.

ترجمہ: جو ہر حال میں نبی ﷺ کو اپنا مددگار اور خود کو آپ ﷺ کا غلام نہ سمجھے وہ آپ کی سنت کی مٹھاس سے محروم ہے۔

شارح بخاری امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں:

وَلَایُقَالُ اِنَّ اِسْتِغْفَارَ الرَّسُوْلِ لَھُمْ اِنَّمَا ھُوَ فِیْ حَالِ حَیَاتِہٖ وَلَیْسَتِ الزِّیَارَۃُ کَذَالِکَ وَاَنَّ الْاٰیَۃَ دَلَّتْ عَلٰی تَعْلِیْقِ وِجْدَانِ اللّٰہِ تَوَّابًا رَّحِیْمًا بِثَلَاثَۃِ اُمُوْرٍ.

(المواهب اللدنية مع شرح الزرقاني ۱۲/۱۸۲، ۱۸۳)

ترجمہ: یہ نہ کہا جائے کہ گناہ گار بندوں کے لئے رسول کی دعاء مغفرت، آپ کی حیات کے ساتھ خاص تھی۔ (موت کے بعد بھی آپ امت کے لئے استغفار فرماتے ہیں) اسی طرح آپ کی زیارت آپ کی حیات کے ساتھ خاص نہیں تھی۔ (بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی زیارت قربت و نیکی ہے) اور آیت کریمہ: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا الخ. یہ بتاتی ہے کہ گناہ گار بندے۔ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے جب تین چیزیں پائی جائیں گی۔ رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونا، ان کا استغفار کرنا اور رسول کا ان کے لئے استغفار کرنا۔

گزشتہ دلیلوں سے ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ ہر حال میں حضور اکرم ﷺ سے مدد طلب کرنا، آپ کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا، آپ کے مزار پاک کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں حاجت طلب کرنا جائز ہے۔

اولیاء کرام کو وسیلہ بنانے کا ثبوت، قرآن وحدیث سے

انبیاء کے علاوہ اللہ کے ولیوں کے وسیلے سے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا جائز ہے۔ یہ شرک وبدعت ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (المائدہ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف (پہنچنے کا) وسیلہ تلاش کرو۔

آیت مذکورہ میں وسیلہ سے مراد نیک اعمال بھی لے سکتے ہیں اور اللہ کے نیک بندے (انبیاء واولیاء) بھی۔

نبی ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے کے ثبوت پر پہلے دلائل گزر چکے۔ اب اولیاء کرام کو وسیلہ بنانے کے ثبوت پر دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

حدیث: حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ انہیں اپنے سے کمزور لوگوں پر (اللہ کے نزدیک) فضیلت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے (ان کے خیال کی تردید میں) فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَاءِ كُمْ.

(بخاری شریف کتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب، حديث نمبر ۲۸۹۶)

فائدہ: امام بخاری نے عنوان قائم فرمایا ہے کہ "جنگ میں صالحین اور نحیف وکمزور لوگوں کے وسیلے سے اللہ کی مدد چاہنا" اس عنوان کے تحت حدیث مذکور کے علاوہ ایک حدیث اور ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

يَاتِىْ زَمَانٌ يَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فيقال: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ؟ فَيُقَالُ نَعَمْ فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَاتِىْ زَمَانٌ فَيُقَالُ: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ اَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ فَيُقَالُ: نعم، فيفتحُ، ثم يَاتِى زمانٌ فيقال: فيكم من صحب صاحب اصحابِ النبى ﷺ فيقال نعم فيفتحُ.

(بخاری حدیث: ۲۸۹۷)

ترجمہ: ایک زمانہ آئے گا جس میں مسلمانوں کی جماعت کافروں سے جنگ کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی نبی ﷺ کا صحابی ہے؟ کہا جائے گا ہاں! تو اس کے سبب فتح ملے گی۔ پھر ایک زمانہ آئے گا اور پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی شخص نبی ﷺ کے صحابہ کی صحبت پانے والا ہے؟ کہا جائے گا ہاں! تو فتح مل جائے گی۔ پھر ایک زمانہ آئے گا اور پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی آدمی ایسا ہے جس کو نبی ﷺ کے صحابہ کی صحبت پانے والے کی صحبت ملی ہو؟ کہا جائے گا ہاں! تو فتح مل جائے گی۔

حدیث: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اِبْغُوْنِى فِى الضُّعَفَاءِ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَاءِ كُمْ.

(ابوداؤد: باب فی الانتصار برذل الخیل والضعفۃ، حدیث نمبر ۲۵۹۴)

ترجمہ: مجھے کمزوروں میں تلاش کرو۔ کیوں کہ تمہیں تمہارے ضعیفوں کے وسیلے سے رزق

ملتا ہے اور اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: حدیث مذکور میں ضعیف لوگوں سے مراد اللہ کے وہ پسندیدہ بندے ہیں جو اللہ کی عبادت میں زیادہ مصروف رہنے کی وجہ سے جسمانی اعتبار سے نحیف و کمزور نظر آتے ہیں، لیکن ان کا ایمان ویقین اور لوگوں سے مضبوط ہوتا ہے۔ رسول پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایسے بندے اللہ اور اللہ کے رسول کے پسندیدہ ہوتے ہیں اور ان کے وسیلے سے لوگوں کو رزق ملتا ہے اور اللہ کی مدد ملتی ہے۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ ایک آدمی نے کہا: اے امیر المومنین ان پر لعنت کیجئے! حضرت علی نے فرمایا: نہیں۔ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

اَلْاَبْدَالُ یَکُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا، کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَکَانَهُ رَجُلًا یُسْقٰی بِهِمُ الْغَیْثُ وَیُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَیُصْرَفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ.

(مسند احمد جلد اص ۱۸۰، حدیث: ۸۹۸)

ترجمہ: ابدال شام میں ہوتے ہیں، وہ چالیس ہیں، جب بھی ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے کو مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کے وسیلے سے بارش دی جاتی ہے اور دشمنوں پر فتح ملتی ہے اور انہیں کے وسیلے سے اہل شام سے عذاب کو دور رکھا جاتا ہے۔

حدیث: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قحط کے موقع پر اس طرح دعا کرتے تھے "اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں ہمارے نبی کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا۔ ہم اپنے نبی کے چچا عباس کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے ہیں، ہمیں بارش عطا فرما۔ اس دعا کے بعد بارش ہوتی تھی۔

(بخاری شریف حدیث نمبر ۳۷۱۰)

فائدہ: احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کی ذات کو بھی اللہ سے دعا کے لئے وسیلہ بنانا جائز ہے۔ لیکن وہابیہ (اہل حدیث) میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ وسیلہ ناجائز اور بعض اسے شرک کا وسیلہ اور بعض شرک کہتے ہیں۔ ان کے مطابق معاذ اللہ حضرت عمر، حضرت عباس کو وسیلہ بنا

کر کس چیز کے مرتکب ہوئے؟

وہابیہ کے ایک مغالطے کا جواب

وہابیہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی دعا میں وسیلہ بنایا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے وسیلے سے دعا کرنا درست نہیں۔ اس مغالطے کے جواب میں سب سے پہلے تو یہ کہا جائے گا کہ وہابیہ کے نزدیک تو کسی ذات کو وسیلہ بنانا، ناجائز ہی نہیں بلکہ شرک ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا نہ ہو پھر ان کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانا کیسے درست ہو گیا؟ اور اگر وہ اپنی بات سے پھر جائیں اور یہ کہیں کہ زندہ کو وسیلہ بنانا درست ہے، مردے کو وسیلہ بنانا درست نہیں، تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ نبی ﷺ کو تم زندہ سمجھتے ہو یا مردہ۔ اگر زندہ، تو پھر اپنے اصول کے مطابق آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا درست مانو اور اگر کہو کہ نبی ﷺ مردہ ہیں تو یہ عقیدہ خود سخت گمراہی بلکہ بعض اکابر علمائے اہل سنت کے مطابق کفر ہے۔ کیوں کہ حیات النبی ﷺ کے ثبوت پر احادیث صحیحہ متواتر کے حکم میں ہیں، جیسا کہ امام سیوطی نے ''انباء الاذکیا'' میں تحریر فرمایا ہے۔ بہر حال وہابیہ کے لئے ضلالت کے جال سے نکلنے کے لئے اپنے باطل عقیدے سے تائب ہو کر نبی کے وصال کے بعد بھی آپ سے توسل کو جائز کہنے کے سوا کوئی صورت نہیں۔ علاوہ ازیں شارح بخاری امام بدر الدین عینی کی روایت میں محدث زبیر بن بکار کے حوالے سے ایسے الفاظ مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حضرت عباس کو اپنی دعا میں وسیلہ بناتے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت رسول پاک ﷺ کو واسطہ بنا کر اللہ سے دعا کرتے تھے۔ حضرت عباس یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یُکْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ وَهٰذِهٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا اِلَیْکَ بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ. (عمدة القاری ۱:۶۱۳ مکتبه شیخ الهند دیوبند)

ترجمہ: اے اللہ! جو بلا (ہم پر) نازل ہوئی وہ گناہ کے سبب ہے اور وہ توبہ ہی سے دور ہوگی۔قوم مجھ کو وسیلہ بنا کر تیری طرف متوجہ ہوئی ہے، اس لئے کہ مجھے تیرے نبی سے تعلق ہے۔ یہ گناہوں سے بھرے ہوئے ہمارے ہاتھ تیری طرف اٹھے ہوئے ہیں اور توبہ کے لئے ہماری پیشانیاں تیری بارگاہ میں جھکی ہوئی ہیں تو ہمیں بارش سے سیراب فرما۔

حضرت عباس ﷛ کے اس انداز دعا سے واضح ہوا کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ حضرت عباس نے اپنی دعا میں نبی پاک ﷺ سے اپنے قرب وتعلق کو وسیلہ بنایا۔اس کے علاوہ گزشتہ صفحات میں عنوان ''رسول اکرم ﷺ سے توسل واستمداد کا بیان'' میں اس پر تفصیلی دلائل پیش کئے گئے ہیں وہاں ملاحظہ کیجئے۔

اولیاء کرام کو ان کے وصال کے بعد وسیلہ بنانے کا ثبوت

قرآن وحدیث کے حوالے ثابت کیا گیا کہ اللہ کے نیک بندوں کو اپنی دعا میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔ان کے وسیلے سے اللہ بندوں کو رزق پہنچاتا ہے۔ فتح عطا فرماتا ہے۔ بارش عطا فرماتا ہے قرآن وحدیث میں اس حکم کو عام رکھا گیا ہے۔ کہیں یہ قید نہیں لگائی گئی ہے کہ وسیلہ صرف عمل کو بنانا درست ہے یا نیک بندوں کو صرف ان کی حیات میں وسیلہ بنانا درست ہے۔ان کی وفات کے بعد ان کو وسیلہ بنانا جائز نہیں۔ جب یہ حکم عام ہے تو اس کو عام رکھا جائے گا۔اس کو عمل کے ساتھ خاص کرنا یا زندہ نیک بندے کے ساتھ خاص کرنا اپنی طرف سے قرآن وحدیث کے حکم میں اضافہ کرنا ہے۔ یہ جرم عظیم ہے۔اس کے علاوہ قرآن واحادیث کریمہ اور محدثین ومجتہدین امت کے قول وعمل یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں کے وصال کے بعد بھی ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور ان صالحین کو رب کی بارگاہ میں جو قرب حاصل ہے اس کی وجہ سے ان کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرنا دعا کی قبولیت کا سبب ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ قرآن حکیم سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ مذکور ہے۔اس میں ہے کہ جب دونوں حضرات ایک شہر میں پہنچے۔وہاں دو یتیم بچوں کی دیوار کو دیکھا، وہ گرنے کے

قریب تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اسے ہاتھ کے سہارے سے درست کردیا۔اس دیوار کے نیچے خزانے دفن تھے۔وہ دیوار گر جاتی تو خزانے لوگوں کی نظر میں آجاتے اور وہ اسے نکال لیتے اور دونوں یتیم بچوں کا حق غصب کرلیا جاتا۔دونوں یتیم بچوں کے نیک والد کے وسیلے سے اللہ نے ان کے خزانے کو محفوظ فرمادیا۔اس طرح کہ حضرت خضر نے رب کے اذن سے ان کی دیوار کو گرنے سے بچالیا۔معلوم ہوا کہ صالح بندے کی وفات کے بعد بھی اس کے وسیلے سے،یعنی اللہ کی بارگاہ میں اسے جو قرب حاصل ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دوسرے بندوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔جب فائدہ پہنچاتا ہے تو اس کے وسیلے سے دعا کرنا جائز کیوں نہیں؟

﴿۲﴾حضرت امام شافعی کے نزدیک اولیاء کرام کو ان کے وصال کے بعد وسیلہ بنانا درست ہے۔وہ تحریر فرماتے ہیں:

اٰلُ النَّبِیِّ ذَرِیْعَتِیْ وَھُمْ اِلَیْہِ وَسِیْلَتِیْ

اَرْجُوْا بِھِمْ اُعْطٰی غَدًا بِیَدِیْ الْیَمِیْنِ صَحِیْفَتِیْ

ترجمہ:ال نبی میرا ذریعۂ نجات ہیں اور اللہ کی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے میرا وسیلہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کے وسیلے سے مجھے قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔(الصواعق المحرقۃ ابن حجر مکی' مکتبۃ القاھرہ مصر ص ۱۸۰)

﴿۳﴾حضرت امام احمد ابن حنبل نے حضرت امام شافعی کے وسیلے سے دعا مانگی تو ان کے صاحبزادے عبداللہ نے تعجب کا اظہار کیا تو امام احمد بن حنبل نے جواب دیا:

اِنَّ الشَّافِعِیْ کَالشَّمْسِ لِلنَّاسِ وَکَالْعَافِیَۃِ لِلْبَدَنِ.

(شواھد الحق للامام النبھانی ص ۷۶ مصطفی البالی مصر)

ترجمہ:بے شک شافعی لوگوں کے لئے سورج کی طرح ہیں(جس سے لوگ دینی توانائی وروشنی حاصل کرتے ہیں)اور بدن کے لئے تندرستی کی طرح ہیں۔(شریعت پر درستگی کے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو شافعی کی پیروی کرو)۔

صحابہ کرام ﷡ کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

صحابی، اللہ کا وہ خوش نصیب بندہ ہے جس نے ایمان کے ساتھ نبی اخر الزماں ﷺ سے ملاقات کی اور ایمان کی حالت میں اس کی وفات ہوئی۔ (شرح نخبۃ الفکر للعلامۃ العسقلانی ص:۴۸)

تمام صحابۂ کرام ہدایت پر تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بشارت سنائی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے، ان کے لئے کامیابی ہے۔ ان کے درجات بلند ہیں۔ ان کا ذکر ادب سے کرنا واجب ہے۔ ان کی شان میں گستاخی کرنا، منافقت، دین اسلام سے خروج اور اللہ کی لعنت کا سبب ہے۔

ان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبہ: ۱۰۰)

ترجمہ: اور سب سے پہلے ایمان لانے والے لوگ یعنی مہاجرین وانصار اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بڑی کامیابی ہے۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ. (الحج: ۷۸)

ترجمہ: اللہ نے تم کو چن لیا ہے اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

تمہارے باپ ابراہیم کی ملت۔ اللہ نے تمہارا نام پہلے مسلمان رکھا۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (التوبہ: ۸۸)

ترجمہ: لیکن رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے مالوں اور جانوں

کے ذریعہ اللہ کے راستے میں جہاد کیے (ان کے دل پر مہر نہیں لگی ہے) اور وہی لوگ کامیابی والے ہیں۔

وَكُلًّا وَعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى. (الحدید: ۱۰)

ترجمہ: اور نبی کے ہر صحابی کے لئے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا۔

جو شخص صحابہ کے راستے سے ہٹا ہوا ہے وہ جہنمی ہے۔

اللہ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْرًا. (النساء: ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے لئے ہدایت واضح ہونے کے باوجود، اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ پھرا ہم اسے اُدھر ہی موڑ دیں گے اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بڑی بُری جگہ ہے۔

صحابہ کرام کو اذیت و تکلیف پہنچانا نبی کو تکلیف پہنچانا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن معقل سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي اَصْحَابِيْ لَاتَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَاْخُذَ. (ترمذی شریف باب فضل من رأی النبی ﷺ ج ۲ ص ۲۲۶)

ترجمہ: میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد تم انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی میری محبت کے سبب ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھا اور جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو ناراض کیا اور جس نے اللہ کو ناراض کیا قریب ہے کہ وہ اسے اپنی پکڑ میں لے گا۔

حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَاتَسُبُّوْا اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِيْ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَوْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا اَدْرَكَ مُدَّ اَحَدِهِمْ

وَلَا نَصِيْفَهٗ. (بخاری شریف کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ .حدیث:۳۶۷۳)

ترجمہ: تم میرے کسی صحابی کو بُرا نہ کہو۔ اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی اُحد پہاڑ کے برابر (اللہ کے راستے میں) سونا خرچ کرے تو کسی صحابی کے ایک آدھ مُدّ کے خرچ کے برابر ثواب نہ پاسکے گا۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَارَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِىْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ.

(ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۲۷ ابواب المناقب)

ترجمہ: جب تم انہیں دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا کہتے ہیں تو تم کہو۔ اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر۔

صحابہ کرام نجومِ ہدایت ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

حدیث: اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ. (مشکوۃ باب مناقب الصحابہ ص ۵۵۴)

ترجمہ: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. (ترمذی)

ترجمہ: تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین مہدیین کی پیروی واجب ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور چھوٹنے نہ دو۔

صحابہ کرام سب کے سب فضیلت والے ہیں لیکن تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا:

اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ ابوبکر ثُمَّ عمر ثُمَّ عُثْمَانُ ذُوالنُّوْرَيْنِ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ الْمُرْتَضٰى رضوان اللّٰهِ تعالى عليهم اجمعينَ. (الفقه الاكبر مع شرح على القارى ص ۱۱۳)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر، پھر عمر بن خطاب پھر عثمان بن عفان ذوالنورین پھر علی بن ابی طالب مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

اہلِ حدیث (غیر مقلدین، وہابیہ) کی صحابۂ کرام سے دشمنی

فرقہ وہابیہ (اہلِ حدیث) خوارج کی شاخ ہے اس لئے انہوں نے خوارج کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں کی ہیں۔ذیل میں اہل حدیث کے علماء کی کتابوں سے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

اہلِ حدیث کے نزدیک حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما امت میں سب سے افضل نہیں

اہل حدیث کے مشہور عالم وحید الزماں نے لکھا:

لَایُقَالُ اِنَّ تَفْضِیْلَ الشَّیْخَیْنِ مُجْمَعٌ عَلَیْهِ حَیْثُ جَعَلُوْهُ مِنْ اَمَارَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ،لِاَنَّا نَقُوْلُ دَعْوَی الْاِجْمَاعِ غَیْرُ مُسَلَّمٍ۔ (هدیة المهدی ج ۱ ص ۹۶)

ترجمہ: یہ نہ کہا جائے کہ شیخین (حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کا دیگر صحابہ سے افضل ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔اس کو لوگوں نے اہل سنت کی علامات میں سے شمار کیا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ اجماع کا دعویٰ تسلیم نہیں۔

وہابیہ کے نزدیک حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی دیگر صحابہ کرام پر فضیلت غیر مسلّم ہے۔حالاں کہ آج تک اہل سنت وجماعت کا یہی موقف چلا آرہا ہے۔

وَتَفْضِیْلُ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُما مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ بَیْنَ اَهْلِ السُّنَّةِ۔

(شرح الفقه الاکبر ص ۱۱۳، علی القاری)

ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو اور صحابہ کرام سے افضل ماننا اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اس کی دلیل میں بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے:

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كُنَّا فِى زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَانَعْدِلُ بِاَبِىْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عمر

(الحديث)بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی حديث ۳۶۹۸)

ترجمہ ہم نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ابوبکر پھر عمر رضی اللہ عنہما کے برابر کسی صحابی کو نہیں مانتے تھے۔

فائدہ: حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ تفضیل شیخین (حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت تمام صحابہ کرام کے نزدیک مسلّم تھی۔ لیکن اہل حدیث کے ایک مایۂ ناز عالم کے نزدیک مسلّم نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے:

كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَيٌّ اَفْضَلُ اُمَّةِ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَهُ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ.

(الى اخر الحديث) ابوداؤد حديث: ۴۶۲۸)

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں یہ کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کی امت میں آپ کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر ہیں۔

فائدہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے موقف کو صحابۂ کرام نے خود نبی ﷺ سے لیا تھا۔

خطبۂ جمعہ میں خلفاء راشدین کا ذکر اہل حدیث کے نزدیک بدعت ہے

خطبۂ جمعہ میں خلفاء راشدین کے ذکر کا طریقہ اہل سنت و جماعت میں ہمیشہ سے توارث کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

"ذکر خلفاء راشدین رضی الله عنهم اجمعین اگرچه از شرائط خطبه نیست ولیکن از شعائر اهل سنت است (شکر الله تعالیٰ سعیهم) ترک نه کند آن بعمد وتمرد مگر کسے که دلش مریض است وباطنش خبیث. اگر فرض

کنیم که بتعصب وعناد ترک نه کرده باشد، وعید من تشبه بقوم فهو منهم راچه جواب خواهد گفت". (مکتوبات امام ربانی مکتوب پانزدهم ج ۲ ص ۴۲، ۴۳)

ترجمہ: خلفاء راشدین کا ذکر خطبہ میں اگرچہ شرائطِ خطبہ میں سے نہیں لیکن شعارِ اہل سنت ہے۔ اسے جان بوجھ کر بقصد سرکشی وہی چھوڑے گا جس کا دل مریض ہے اور اس کا باطن گندا ہے۔ اگر مان لیں کہ کسی نے تعصب اور عناد کی بنیاد پر نہیں چھوڑا پھر بھی حدیث کی اس وعید کا کیا جواب ہوگا؟ کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اسی قوم میں سے ہے۔

خطبہٗ جمعہ میں ذکرِ خلفاء راشدین شعارِ اہل سنت ہے۔ جو اسے جان بوجھ کر چھوڑے وہ دل کا مریض ہے، اس کا باطن خبیث ہے، وہ سخت وعید کا مستحق ہے۔

لیکن اہل حدیث کے مشہور عالم وحید الزماں نے لکھا:

وَلَایَلْتَزِمُوْنَ ذِکْرَ الْخُلَفَاءِ وَلَا ذِکْرَ سُلْطَانِ الْوَقْتِ لِکَوْنِهٖ بِدْعَةً.(هدیة المهدی ج ا ص ۱۱۰)

ترجمہ: اہل حدیث (خطبہ جمعہ میں) خلفاء راشدین اور سلطان وقت کے ذکر کا التزام نہیں کرتے کیوں کہ یہ بدعت ہے۔

مزید یہ لکھا:

وَذِکْرُ الْخُلَفَاءِ فِیْهَا لَمْ یُنْقَلْ عَنِ السَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ فَتَرْکُهٗ اَوْلٰی (نزل الابرار ج ا ص ۱۵۳)

ترجمہ: خطبے میں خلفاء راشدین کا ذکر کرنا سلف صالحین سے منقول نہیں، اس لئے اُس کا چھوڑنا بہتر ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک بہت سے علماء، صحابہ سے افضل ہیں

اہل حدیث کے عالم وحید الزماں نے لکھا:

فَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنْ مُتَاَخِّرِیْ عُلَمَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ کَانُوْا اَفْضَلَ مِنْ عَوَامِ الصَّحَابَةِ فِی الْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ وَنَشْرِ السُّنَّةِ، وَهٰذَا مِمَّا لَایُنْکِرُهٗ عَاقِلٌ.(هدیة المهدی: ج ا ص ۹۰)

ترجمہ: یقیناً اس امت کے بہت سے متاخرین علماء، عام صحابہ کرام سے علم ومعرفت اور سنت کی تبلیغ میں افضل تھے۔ اس بات کا کوئی عقل مند انکار نہیں کرے گا۔

اہل حدیث کے نزدیک بعض صحابہ فاسق تھے

وحید الزماں صاحب نے لکھا:

وَمِنْهُ يُعْلَمُ اَنَّ مِنَ الصَّحَابَةِ مَنْ هُوَ فَاسِقٌ كَالْوَلِيْدِ وَمِثْلُهُ يُقَالُ فِيْ حَقِّ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرِو وَمُغِيْرَةَ وَسَمُرَةَ. (نزل الابرار ج ۲ ص ۹۴)

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ کچھ صحابہ فاسق ہیں۔ جیسا کہ ولید بن عقبہ۔ اسی طرح معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب کے حق میں کہا جائے گا۔ (کہ وہ فاسق تھے)۔

اہل حدیث مولوی کے نزدیک حضرت علی نام نہاد خلیفہ راشد تھے

اہلِ حدیث کے مایہ ناز عالم فیض عالم صدیقی نے لکھا:

''سیدنا علی ﷛ کے خود ساختہ حکمرانہ عبوری دور کو خلافتِ راشدہ میں شمار کرنا صریحاً بددیانتی ہے، مگر اغیار نے جس چابک دستی سے آنجناب کی نام نہاد خلافت کو خلافتِ حقہ ثابت کرنے کے لئے ابنائے سبائیت سے درآمد کردہ مواد سے کچھ تاریخ کے صفحات میں قلم بند کیے، اس کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ (خلافت راشدہ ص ۵۶،۵۵)

مزید لکھتے ہیں:

''ہمیں اس مقام پر مکرر یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ سیدنا علی کی نام نہاد خلافت نہ تو قرآنی معیار پر پوری اترتی دکھائی دیتی ہے نہ ہی نبی اکرم ﷺ نے آپ کی خلافت کے متعلق کوئی اشارہ

فرمایا: (خلافت راشدہ ص ۷۸)

اہل حدیث عالم کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی

اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا محمد جونا گڑھی نے لکھا:

حضرت عمر موٹے موٹے مسائل اور روزمرہ کے مسائل میں غلطیاں کرتے تھے" (طریق محمدی ص ۴۰)

اہل حدیث مولوی کے نزدیک حضرت عثمان غنی ﷛ بدعت کے موجد تھے

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں جمعہ کی ایک ہی اذان جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے، دی جاتی تھی۔ خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک اذان کا اضافہ کیا جسے آج جمعہ کی اذان اول کہتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی کے دور سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس پر عمل چلا آ رہا ہے۔ لیکن اہل حدیث عالم مولوی محمد جونا گڑھی نے لکھا:

"حضور ﷺ کے زمانے اور آپ کے بعد دو خلیفوں کے زمانے میں تو اس دوسری اذان کا وجود بھی نہ تھا۔ حضرت عثمان ﷛ کے زمانے میں ایجاد ہوئی جو وقت معلوم کرنے کے لئے زوراء بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی نہ کہ مسجد میں، پس ہمارے زمانے میں مسجد میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں وہ صریح بدعت ہیں اور کسی طرح جائز نہیں"۔ (فتاوٰی ستاریہ، ج ۳ ص ۸۵، فتاوٰی علماء حدیث ج ۲ ص ۱۷۹)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ وہابی، غیر مقلد جو اپنے آپ کو اہل حدیث اور سچے مسلمان کہتے ہیں، ان کے علماء نے صحابۂ کرام کی بارگاہوں میں کیسی کیسی گستاخیاں کی ہیں۔ ان کی عبارتوں میں کہیں رافضیوں کا رفض ملے گا تو کہیں خارجیوں کی صحابہ دشمنی کی واضح مثالیں۔ پھر بھی یہ دعویٰ ہے کہ ہم ہی کتاب و سنت اور طریق صحابہ پر عامل ہیں۔

اولیاءِ کرام کی کرامات حق ہیں

اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے کرامتوں کا صادر ہونا حق ہے۔ کرامات وہ خلاف معمول عجیب وغریب امور ہیں جو اللہ کے ولیوں سے صادر ہوتے ہیں۔ ہر ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہے۔ (شرح العقیدہ الطحاویہ ابن ابی العز حنفی م۷۹۲ھ)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

والکراماتُ لِلْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ وَاَمَّا الَّتِیْ تَکُوْنُ لِاَعْدَاءِہٖ مِثْلُ اِبْلِیْسَ وَفِرْعَوْنَ وَالدَّجَّالِ مِمَّا رُوِیَ فِی الْاَخْبَارِ اَنَّہٗ کَانَ وَیَکُوْنُ لَھُمْ لَانُسَمِّیْھَا آیَاتٍ وَلَا کَرَامَاتٍ وَلٰکِنْ نُسَمِّیْھَا قَضَاءَ حَاجَاتٍ لَھُمْ وَذَالِکَ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَقْضِیْ حَاجَاتِ اَعْدَاءِہٖ اِسْتِدْرَاجًالَھُمْ وَعُقُوْبَۃً لَھُمْ فَیَغْتَرُّوْنَ بِہٖ وَیَزْدَادُوْنَ طُغْیَانًا وَکُفْرًا.

(الفقہ الاکبر مع شرح ملاعلی قاری ص ۱۳۳،۱۳۴)

ترجمہ: کراماتِ اولیاء حق ہیں۔ لیکن اللہ کے دشمنوں مثلاً ابلیس، فرعون اور دجال کے خلافِ معمول امور معجزات یا کرامات نہیں۔ ہم ان کو قضاءِ حاجات کہتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کی حاجات بھی پوری فرماتا ہے، انہیں ڈھیل دینے اور آخرت میں ان کی سزاء کو بڑھانے کے لئے۔ وہ اپنے خلاف عادت امور کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی وسرکشی اور کفر میں اور بھی آگے بڑھتے ہیں۔

کرامات اولیاء کا انکار ماضی میں صرف ایک فرقہ باطلہ معتزلہ نے کیا ہے۔ (شرح الفقہ الاکبر: ملاعلی قاری) فرقہ معتزلہ کا وجود تو ختم ہو چکا ہے لیکن اس کے بعض عقائد ونظریات کے ماننے والے آج بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ فرقہ وہابیہ (اہل حدیث) کرامات اولیاء کے منکر ہیں۔

یہاں پر کرامات اولیاء کے حق ہونے پر دلیل دینے سے پہلے یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ ولی کون ہے؟

اللہ کا ولی وہ ہے جو ایمان اور تقویٰ والا ہے۔ (سورہ یونس:۶۳)

کرامات اولیاء کے ثبوت پر قرآنی آیات

امام لالکائی ہبۃ اللہ لالکائی متوفی ۴۱۸ھ نے ''شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ'' میں، امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور علامہ یوسف نبہانی متوفی ۱۳۸۹ھ نے اپنی کتاب جامع کرامات الاولیاء میں کرامات اولیاء کے حق ہونے پر، قرآنی آیات، احادیث اور اقوال اسلاف کو پیش کیا ہے۔ یہاں پر ہم انہیں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام محراب مسجد میں حضرت مریم علیہا السلام سے ملاقات کے لئے جاتے تو ان کے پاس بے موسم کے پھل موجود پاتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔

﴿۱﴾ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (ال عمران:۳۷)

ترجمہ: جب بھی زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کے پاس ان کے محراب میں (عبادت گاہ) جاتے تو ان کے پاس قسم قسم کے پھل پاتے تھے۔ وہ پوچھتے: اے مریم! یہ پھل تجھے کہاں سے آئے؟ مریم (علیہا السلام) کہتیں یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں، حضرت سعید بن جبیر، مجاہد، جابر بن زید، ابراہیم نخعی، قتادہ، ربیع بن انس عطیہ، سدی، سفیان ثوری کا قول یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام (حضرت مریم کے خالو) کو حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل، جاڑے کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل جاڑے میں ملتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسم کے تازے پھل خدا کی طرف سے آجاتے تھے۔ (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ ص ۷۰۰)

حضرت مریم نبی نہیں تھیں اور ان کیلئے یہ خلاف معمول چیز ہوتی تھی۔ یہ ان کی کرامت تھی۔

قرآن حکیم میں حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی

قدرت کی نشانی کے طور پر حضرت مریم کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ وقتِ ولادت حضرت مریم آبادی سے دور وادی بیت اللحم کے پاس چلی گئیں۔ وہاں پانی تھا نہ کھانے کا کوئی سامان۔ صحراء میں ایک کھجور کا خشک پیڑ کھڑا تھا۔ جب حضرت مریم وہاں آئیں اور کرب و بے چینی کے عالم میں ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے یَا لَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ اے کاش! اس سے پہلے میں مرگئی ہوتی اور کوئی بھولی بسری چیز ہوتی۔ غیب سے آواز آئی: غم نہ کر کھا پی کر، تیرے رب نے ایک نہر کو تیرے حکم کے تحت کر دیا ہے۔ پھر حکم ہوا کہ کھجور کے درخت کے تنے کو اپنی طرف جھکا کر خوب ہلا تیرے پاس پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ پھر کھا پی کہ آنکھیں ٹھنڈی کر۔ (مریم: ۲۳،۲۴،۲۵)

روایتوں میں آیا ہے کہ اس صحراء میں ایک چھوٹی سی نہر جاری ہوگئی اور برسوں کا سوکھا ہوا درخت حضرت مریم کے ہاتھ لگانے سے ہرا بھرا ہوگیا اور اسی وقت کھجوریں بھی پک گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر تھے اور حضرت مریم کی کرامت۔

جب حضرت مریم کی قوم نے انہیں لعن طعن کرنا شروع کیا کہ یہ بچہ (عیسیٰ علیہ السلام) کہاں سے آیا؟ تو حضرت مریم نے ان کے سامنے ایسی حجت قائم فرمائی کہ ان کی ساری بدگمانیوں کا دروازہ بند ہوگیا۔ حضرت مریم نے اپنے دودھ پیتے بچے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرف اشارہ فرمایا۔ گویا حضرت مریم نے یہ فرمادیا کہ یہ میرے رب کی قدرت کی نشانی بن کر آیا ہے، تم اسی سے پوچھ لو! ساری بدگمانیاں دور ہو جائیں گی۔ قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت مریم نے جیسے ہی اپنے دودھ پیتے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ تم انہیں سے بات کرلو تو قوم برہم ہوگئی۔ سب کہنے لگے: ہم اس دودھ پیتے، گود کے بچے سے کیسے بات کریں؟ تم ہمارے ساتھ استہزاء کررہی ہو؟ قوم نے یہ بات جیسے ہی کہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فوراً ماں کی گود سے آواز لگائی اِنِّی عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ (مریم: ۳۰) میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ نے کتاب دی اور نبی بنایا۔

اپنی قوم کے سامنے اپنی براءت پر ایک غیر معمولی حجت پیش کردینا یعنی ایک دودھ پیتے بچے کی زبان سے اپنی پاکدامنی کی گواہی دلوا کر دشمنوں کو مبہوت کرنا یقیناً حضرت مریم کی کرامت تھی اور

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک عظیم نشانی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی تحریر فرماتے ہیں: لَمَّا لَمْ تَكُنْ لَهَا حُجَّةٌ اَشَارَتْ اِلَيْهِ لِيَكُوْنَ كَلَامُهُ حُجَّةً ۔ ترجمہ: حضرت مریم کے پاس جب کوئی ظاہری اور عادی حجت نہیں تھی تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کر دیا تا کہ گود میں ان کا کلام کرنا ان کی براءت کی حجت بن جائے۔ (معالم التنزیل فی ہامش الخازن: ۳/۲۲۴، دار الفکر بیروت)

قرآن حکیم میں اصحاب کہف کے تعلق سے ہے:

﴿۳﴾ آیت: وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ، ذَالِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا. وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا. (الکھف ۱۷، ۱۸)

ترجمہ: اور جب سورج طلوع ہوتے ہوئے تم دیکھتے تو دیکھتے کہ دھوپ ان (اصحاب کہف) کے غار سے دائیں طرف ہٹی ہوئی رہتی ہے اور جب سورج ڈوبتا تو دھوپ بائیں طرف کترا کر نکلتی اور اصحاب کہف غار کی کشادہ جگہ میں ہوتے تھے۔ یہ اللہ کی نشانیوں سے ہے۔ اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے گمراہ کرے اس کے لئے تو کوئی مددگار، ہدایت دینے والا نہیں پائے گا۔ تو انہیں (اصحاب کہف کو) دیکھتا تو یہ گمان کرتا کہ وہ بیدار ہیں حالاں کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم خود ان کی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے رہے اور ان کا کتا غار کے دروازے پر بازو پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا تو ضرور گھبرا کر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر کرامات اولیاء کے ثبوت پر نقلی و عقلی دلائل بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ اصحاب کہف کا تین سو نو سال تک غار میں نیند کی حالت میں رہنا۔ ان کے جسم کا صحیح سالم رہنا، پھر بیدار ہونا، ایک کتے کا ان کی صحبت اختیار کرنا اور ان سے کلام کرنا۔ ان کی طرح کتے کا تین سو سال تک سوتے رہنا اور اس کا جسم صحیح سالم رہنا۔ اور اصحاب کہف کو اس غار

میں روشنی اور ہوا کا پہنچنا۔ دھوپ کی تمازت سے ان کا محفوظ رہنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور اصحاب کہف کی کرامات۔

کرامات اولیاء کا ثبوت احادیث کریمہ سے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ اِلَّا ثَلَاثَةٌ: عِيْسٰى، وَكَانَ فِيْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ: جُرَيْجٌ، كَانَ يُصَلِّیْ جَاءَتْهُ اُمُّهٗ فَدَعَتْهُ فَقَالَ: اُجِيْبُهَا اَوْ اُصَلِّیْ فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهٗ وَجُوْهَ الْمُوْمِسَاتِ، وَكَانَ جُرَيْجٌ فِيْ صَوْمَعَتِهٖ فَتَعَرَّضَتْ لَهُ امْرَاَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فَاَبٰى فَاَتَتْ رَاعِيًا فَاَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا فَقَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ، فَاَتَوْهُ فَكَسَرُوْا صَوْمَعَتَهٗ وَاَنْزَلُوْهُ وَسَبُّوْهُ فَتَوَضَّاَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَتَى الْغُلَامَ فَقَالَ: مَنْ اَبُوْكَ يَا غُلَامُ؟ فَقَالَ: الرَّاعِیْ. قَالُوْا: نَبْنِیْ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: اِلَّا مِنْ طِيْنٍ، وَكَانَتِ امْرَاَةٌ تُرْضِعُ ابْنًا لَهَا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَاكِبٌ ذُوْ شَارَةٍ فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ ابْنِیْ مِثْلَهٗ فَتَرَكَ ثَدْيَهَا فَاَقْبَلَ عَلَى الرَّاكِبِ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ مِثْلَهٗ، ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰى ثَدْيِهَا يَمُصُّهٗ، قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ: كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَمُصُّ اِصْبَعَهٗ، "ثُمَّ مُرَّ بِاَمَةٍ فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ ابْنِیْ مِثْلَ هٰذِهٖ، فَتَرَكَ ثَدْيَهَا وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِثْلَهَا، فَقَالَتْ لَهٗ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: الرَّاكِبُ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ وَهٰذِهِ الْاَمَةُ يَقُوْلُوْنَ: سَرَقْتِ، زَنَيْتِ، وَلَمْ تَفْعَلْ. (صحیح بخاری حدیث: ۳۴۳۶، صحیح مسلم حدیث: ۶۵۰۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ماں کی گود میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا، جس کا نام جریج تھا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں اس کی ماں نے اسے بلایا۔ اس نے کہا: میں ماں کے پاس جاؤں یا اپنی نماز پڑھوں؟ (وہ ماں کے پاس نہیں گیا تو اس کی ماں کو تکلیف ہوئی) اس کی ماں نے کہا: اے اللہ! تو جریج کو موت نہ دے یہاں تک کہ وہ بدکار عورتوں کا چہرہ دیکھ لے۔ ایک بار جریج اپنی عبادت گاہ میں تھا۔ اس کے پاس ایک عورت آئی۔ اس نے جریج

سے اپنے ساتھ بدکاری کرنے کی دعوت دی۔ جریج نے انکار کیا۔ وہ عورت ایک چرواہے کے پاس آئی اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کردی۔ چرواہے نے اس کے ساتھ بدکاری کی اور وہ اس سے حاملہ ہوگئی۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ عورت نے کہا کہ بچہ جریج کا ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے جریج کو گالی گلوچ کرنا شروع کیا اور اس کی عبادت گاہ کو توڑ ڈالا۔ جریج نے وضو کر کے نماز پڑھی پھر بچے کے پاس آئے اور بچے سے مخاطب ہو کر کہا: بچے! بتا تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے کہا: فلاں چرواہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگوں نے جریج سے کہا: ہم آپ کو عبادت کے لئے سونے کی کُٹیا بنادتے ہیں۔ جریج نے کہا: نہیں چاہو تو اینٹوں کی بنادو۔ اور ایک بچہ بنی اسرائیل کا تھا جس نے گود میں بات کی ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس کے پاس سے ایک خوبصورت آدمی سواری پر سوار ہو کر گزرا تو عورت نے دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو تو اس آدمی کی طرح بنادے۔ بچے نے دودھ چھوڑ کر سوار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اللہ! مجھے اُس آدمی کی طرح نہ بنانا۔ یہ کہہ کر پھر دودھ پینے لگا۔ حضرت ابوہریرہ ﷛ کا بیان ہے کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور ﷺ انگلی کے اشارے سے اس بچے کے دودھ پینے کی کیفیت کو بیان فرما رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اس عورت کے پاس سے ایک باندی کا گزر ہوا تو بچے کی ماں نے دعا کی: اے اللہ! تو میرے بچے کو اس باندی کی طرح (بدنام) نہ بنانا۔ بچے نے دودھ سے منہ ہٹا کر کہا: اے اللہ! مجھے اس باندی کی طرح بنانا۔ بچے کی ماں کے منہ سے نکلا: وہ کیوں؟ تو بچے نے کہا: جس سوار کو دیکھ کر آپ نے کہا اے اللہ میرے بچے کو اس کی طرح بنا وہ سوار ایک بہت ظالم و جابر شخص ہے۔ اور جس باندی کو دیکھ کر آپ نے کہا اے اللہ میرے بچے کو اس کی طرح نہ بنا، وہ باندی بے گناہ ہے۔ اس عورت سے لوگ کہتے ہیں کہ تو نے چوری کی اور زنا کیا حالاں کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔

فائدہ: اس بے گناہ عورت کی پاک دامنی کی گواہی ایک دودھ پیتے بچے نے دی۔ یہ ایک اللہ کی نشانی تھی اور اس نیک عورت کی کرامت۔

ایک حدیث، صحاح کی کتابوں میں ہے جس میں ایک غار کے اندر پھنسنے والوں کا واقعہ مذکور

ہے۔امام زہری نے حضرت سالم سے،انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے یہ روایت ذکر کی ہے۔انہوں نے فرمایا:

﴿۲﴾أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :"انْطَلَقَ ثَلاثَةُ رَهْطٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتّٰى اَوَوُاالْمَبِيْتَ اِلٰى غَارٍ فَدَخَلُوْهُ، فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهَا الْغَارَ،فَقَالُوْا: اِنَّهُ لَايُنْجِيْكُمْ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِاِلَّا اَنْ تَدْعُوْااللّٰهَ بِصَالِحِ اَعْمَالِكُمْ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: اَللّٰهُمَّ كَانَ لِىْ اَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ، وَكُنْتُ لَا اَغْبِقُ قَبْلَهُمَا اَهْلًا وَلَامَالًا،فَنَأَبِى فِىْ طَلَبِ شَىْءٍ يَوْمًافَلَمْ اَرُحْ عَلَيْهِمَاحَتّٰى نَامَا فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوْقَهُمَا فَوَجَدْتُهُمَا نَائِمَيْنِ فَكَرِهْتُ اَنْ اَغْبِقَ قَبْلَهُمَااَهْلًا اَوْمَالًافَلَبِثْتُ وَالْقَدَحُ عَلٰى يَدَىَّ اَنْتَظِرُ اسْتِيْقَاظَهُمَاحَتّٰى بَرَقَ الْفَجْرُفَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوْقَهُمَا اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ، فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ".قَالَ النَّبِىُّ ﷺ وَقَالَ الآخَرُ: اَللّٰهُمَّ كَانَتْ لِىْ بِنْتُ عَمٍّ كَانَتْ أَحَبَّ النَّاسِ اِلَىَّ فَأَرَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا، فَامْتَنَعَتْ مِنِّىْ حَتّٰى أَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِنَ السِّنِيْنَ فَجَاءَتْنِىْ فَاَعْطَيْتُهَا عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ دِيْنَارٍ عَلٰى أَنْ تُخَلِّىَ بَيْنِىْ وَبَيْنَ نَفْسِهَا فَفَعَلَتْ، حَتّٰى اِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَاقَالَتْ :لَاأُحِلُّ لَكَ أَنْ تَفُضَّ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهِ، فَتَحَرَّجْتُ مِنَ الْوُقُوْعِ عَلَيْهَا فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا وَهِىَ أَحَبُّ النَّاسِ اِلَىَّ وَتَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِىْ أَعْطَيْتُهَا، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ غَيْرَ أَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا.قَالَ النَّبِىُّ ﷺ وَقَالَ الثَّالِثُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اسْتَأْجَرْتُ أُجَرَاءَ فَأَعْطَيْتُهُمْ أَجْرَهُمْ غَيْرَ رَجُلٍ وَاحِدٍ تَرَكَ الَّذِىْ لَهُ وَذَهَبَ فَثَمَّرْتُ أَجْرَهُ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْأَمْوَالُ فَجَاءَنِىْ بَعْدَ حِيْنٍ فَقَالَ: يَاعَبْدَ اللّٰهِ، أَدِّ اِلَىَّ اَجْرِىْ، فَقُلْتُ لَهُ: كُلُّ مَاتَرٰى مِنْ اَجْرِكَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالرَّقِيْقِ .فَقَالَ يَاعَبْدَ اللّٰهِ، لَاتَسْتَهْزِئْ بِىْ، فَقُلْتُ: اِنِّىْ لَااَسْتَهْزِئُ بِكَ، فَأَخَذَهُ كُلَّهُ فَاسْتَاقَهُ فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا .اَللّٰهُمَّ فَاِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوْايَمْشُوْنَ.

(صحیح بخاری حدیث: ۲۲۷۲،صحیح مسلم حدیث: ۱۹۵۱)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ بیان فرماتے تھے کہ پچھلی امت کے تین افراد کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں رات ہوگئی تو رات گزارنے کے لئے تینوں ایک غار کے اندر داخل ہوئے۔ پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھک کر آیا اور غار کا منہ بند ہوگیا۔ تینوں نے کہا: تم کو اس مصیبت سے اسی وقت نجات مل سکتی ہے جب ہر ایک اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرو۔ ایک نے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے۔ میں شام کو ان سے پہلے دودھ نہیں پیتا تھا اور اپنے اہل وعیال کو نہیں پلاتا تھا اور اپنے جانوروں کو چارہ نہیں دیتا۔ ایک دن کسی ضرورت سے مجھے گھر آنے میں تاخیر ہوئی اور میرے والدین سو گئے۔ میں نے دونوں کیلئے دودھ دوہا۔ میں نے دیکھا دونوں سو گئے ہیں۔ میں نے پسند نہیں کیا کہ ان سے پہلے میں اپنے اہل ومال کو کھلاؤں پلاؤں۔ میں پیالا ہاتھ میں لے کر دونوں کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ دونوں صبح کو بیدار ہوئے۔ دونوں نے دودھ پیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔

چٹان تھوڑا سا کھسک گئی لیکن ابھی وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ دوسرے شخص نے یوں دعا کی: اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی، میں اسے بہت چاہتا تھا۔ میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے انکار کردیا۔ ایک بارہ وہ تنگ دستی کا شکار ہوئی تو مدد کے لئے میرے پاس آگئی۔ میں نے اسے اس شرط پر ایک سوبیس دینار دئے کہ وہ مجھ سے خلوت میں ملے گی۔ وہ راضی ہوگئی۔ تنہائی میں اس نے مجھے اپنے اوپر قابو دے دیا اور یہ بولی: میں تیرے لئے حلال نہیں سمجھتی کہ تم میری مہر توڑو مگر یہ کہ اس کا حق ادا کردو (یعنی پہلے نکاح کرلو) میں نے گناہ سمجھ کر اس سے وطی کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھا اور اس کے پاس سے چلا گیا، حالانکہ میں اس کو بہت چاہتا تھا۔ میں نے اس سے اپنا سونا بھی واپس نہیں لیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا مندی حاصل کرنے کیلئے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا عطا فرما۔ غار کے منہ سے پتھر تھوڑا اور کھسکا لیکن ابھی بھی وہ باہر نہیں آسکتے تھے۔ تیسرا آدمی بولا: اے اللہ! میں نے کام کیلئے کچھ مزدور لئے تھے، میں نے سب کو مزدوری

دے دی تھی لیکن ایک مزدور اپنی مزدوری لئے بغیر چلا گیا تھا۔ میں نے اس کے پیسے کو بڑھایا یہاں تک کہ اس سے ڈھیر سارا مال جمع ہوگیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ آیا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھے میری مزدوری دے۔ میں نے کہا: یہ اونٹ، بھیڑ، بکریاں، غلام جو کچھ تو دیکھ رہا ہے سب تیری مزدوری کے ہیں۔ سب لے جا۔ اس نے کہا: اللہ کے بندے! میرے ساتھ مذاق نہ کر۔ میں نے کہا: میں مذاق نہیں کرتا۔ میں نے اسے سب دے دیا۔ وہ لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تجھے راضی کرنے کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔ پتھر غار کے منہ سے ہٹ گیا۔ تینوں غار کے اندر سے نکلے اور وہاں سے چل پڑے۔

فائدہ: خلاف عادت غار کے منہ سے چٹان کا خود بخود ہٹ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی تھی اور تینوں نیک بندوں کی کرامت۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷۴ھ نے کرامات اولیاء کے حق ہونے پر قرآن وحدیث سے بہت سی دلیلیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

﴿۳﴾ حدیث: اَنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَرَّةً: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ بِسَادِسٍ. اَوْ كَمَا قَالَ: وَاَنَّ اَبَابَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِیُّ ﷺ بِعَشَرَةٍ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَثَلَاثَةٍ، قَالَ: فَهُوَ اَنَا وَاَبِیْ وَاُمِّیْ وَلَا اَدْرِیْ هَلْ قَالَ: امْرَاَتِیْ وَخَادِمِیْ، بَيْنَ بَيْتِنَا وَبَيْنَ بَيْتِ اَبِیْ بَكْرٍ، وَاَنَّ اَبَا بَكْرٍ تَعَشّٰى عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰى صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰى تَعَشّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَ بَعْدَمَا مَضٰى مِنَ اللَّيْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ. قَالَتْ لَهُ امْرَاَتُهُ: مَا حَبَسَكَ مِنْ اَضْيَافِكَ: اَوْ ضَيْفِكَ. ؟قَالَ: اَوَ (مَا) عَشَّيْتِهِمْ؟ قَالَتْ. اَبَوْا حَتّٰى تَجِیْءَ قَدْ عَرَضُوْا عَلَيْهِمْ فَغَلَبُوْهُمْ قَالَ: فَذَهَبْتُ فَاخْتَبَاْتُ فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ، فَجَدَّعَ وَسَبَّ، وَقَالَ كُلُوْا وَقَالَ: لَا اَطْعَمُهُ اَبَدًا، قَالَ: وَايْمُ اللّٰهِ مَا كُنَّا نَاْخُذُ مِنَ اللُّقْمَةِ اِلَّا رَبَا مِنْ اَسْفَلِهَا، اَكْثَرُ مِنْهَا حَتّٰى شَبِعُوْا وَصَارَتْ اَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلُ، فَنَظَرَ اَبُوْبَكْرٍ فَاِذَا شَیْءٌ اَوْ اَكْثَرُ، فَقَالَ لِامْرَاَتِهِ: يَا اُخْتَ بَنِیْ فِرَاسٍ، قَالَتْ: لَا وَقُرَّةِ

عَینِیْ لَھِیَ الْآنَ أَکْثَرُ مِمَّا قَبْلُ بِثَلَاثِ مِرَارٍ، فَأَکَلَ مِنْھَا أَبُوْبَکْرٍ وَقَالَ: إِنَّمَا کَانَ الشَّیْطَانُ، یَعْنِی یَمِیْنَہُ. ثُمَّ أَکَلَ مِنْھَا لُقْمَۃً، ثُمَّ حَمَلَھَا إِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَہُ وَکَانَ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمٍ عَھْدٌ، فَمَضَی الْأَجَلُ فَتَفَرَّقْنَا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا مَعَ کُلِّ رَجُلٍ مِنْھُمْ أُنَاسٌ. اَللّٰہُ أَعْلَمُ کَمْ مَعَ کُلِّ رَجُلٍ، غَیْرَ أَنَّہُ بَعَثَ مَعَھُمْ، قَالَ: أَکَلُوْا مِنْھَا أَجْمَعُوْنَ، أَوْ کَمَا قَالَ: وَغَیْرُہُ یَقُوْلُ فَعَرَفْنَا. (صحیح بخاری حدیث: ۶۲۰۲،۶۱۴۱،۶۱۴۰،۳۵۸۱)

ترجمہ: اصحاب صفہ فقراء تھے۔ نبی ﷺ نے ایک بار صحابہ سے فرمایا: جس کے گھر دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ ایک تیسرا آدمی اصحاب صفہ میں سے لے جائے اور جس کے یہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچواں یا چھٹا آدمی لے جائے۔ حضرت ابو بکر تین آدمی اور نبی ﷺ دس آدمی کو لے کر گئے۔ اور ابو بکر کے یہاں تین آدمی تھے۔ میں (عبدالرحمٰن بن ابوبکر) میرے والد اور میری ماں۔ راوی کہتے ہیں کہ پتہ نہیں عبدالرحمٰن نے اپنی بیوی اور خادم کا ذکر کیا تھا یا نہیں۔ حضرت ابو بکر نے رات کا کھانا نبی پاک ﷺ کے یہاں کھالیا پھر عشاء کی نماز پڑھی اور نبی ﷺ کے کھانے کے بعد دیر تک وہیں رہ گئے۔ رات کو کافی دیر کے بعد گھر واپس آئے۔ بیوی نے کہا: مہمانوں کو چھوڑ کر اتنی دیر کیوں رک گئے؟ ابو بکر نے فرمایا: کیا تم نے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ بیوی نے کہا: آپ کے بغیر انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ڈر سے ایک جگہ چھپ گیا۔ میرے والد نے پکارا اے غنثر (بے وقوف) ادھر آ۔ پھر آپ نے گوش مالی کی اور خوب ڈانٹ پھٹکار کی۔ اور غصہ میں کہا: تم کھاؤ میں، کبھی نہیں کھاؤں گا۔ (جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو سب کھانے لگے) حضرت عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ واللہ جو بھی لقمہ ہم اٹھاتے تھے ہمارے ہاتھ کے نیچے اس سے زیادہ کھانا بڑھ جاتا تھا۔ سب نے پیٹ بھر کھانا کھایا اور کھانا پہلے سے زیادہ باقی رہا۔ جب ابو بکر نے یہ دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا: اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے؟ بیوی نے کہا: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ کھانا تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ حضرت ابو بکر نے کھانے کے بعد فرمایا: میں نے جو نہ کھانے کی قسم کھائی تھی وہ شیطانی وسوسہ (غصہ) کی وجہ سے تھا۔ حضرت ابو بکر نے اس سے چند لقمے کھائے پھر اسے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ صبح تک وہ کھانا باقی رہا۔

ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا جس کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ہم میں سے بارہ آدمی اس قوم کی طرف روانہ ہوئے۔بارہ آدمیوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی۔ اللہ جانے کتنے لوگوں کی جماعت تھی۔ان سب نے اس کھانے کو شکم سیر ہو کر کھایا۔

حضرت ابوبکر کے گھر میں جو کھانا تیار ہوا تھا وہ مہمانوں سمیت زیادہ سے زیادہ آٹھ آدمیوں کے لئے تھا۔اس کھانے کو مہمانوں سمیت گھر کے سارے لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔اور پھر حضور اکرم ﷺ کے پاس بارہ آدمیوں میں سے ہر آدمی کے ساتھ ایک ایک جماعت نے کھایا۔

کھانے میں یہ برکت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کرامت کا اظہار تھا۔

﴿۴﴾حدیث:عن انس "أن أسيد بن حضير، ورجلاً آخر من الأنصار تحدثا عند رسول الله ﷺ ليلة في حاجة لهما، حتى ذهب من الليل ساعة وليلة شديدة الظلمة، ثم خرجا من عند رسول الله ﷺ ينقلبان وبيد كل واحد منهما عصية، فأضاءت عصا أحدهما لهما حتى مشيا في ضوئها، حتى إذا افترق بهما الطريق أضاءت للآخر عصاه، فمشى كل واحد منهما في ضوء عصاه حتى بلغ إلى أهله". (مسند احمد ۵۹۸/۳ حدیث:۱۱۹۹۶)

ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اُسید بن حُضیر اور ایک دوسرے انصاری صحابی (عباد بن بشر) دونوں اپنی ضرورت سے رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بات چیت کرتے رہے۔رات کا ایک حصہ گزر گیا۔رات بڑی تاریک تھی۔بات چیت کر کے دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے نکلے۔ہر ایک کے پاس ایک ایک عصا تھا۔دونوں میں سے ایک کا عصا روشن ہو گیا۔دونوں اس کی روشنی میں چلتے رہے۔جب دونوں کا راستہ الگ الگ ہو گیا تو دوسرے کا عصا بھی روشن ہو گیا۔ہر ایک اپنے اپنے عصا کی روشنی میں چلتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گئے۔

فائدہ:دونوں صحابی کے عصا کا روشن ہونا نبی پاک ﷺ کا معجزہ تھا اور دونوں صحابی کی کرامت۔

﴿۵﴾حدیث:عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَمَّا حَضَرَ أُحُدٌ دَعَانِيْ أَبِيْ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ: مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُوْلًا فِيْ أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَإِنِّيْ لَا أَتْرُكُ بَعْدِيْ أَعَزَّ عَلَيَّ

مِنْکَ، غَیْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاِنَّ عَلَیَّ دَیْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِکَ خَیْرًا، فَاَصْبَحْنَا فَکَانَ اَوَّلَ قَتِیْلٍ وَدُفِنَ مَعَهُ آخَرُ فِیْ قَبْرٍ، ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِیْ اَنْ اَتْرُکَهُ مَعَ الْآخَرِ فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ، فَاِذَا هُوَ کَیَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَیَّةً غَیْرَ اُذُنِهٖ۔

(صحیح بخاری حدیث: ۱۳۵۱)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اُحُدُ کی جنگ کا وقت آیا تو رات کے وقت میرے والد (عبداللہ) نے مجھے اپنے پاس بلا کر کہا: میں سمجھتا ہوں کہ بدر میں شہید ہونے والے صحابہ میں سب سے پہلے میں شہید کیا جاؤں گا۔ میں اپنے بعد رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی ایک آدمی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا جو میرے نزدیک تم سے زیادہ عزیز ہو، میرے اوپر کچھ قرض ہے اسے ادا کر دینا۔ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ صبح کو ہم نے دیکھا کہ میرے والد بدر میں سب سے پہلے شہید ہوئے۔ میرے والد کے ساتھ قبر میں ایک دوسرے شخص کو بھی دفن کیا گیا۔ میرے دل نے گوارہ نہیں کیا کہ میں اپنے والد کو ایک قبر میں دوسرے کے ساتھ رکھوں۔ چنانچہ چھ مہینے کے بعد میں نے اپنے والد کو قبر سے نکالا تو دیکھا کہ لاش بالکل تازہ ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ کچھ ہی دیر پہلے ان کو قبر میں رکھا گیا ہے۔ ان کے کان کے سوا (کہ وہ جنگ میں کٹ گیا تھا۔)

فائدہ: حضرت جابر ﷺ کے والد حضرت عبداللہ ﷺ کا اپنی وفات سے پہلے حضرت جابر کو اپنی وفات کی خبر دینا اور چھ مہینے بعد ان کی لاش کا صحیح سالم و تر و تازہ رہنا ان کی کرامت ہے۔

﴿۶﴾ حدیث: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِیُّ کُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّهُ لَا یَزَالُ یُرٰی عَلٰی قَبْرِهٖ نُوْرٌ۔ (ابوداؤد حدیث: ۲۵۲۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ جب نجاشی کی وفات ہوئی تو ہمارے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ مسلسل اس کی قبر پر نور دیکھا جاتا تھا۔

﴿۷﴾ حدیث: وَعَنِ ابن المُنکَدِر ان سَفِیْنَة مولیٰ رسول الله ﷺ اَخطَأَ الجیش بارض الروم او اُسِرَ فانطَلَقَ هَا ربایَلتَمِسُ الجیشَ فاذاهو بالاسد فقالَ یااباالحَارِثِ انا مولیٰ رسول الله ﷺ کَانَ من امری کَیْتَ وَکَیْتَ فاَقْبَلَ الاَسَدُ وَله بَصْبَصَةٌ حتیٰ قَامَ

اِلیٰ جَنْبِهٖ کُلَّمَا سَمِعَ صَوْتاً اَهْوَیٰ اِلَیْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ یَمْشِی الیٰ جنبه حتیٰ بَلَغَ الجیشَ ثُمَّ رَجعَ الاَسَدُ رواه فی شرح السنةِ.(مشکوٰۃ: باب الکرامات: شرح السنه)

ترجمہ: ابن المنکدرؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ روم جاتے ہوئے اسلامی لشکر سے بھٹک گئے یا قید کر لئے گئے تو وہاں سے کسی طرح بھاگ کر نکلے۔ آپ لشکر کی تلاش میں تھے۔ راستے میں ایک شیر نظر آیا تو آپ نے شیر سے کہا: اے ابوالحارث (شیر) میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ شیر دُم ہلاتے ہوئے حضرت سفینہ کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ وہ شیر جب بھی کوئی آواز سنتا تو اس کی طرف لپکتا تھا پھر واپس حضرت سفینہ کے پاس آجاتا تھا۔ اسی طرح حضرت سفینہ شیر کی حفاظت میں چلتے ہوئے لشکر تک پہنچ گئے اور شیر اپنی جگہ لوٹ آیا۔

﴿۸﴾ حدیث: عَنْ سَعِیْدِبْنِ زیدبن عمرو بن نُفَیْل، اَنَّ اَرْوَیٰ خَاصَمَتْهُ فِیْ بَعْضِ دَارِهٖ فَقَالَ: دَعُوْهَا وَاِیَّاهَا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ بِغَیْرِ حَقِّهٖ، طُوِّقَهُ فِیْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ کَانَتْ کَاذِبَةً فَاَعْمِ بَصَرَهَا، وَاجْعَلْ قَبْرَهَا فِیْ دَارِهَا. قَالَ فَرَاَیْتُهَا عَمْیَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ: اَصَابَتْنِیْ دَعْوَةُ سَعِیْدِبْنِ زَیْدٍ، فَبَیْنَمَا هِیَ تَمْشِیْ فِی الدَّارِ مَرَّتْ عَلٰی بِئْرٍ فِی الدَّارِ، فَوَقَعَتْ فِیْهَا فَکَانَتْ قَبْرَهَا. (صحیح مسلم حدیث: ۴۱۳۳، ۴۱۳۴)

ترجمہ: سعید بن زید بن عمرو سے روایت ہے کہ ان پر اروئی (بنت اویس) نامی ایک عورت نے ان کی ایک زمین پر جھوٹا دعویٰ رکھا (کہ سعید نے اس کی زمین لے لی ہے) یہ مقدمہ مروان بن حکم کے پاس پہنچا) حضرت سعید بن زید نے فرمایا: جانے دو! زمین اس عورت کو چھوڑتا ہوں لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اس کی زمین لوں؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی کی ایک بالشت زمین ناحق لی اس کو قیامت کے دن سات طبق زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ پھر حضرت سعید نے اس عورت کے حق میں یہ بدعا کی: اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھی کردے، اور اس کی قبر اسی زمین میں بنادے جس کے بارے میں اس نے جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ راوی (عروہ، محمد) کا بیان ہے کہ میں

نے اس عورت کو دیکھا وہ اندھی ہو چکی تھی۔ دیوار ٹٹولتی ہوئی چلتی تھی اور کہتی تھی مجھے سعید کی بددعا لگ گئی ہے۔ ایک بار وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی۔ وہاں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں میں وہ گر کر مر گئی اور وہی کنواں اس کی قبر بنا۔

پھر بخاری و مسلم کے حوالے سے علامہ نبہانی نے صحابی رسول حضرت خبیب، اُسَیْد بن حضیر، حضرت عباد بن بشر حضرت سعد اور حضرت سعید کی کرامتوں سے متعلق احادیث کریمہ بھی اختصار کے ساتھ ذکر فرمائی ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث پاک میں حضرت خبیب ﷺ کی یہ کرامت بیان ہوئی ہے کہ وہ قید کی حالت میں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ مکہ میں پھلوں کا موسم بھی نہیں تھا، پھر بھی حضرت خبیب انگور کھا رہے تھے۔ اور حضرت عاصم ﷺ کی یہ کرامت بیان ہوئی کہ ان کی شہادت کے بعد جب قریش نے ان کے جسم کا کوئی حصہ لینا چاہا تو نہ لے سکے۔ اللہ نے ان پر شہد کی مکھیاں بھیج دیں اور شہد کی مکھیوں نے حضرت عاصم کی نعش کی حفاظت کی۔ (بخاری کتاب المغازی، حدیث:۴۰۸۶)

جلیل القدر تابعی حضرت عبد اللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے یہ مستند روایت ہے کہ جب یمن میں بد بخت اسود بن قیس بن ذی الخمار نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے حضرت ابو مسلم خولانی کو اپنے پاس بلوایا۔ جب آپ اس کے پاس آئے تو اس نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت ابو مسلم خولانی نے فرمایا: میں نہیں سنتا۔ اس نے کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں آپ نے جواب دیا: ہاں! اس نے دوبارہ وہی سوال کیا تو آپ نے وہی جواب دیا۔ پھر اس نے آگ بھڑکانے کا حکم دیا اور اس میں حضرت ابو مسلم خولانی کو ڈالنے کا حکم دیا۔ آپ کو اس میں ڈالا گیا تو آگ نے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ اسود کے درباریوں نے کہا کہ ابو مسلم خولانی کو اپنے یہاں سے دور کیجئے، نہیں تو آپ کے سارے ماننے والے بگڑ جائیں گے۔ اسود نے ابو مسلم خولانی کو وہاں سے جانے کی اجازت دی۔ آپ وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اس وقت رسول پاک ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابو بکر خلیفۃ المسلمین بنائے گئے تھے۔ ابو مسلم خولانی سیدھے مسجد نبوی

پہنچے۔ مسجد کے دروازے پر اپنی سواری کو بٹھایا اور ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ اُن پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی تو ان کے قریب آئے اور پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ جواب دیا: میں یمن سے آیا ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا: اس شخص کا کیا حال ہے جسے کذاب اسود نے آگ میں جلا دیا۔ ابو مسلم نے جواب دیا: وہ عبداللہ بن ثوب ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا وہ شخص آپ ہی ہیں؟ ابو مسلم نے کہا: ہاں، الحمد للہ! یہ سن کر حضرت عمر نے انہیں گلے لگایا اور رو پڑے۔ پھر انہیں لے جا کر اپنے اور ابو بکر کے بیچ میں اکرام سے بٹھایا اور کہا: شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے جیتے جی امت محمد ﷺ کے ایک ایسے فرد کی زیارت عطا فرمائی جس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ ص ۱۵۲۴)

ایک عورت کا چہرہ پیٹھ کی طرف ہو گیا

(حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی کرامت)

ایک عورت کی یہ بری عادت تھی کہ وہ ہمیشہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مکان میں جھانک جھانک کر آپ کے گھریلو حالات کی جستجو وتلاش کیا کرتی تھی۔ آپ نے بار بار اس کو سمجھایا اور منع کیا۔ مگر وہ کسی طرح باز نہیں آئی۔ یہاں تک کہ ایک دن نہایت جلال میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ ”تیرا چہرہ بگڑ جائے“ ان لفظوں کا یہ اثر ہوا کہ اس عورت کی گردن گھوم گئی اور اس کا چہرہ پیٹھ کی طرف ہو گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ج ۲ ص ۸۶۶ بحوالہ ابن عساکر)

قبر کے اندر سے سلام کا جواب ملا

(حضرت امیر حمزہ ﷺ کی کرامت)

حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت سید الشہداء حمزہ ﷺ کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے گئی اور میں نے قبر منور کے سامنے کھڑے ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاعَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہا: تو آپ نے باآواز بلند قبر کے اندر سے میرے سلام کا جواب دیا، جس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ (حجۃ اللہ ج ۲ ص ۸۶۳ بحوالہ بیہقی، دلائل النبوۃ)

شیر ڈانٹ سُن کر دُم ہلاتا ہوا بھاگا

(حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی کرامت)

علامہ تاج الدین سبکی نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک شیر راستہ میں بیٹھا ہوا تھا اور قافلہ والوں کا راستہ روکے ہوئے تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے اس کے قریب جا کر فرمایا کہ راستہ سے الگ ہٹ کر کھڑا ہو جا۔ آپ کی یہ ڈانٹ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا راستہ سے دور بھاگ نکلا۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۷۹ و حجۃ اللہ ج ۲ ص ۸۶۶)

قبر کی مٹی مُشک بن گئی

(حضرت سعد بن معاذ ﷺ کی کرامت)

محمد بن حسنہ ﷺ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت سعد بن معاذ ﷺ کی قبر کی مٹی ہاتھ میں لی تو

اس میں سے مشک کی خوشبو آنے لگی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ان کی قبر کھودی گئی تو اس میں سے خوشبو آنے لگی۔ جب حضور اقدس ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ تو آپ نے سبحان اللہ! سبحان اللہ! فرمایا اور مسرت کے آثار آپ کے رخسار انور پر نمودار ہو گئے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۴۳، وحجۃ اللہ ج ۲ ص ۸۶۸، بحوالہ ابن اسعد)

قبر سے اپنا زائد کفن واپس کر دیا

(حضرت اہبان غفاری رضی اللہ عنہ کی کرامت)

حضرت اہبان بن صیفی غفاری رضی اللہ عنہ صاحب کرامت صحابی تھے، ان کی ایک مشہور کرامت یہ ہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں فقط دو ہی کپڑے دیئے جائیں، مگر لوگوں نے ان کی وصیت پر عمل نہیں کیا اور ان کے کفن میں تین کپڑے شامل کر کے ان کو دفن کر دیا۔ گھر والے جب صبح کو نیند سے بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تیسرا کپڑا قبر سے واپس ہو کر کھونٹی پر لٹک رہا ہے۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۳۸)

ایک صحابی نے موت کے بعد بات کی

(حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی کرامت)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت زید بن خارجہ صحابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے کسی راستے میں ظہر و عصر کے درمیان چلے جا رہے تھے کہ ناگہاں گر پڑے اور اچانک ان کی وفات ہو گئی۔ لوگ انہیں اٹھا کر مدینہ منورہ لائے اور ان کو لٹا کر کمبل اوڑھا دیا۔
جب مغرب و عشاء کے درمیان کچھ عورتوں نے رونا شروع کیا تو کمبل کے اندر سے آواز

آئی: ''اے رونے والیو! خاموش رہو۔''

یہ آواز سن کر لوگوں نے ان کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو وہ بے حد دردمندی سے نہایت ہی بلند آواز سے کہنے لگے: ''رسول اللہ ﷺ نبی امی خاتم النبیین ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔''

اتنا کہہ کر کچھ دیر تک بالکل ہی خاموش رہے، پھر بلند آواز سے یہ فرمایا: ''سچ کہا، سچ کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، جو نبی اکرم ﷺ کے خلیفہ ہیں، قوی ہیں، امین ہیں۔ گو بدن میں کمزور تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے کام میں قوی تھے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں ہے۔''

اتنا فرمانے کے بعد پھر ان کی زبان بند ہوگئی اور تھوڑی دیر تک بالکل خاموش رہے۔ پھر ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے اور زور زور سے بولنے لگے۔

''سچ کہا سچ کہا، درمیان کے خلیفہ، اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ نہ اس کی کوئی پرواکرتے تھے اور وہ لوگوں کو اس بات سے روکتے تھے کہ کوئی قوی کسی کمزور کو کھا جائے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔''

اس کے بعد پھر وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے، پھر ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے اور زور زور سے بولنے لگے۔

''سچ کہا سچ کہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے، جو امیر المومنین ہیں اور مومنوں پر رحم فرمانے والے ہیں۔ دو باتیں گزر گئیں اور چار باقی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ لوگوں میں اختلاف ہوجائے گا اور ان کے لئے کوئی نظام نہ رہ جائے گا۔

۲۔ سب عورتیں رونے لگیں گی اور ان کی پردہ دری ہوجائے گی۔

۳۔ قیامت قریب ہوجائے گی۔

۴۔ بعض آدمی بعض کو کھا جائے گا۔ (ایک دوسرے کو قتل کرے گا)

اس کے بعد ان کی زبان بالکل بند ہوگئی۔ (طبرانی والبدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۵۶ واسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۷)

سات دنوں تک لاش یوں ہی رکھی رہی مگر خراب نہیں ہوئی

(حضرت ابوطلحہ انصاری ﷺ کی کرامت)

حضرت انس ﷺ راوی ہیں کہ ایک دن بڑھاپے میں حضرت ابوطلحہ انصاری ﷺ سورہ براءت کی تلاوت کرر ہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجٰهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ. (توبہ: آیت: ۴۱) ترجمہ: اللہ کی راہ میں نکلو خواہ ہلکے ہو کر (تندرستی و جوانی میں) اور بوجھل ہو کر (کمزوری و بڑھاپے میں) اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ اللہ کی راہ میں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے میرے بچو! مجھے تم لوگ جہاد کا سامان دو، کیونکہ میرا رب جوانی اور بڑھاپے دونوں حالتوں میں مجھے جہاد کا حکم فرماتا ہے۔ ان کے بیٹوں نے کہا کہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں تمام جہادوں میں شرکت کی سعادت حاصل کرلی ہے۔ اب آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، اس لئے اب جہاد میں نہ جایئے۔ ہم لوگ آپ کی طرف سے جہاد کرر ہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ مگر یہ کسی طرح بھی گھر بیٹھنے پر راضی نہیں ہوئے اور جہاد کا سامان جمع کر کے جہاد میں جانے والی ایک کشتی پر سوار ہو کر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ خدا کی شان کہ کشتی ہی میں ان کی وفات ہو گئی۔ اتفاق سے ان کی قبر کیلئے سمندر میں کوئی جزیرہ بھی نہیں ملا۔ سات دنوں تک کشتی میں لاش رکھی رہی۔ ساتویں دن سمندر میں ایک جزیرہ ملا تو اس جزیرہ میں مدفون ہوئے۔ سات دن گزرنے کے باوجود آپ کے جسم مبارک پر کسی قسم کا کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ (استیعاب لابن عبدالبرج ۱ ص ۵۵۰)

اللہ والے کی پکار پر مویشی دوڑ پڑے

(حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی کرامت)

حضرت محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کو کفار نے گرفتار کر کے انہیں تانتوں سے باندھ رکھا تھا۔ ان کے والد مالک اشجعی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ماجرا عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے بیٹے عوف کے پاس کسی قاصد کے ذریعے یہ کہلا دو کہ وہ بکثرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھتے رہیں۔

چنانچہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ یہ وظیفہ پڑھنے لگے۔ ایک دن اچانک ان کی تمام تانتیں ٹوٹ گئیں اور وہ رہا ہو کر کفار کی قید سے نکل پڑے اور ایک اونٹنی پر سوار ہو کر چل پڑے۔ راستہ میں ایک چراگاہ کے اندر کفار کے سینکڑوں اونٹ چر رہے تھے۔ آپ نے ان اونٹوں کو پکارا تو وہ سب کے سب دوڑتے بھاگتے ہوئے آپ کی اونٹنی کے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے مکان پہنچ کر اپنے والدین کو پکارا تو ان کی آواز سن کر ماں باپ اور خادم دوڑ پڑے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اونٹوں کے زبردست ریوڑ کے ساتھ موجود ہیں انہیں دیکھ کر سب خوش ہو گئے۔

ان کے والد حضرت مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر سارا قصہ سنایا اور انٹوں کے بارے میں بھی عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان اونٹوں کو تم جو چاہو کرو، تمہارا بیٹا ان اونٹوں کا مالک ہو چکا۔ میں ان اونٹوں میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رزق ہے جو تمہیں عطا کیا گیا۔

روایت ہے کہ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ. (سورہ طلاق پ ۲۸ آیت: ۲،۳)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مضرتوں سے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۳ص ۱۰۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۳۸۰)

اللہ کے ولی کے لئے ساتویں آسمان کا فرشتہ زمین پر

(حضرت زید بن حارثہ ﷛ کی کرامت)

حضرت زید بن حارثہ ﷛ کی ایک کرامت بہت زیادہ مشہور اور مستند ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے سفر کے لئے طائف میں ایک خچر کرایہ پر لیا۔ خچر والا ڈاکو تھا۔ وہ آپ کو سوار کر کے لے چلا اور ایک ویران وسنسان جگہ پر لے جا کر آپ کو خچر سے اتار دیا اور ایک خنجر لے کر آپ کی طرف حملہ کے ارادے سے بڑھا۔ آپ نے یہ دیکھا کہ وہاں ہر طرف لاشوں کے ڈھانچے بکھرے پڑے ہیں۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اے شخص! تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو ٹھہر! مجھے اتنی مہلت دے دے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ اس بدنصیب نے کہا کہ اچھا تو نماز پڑھ لے۔ تجھ سے پہلے بھی بہت سے قتل ہونے والوں نے نمازیں پڑھی تھیں، مگر ان کی نمازوں نے ان کی جان نہ بچائی۔

حضرت زید بن حارثہ ﷛ کا بیان ہے کہ جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو وہ مجھے قتل کرنے کے لئے میرے قریب آ گیا تو میں نے دعا مانگی: یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. غیب سے یہ آواز آئی کہ اے شخص! تو ان کو قتل مت کر۔ یہ آواز سن کر وہ ڈاکو ڈر گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جب کوئی نظر نہیں آیا تو وہ پھر میرے قتل کے لئے آگے بڑھا تو میں نے پھر بلند آواز سے یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. کہا اور پھر وہی غیبی آواز آئی۔ پھر تیسری مرتبہ جب میں نے یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. کہا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور نیزے کی نوک پر آگ کا ایک شعلہ ہے۔ اس شخص نے آتے ہی ڈاکو کے سینے میں اس زور سے نیزہ مارا کہ نیزہ اس کے سینے کو چھیدتا ہوا

اس کے پشت کے پار نکل گیا اور ڈاکو زمین پر گر کر مر گیا۔ پھر وہ سوار مجھ سے کہنے لگا کہ جب تم نے پہلی مرتبہ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. کہا، تو میں ساتویں آسمان پر تھا اور جب دوسری مرتبہ تم نے یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. کہا، تو میں آسمانِ دنیا پر تھا اور جب تیسری مرتبہ تم نے یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. کہا تو میں تمہارے پاس امداد و نصرت کے لئے حاضر ہو گیا۔ (استیعاب ج ۱ ص ۵۴۸)

اللہ کے محبوب بندے کی ایک پکار سے درندے فرار

(حضرت عقبہ بن نافع ﷺ کی کرامت)

مروی ہے کہ حضرت عقبہ بن نافع ﷺ کے لشکر میں اٹھارہ صحابی موجود تھے۔ آپ نے ان مقدس صحابہ کو جمع فرمایا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر ایک خوفناک گھنے جنگل میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے یہ اعلان فرمایا:

"اے درندو اور موذی جانورو! ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ﷺ ہیں۔ ہم اس جگہ اپنی بستی بسا کر آباد ہونا چاہتے ہیں، لہٰذا تم سب یہاں سے نکل جاؤ ورنہ اس کے بعد ہم تم میں سے جس کو یہاں دیکھیں گے تو قتل کر دیں گے۔

اس اعلان میں خدا ہی جانتا ہے کہ کیا تاثیر تھی کہ سب درندوں اور حشرات الارض میں ہل چل مچ گئی اور غول در غول اس جنگل کے جانور نکلنے لگے۔ شیر اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے، بھیڑیئے اپنے پلوں کو لئے ہوئے، سانپ اپنے سپنولیوں کو کمر سے چمٹائے ہوئے جنگل سے باہر نکلے جا رہے تھے اور یہ ایک عجیب ہیبت ناک اور دہشت انگیز منظر تھا جو نہ اس سے قبل دیکھا گیا نہ یہ کسی کے وہم و گمان میں تھا۔ غرض پورا جنگل جانوروں سے خالی ہو گیا اور صحابہ کرام اور پورے لشکر نے اس جنگل کو کاٹ کر سن ۵۰ھ میں ایک شہر آباد کیا، جس کا نام "قیروان" ہے۔ یہ شہر اسی لئے مسلمانوں میں بہت زیادہ قابل احترام شمار کیا جاتا ہے کہ اس شہر کی آبادی میں صحابہ کرام کے مقدس ہاتھوں کا بہت زیادہ حصہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہزاروں جلیل القدر علماء و مشائخ اس سرزمین کی آغوش خاک سے اٹھے اور پھر

اسی مقدس زمین کی آغوش لحد میں دفن ہو کر اس زمین کا خزانہ بن گئے۔ (معجم البلدان تذکرہ قیروان)

کرامات اولیاء کا انکار کرنے والے، بدعتی و گمراہ ہیں

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى حَقِيْقَةِ الْكَرَامَةِ مَاتَوَاتَرَمِنْ كَثِيْرِ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ بِحَيْثُ لَايُمْكِنُ اِنْكَارُهٗ خُصُوْصًا اَلْاَمْرُ الْمُشْتَرَكُ وَاِنْ كَانَتِ التَّفَاصِيْلُ اٰحَادًا وَاَيْضًا الْكِتَابُ نَاطِقٌ بِظُهُوْرِ هَامِنْ مُّرْيَمَ وَمِنْ صَاحِبِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَعْدَ الْوُقُوْعِ لَاحَاجَةَ اِلٰى اِثْبَاتِ الْجَوَازِ۔ (شرح العقائد ۱۴۴)

ترجمہ: کرامت کے حق ہونے پر دلیل وہ روایات ہیں جو صحابہ اور تابعین سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں، جن کا انکار ممکن نہیں۔ خصوصاً تمام روایتوں سے جو مشترکہ طور پر مفہوم نکلتا ہے وہ متواتر ہے۔ اگر چہ روایتیں انفرادی طور پر آحاد ہیں۔ کتاب اللہ بھی کرامات کے ظہور پر ناطق ہے، مریم علیہا السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب (آصف ابن برخیا) سے کرامات کا وقوع ثابت ہونے کے بعد ان کے امکان کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے کرامات اولیاء کے ثبوت پر دلائل ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

مذہب حق جس پر اہل سنت و جماعت کے فقہاء، اصولیین، محدثین اور دوسرے بہت سے علماء ہیں وہ یہ ہے کہ اولیاء کی کرامتوں کا ظہور عقلی طور پر جائز ہے، کیوں کہ یہ ممکنات میں سے ہے۔ حالانکہ قبح عقلی کی بنیاد پر شرع میں کسی چیز کا واقع ہونا محال نہیں اس لئے کہ اس میں عقل حاکم نہیں اس مسئلے میں معتزلہ اور ان کا اختلاف ہے جو معتزلہ کے بہتان اور گمراہی کی پیروی کرتے ہیں بغیر غور وخوض اور سوچ بچار کے۔ (الفتاوی الحدیثیہ، ۳۹۵)

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبرت انگیز باتیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں:

''یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) نے کرامات کا انکار کیا۔ وہ تو اس سے

بھی بڑے بڑے گناہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان نصوص کا انکار کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معناً تواتر کے ساتھ منقول ہیں، جیسا کہ سوال نکیرین، عذاب قبر، حوض کوثر، میزان وغیرہ۔ ان کے سوا بھی بہت سے شرعی احکام کو انہوں نے جھٹلایا اور دین پر افترا کیا۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی فاسد عقلوں کی پیروی کی اور اللہ کی ذات وصفات، اس کی آیات واسماء وافعال میں اپنی عقلوں کو حاکم مانا۔ جو باتیں ان کی فاسد اور بیمار، کمینی عقلوں کی موافق ہوئیں انہیں قبول کیا اور جو موافق نہیں ہوئیں انہیں رد کر دیا، انہوں نے سنت، قرآن اور اجماع کی تکذیب میں کوئی پرواہ نہیں کی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ کا غضب ان کا مقدر بن گیا اور قابل مذمت اور قبیح باتیں ان تک تیزی سے پہنچ گئیں۔ (مرجع سابق)

علامہ ابن حجر مکی آگے لکھتے ہیں:

لیکن تعجب ان لوگوں پر ہے جو خود کو اہل سنت کہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہی نعمت خداوندی کے حامل ہیں، باوجود اس کے زوردار انداز میں کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ محرومی ان کا مقدر بن گئی اور اس نے انہیں ہلاک ہونے والوں (منکرین) کے زمرے میں داخل کر دیا اور ایک قسم کے وبال اور خسارے کو ان کے لئے لازم کر دیا۔ (مرجع سابق)

اور لکھتے ہیں: منکرین اولیاء میں سے بعض وہ ہیں جو صوفیا اور ان کے ماننے والوں کا بالکل انکار کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اجمالی طور پر انہیں مانتے تو ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کی کرامات ثابت ہیں لیکن کسی معین ولی کی بات سامنے آتی ہے یا ان کی کوئی کرامت دیکھتے ہیں تو انکار کر ڈالتے ہیں۔ کیوں کہ شیطان نے ان کے اندر یہ باطل خیال ڈال دیا ہے کہ وہ (صاحب کرامات اولیاء کرام) گزر چکے ہیں۔ اب جو کوئی بھی ہے وہ شیطان کے التباس اور دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ شیطان اس پر حاوی ہو چکا ہے اور اس پر اس کے معاملے کو مشتبہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ (جو اولیاء کے تعلق سے ایسی باتیں کہتے ہیں) بھی عناد اور محرومی کے مقام پہ کھڑے ہیں۔

قریب تھا کہ ابن الجوزی انہیں لوگوں کے زمرے میں داخل ہو جاتے مگر ان کی نیت اچھی تھی، وہ اپنے زمانے کے گمراہ صوفیوں (متصوفہ) کا رد کرنا چاہتے تھے۔ (الفتاوی الحدیثیہ ص ۳۰۲)

علامہ یوسف نبہانی متوفی ۱۳۶۰ھ نے علامہ یحییٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا:

''مقاصد القاصد کی شرح میں علامہ یحییٰ فرماتے ہیں کہ بدعتیوں کی طرف سے کرامات کا انکار کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیوں کہ نہ تو وہ خود صاحب کرامات ہیں نہ ہی اپنے قائدین سے انہوں نے ایسی باتیں سنیں۔ جب یہ منکرین نہ خود صاحب کرامات ہیں، نہ ہی ان کے پیشواؤں کو یہ دولت ملی تو وہ صاحب کرامات اولیاء کرام پر اعتراضات کرنے لگے۔ ان کے گوشت نوچنے لگے اور ان کی کھال کھینچنی چاہی۔ ان کم نصیبوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ولایت کا معاملہ عقیدہ کی درستگی، باطن کی صفائی، طریقت کی پیروی اور حقیقت کے انتخاب پر مبنی ہے۔

(جامع کرامات الاولیاء مترجم ۱۲۹/۱)۔

شیخ امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ لالکائی م ۴۱۸ھ نے کرامات اولیاء کے ثبوت پر قرآنی آیات واحادیث وآثار ذکر کیے ہیں اور کئی صحابۂ کرام مثلاً خلفاء راشدین کے علاوہ اسید بن حضیر، عباد بن بشر، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ ابن مسعود، عباس بن عبدالمطلب، حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، مصعب بن زبیر، خالد بن ولید، ابی بن کعب، عمران بن حصین، انس بن مالک، براء بن عازب، علاء بن حضرمی، ابوامامہ باہلی، تمیم الداری، رضی اللہ عنہم کی کرامات کو بیان فرمایا اور صحابیات میں سے امہات المومنین حضرت عائشہ، زینب بنت جحش کی کرامتیں بھی ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ کئی صحابیات اور تابعین وتابعات کی کرامات کا بھی ذکر کیا ہے۔

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ ص: ۷۰۰ تا ۷۸۸)

باباؤں اور جوگیوں کے کرتب کرامت نہیں

اللہ تعالیٰ کے ولی سے جو باتیں خلاف معمول ظاہر ہوں جیسے ہوا میں اڑنا، مردے کو زندہ کرنا، غیر عادی طور پر روئے زمین کی سیر کرنا وغیرہ عجیب وغریب امور، کرامت ہیں۔ اور ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا حتی الامکان عارف ہو۔ طاعتوں پر ہمیشگی اختیار کرنے والا، گناہوں سے

بچنے والا ہو اور لذات وخواہشات دنیویہ میں منہمک رہنے والا نہ ہو (شرح عقائد ۱۴۴) معلوم ہوا کہ کرامت کے ظہور کے لئے پہلی شرط ذات وصفات باری تعالیٰ کا عرفان ہے۔ اور عرفان کے لئے ایمان ہونا شرط ہے، تو ظہور کرامت کے لئے پہلی شرط ایمان کا ہونا ہے۔ جس کے پاس ایمان نہیں اس سے کوئی بھی عجیب وغریب واقعہ صادر ہو وہ کرامت نہیں بلکہ دھوکہ ہے۔ جیسا کہ بعض جوگی اور سنٹ، عجیب وغریب چیزیں دکھاتے ہیں اور کبھی غیر متوقع وغیر معمولی طور پر لوگوں کی بعض حاجتیں پوری کر دیتے ہیں۔ وہ شیطانی عمل کے ذریعہ ایسا کرتے ہیں یا بطور شعبدہ عجیب وغریب چیزیں دکھاتے ہیں۔ یہ ہرگز کرامت نہیں۔ کرامت کے لئے دوسری شرط ہے نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرنا، گناہوں سے بچنا اور لذات وشہوات دنیویہ میں منہمک نہ ہونا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مومن ہو لیکن عبادتوں پر ہمیشگی نہ برتتا ہو، یا گناہوں سے نہ بچتا ہو یا دنیاوی لذات وشہوات (اگر چہ مباح ہوں) میں ڈوبا ہوا رہتا ہو، وہ ولی نہیں۔ اس سے اگر کوئی غیر عادی چیز صادر ہو تو وہ کرامت نہیں۔ ولی کے علاوہ کسی عام مومن بندے کے لئے کبھی کوئی خلاف عادت چیز واقع ہو جائے تو وہ اس کی کرامت نہیں بلکہ اگر وہ خیر ہے تو اللہ کی طرف سے اس کی معاونت (مدد) ہے۔ مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن میں محفوظ رکھنی چاہئے کہ کسی بھی شخص کے ہاتھ سے کوئی عجوبہ صادر ہوتے ہوئے دیکھے تو اسے ہرگز ہرگز اس کی کرامت تصور نہ کرے، بلکہ سب سے پہلے اس بات کی تحقیق کرے کہ وہ مومن ومسلمان ہے، حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا، اس کے شب وروز اتباع سنت میں گزرتے ہیں، نیکیوں پر ہمیشہ قائم رہتا ہے، گناہوں سے بچتا ہے، دنیاوی مباح لذتوں اور شہوتوں میں منہمک نہیں رہتا۔ جب تک ان تمام باتوں کی تحقیق نہ کرلے اسے اللہ کا ولی نہ سمجھے اور اس سے صادر ہونے والے عجوبے کو ہرگز کرامت تصور نہ کرے۔

آج کل مسلمانوں کی درمیان کئی شعبدہ باز اور سفلی عمل والے بابا پیدا ہو گئے ہیں، جو طرح طرح کے شعبدے دکھا کر اور شیطانی وسفلی عمل کر کے خود اپنی آخرت تباہ وبرباد کرتے ہیں اور سیدھے سادے عوام کے مال وزر کے ساتھ ان کے ایمان وعقیدے پر بھی لوٹ مچاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس وعید کے مستحق ہیں:

يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ ۔ (البقرہ:۹)

ترجمہ: یہ لوگ اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں (کیوں کہ اس دھوکہ کا وبال آخرت میں انہیں کے سر ہوگا)۔

اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

صاحب کرامات اولیاء کرام اور کرامات کے تعلق سے علامہ یوسف نبہانی کے یہ ارشادات نظر عبرت سے پڑھیں۔

''صاحب کرامت کو ظہور کرامت کے وقت انس وخوشی میسر نہیں ہوتی بلکہ اسے اللہ کا خوف آلیتا ہے اور قہر خداوندی سے اور زیادہ ڈرنے لگتا ہے، کیوں کہ اسے خوف ہوتا ہے کہ جسے وہ کرامت سمجھ رہا ہے کہیں استدراج (دھوکہ) نہ ہو۔ لیکن صاحب استدراج (جوگی، سنت، بابا پنڈہ وغیرہ) کا معاملہ بالکل الگ ہوتا ہے وہ اپنے استدراج (عجیب وغریب چیز) کو دیکھ کر انس وخوشی محسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے یہ (استدراج) بطور کرامت ملا ہے۔ وہ اپنی ظاہری عظمت کو پا کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور اس میں غرور پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کریم کے عقاب و گرفت سے خود کو محفوظ سمجھنے لگتا ہے، سوء خاتمہ سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ اگر دیکھنے والا، کسی شخص کے یہ حالات دیکھے تو اسے یقین کر لینا چاہئے کہ یہ صاحب کرامت نہیں بلکہ صاحب استدراج (دھوکہ والا) ہے۔ سچے اولیاء، کرامات کے اظہار سے اس طرح خوف کھاتے ہیں جس طرح مصیبتوں اور بلاؤں سے خوف کھایا جاتا ہے۔ (جامع کرامات الاولیاء/۱۱۶ للشیخ النبہانی)

اولیاء کرام اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو اپنے عام بندوں سے بہت زیادہ تصرّف کی طاقت وقوت عطا فرمائی ہے۔ عام بندوں کی طاقت جہاں تک نہیں پہنچتی، اللہ کے ولیوں کی طاقت وہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ عام بندوں کی آنکھیں جو نہیں دیکھتیں، اللہ کے ولی وہ دیکھتے ہیں۔ عام بندوں کے ہاتھ میں جو

قوت ہوتی ہے، اللہ کے ولیوں کے ہاتھ میں اس سے بہت زیادہ قوت ہوتی ہے۔ اللہ کے ولیوں کی قوت سماعت عام بندوں کی قوت سماعت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اولیاء کرام اپنی غیر معمولی قوت وتصرف کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے۔ اوران کی یہ قدرت وتصرف بہرحال اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے پر موقوف ہے۔ اولیاءِ کرام کی غیر معمولی قدرت وتصرف کا ثبوت قرآن واحادیث کریمہ میں موجود ہے۔

اولیاء کرام کے تصرفات کا ثبوت قرآنی آیات سے

اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کی عظمت وشان کو یوں بیان فرمایا ہے:

آلَااِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ. (یونس: ۶۲)

ترجمہ: آگاہ رہو! بے شک اللہ کے ولیوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

آیت: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ. (الطلاق: ۳)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے اس کو اللہ ہی کافی ہے۔

فائدہ: اللہ کے اولیاء، اللہ پر پورے طور پر توکل اور بھروسہ رکھنے والے ہوتے ہیں لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر حال میں اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ ان کو کافی ہوتا ہے۔ ہر حال میں جس کا والی ومددگار اللہ ہے یقیناً اس کا تصرف واختیار عام بندوں کے تصرف سے زیادہ ہے۔ عام بندوں کا بھروسہ کبھی اسباب پر بھی ہوتا ہے، اس لئے کبھی وہ اللہ کی خاص رحمت سے محروم ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے ولی ہر حال میں مسبب الاسباب (اللہ) پر توکل رکھنے والے ہوتے ہیں اس لئے اللہ کی مدد اور رحمت خاص ہر حال میں ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

آیت: قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ. (النمل: ۴۰)

ترجمہ: اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ میں اسے (تخت بلقیس کو) آپ کے پاس لے آؤں گا، آپ کے پلک مارنے سے پہلے۔

آیت کا پس منظر: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب حاضرین مجلس سے فرمایا کہ میرے پاس بلقیس کے تخت کو کون کتنی جلدی لاسکے گا تو ایک جن نے کہا کہ اس مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے، میں تخت بلقیس کو حاضر کردوں گا۔ اسی مجلس میں ایک اللہ کے ولی حضرت آصف بن برخیا موجود تھے، انہوں نے کہا کہ میں اُسے آپ کے پلک مارنے سے پہلے حاضر کردوں گا۔ چنانچہ ملکۂ سبا بلقیس کے تخت کو حضرت آصف بن برخیا نے ملک یمن سے پلک جھپکتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کردیا۔ قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ کے ایک ولی کی یہ حکایت بیان فرما کر یہ درس دیا کہ اللہ نے ایک ولی کو عام بندوں سے زیادہ طاقت عطا فرمائی ہے۔

اولیاء کرام کے تصرفات کا ثبوت احادیث کریمہ سے

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حدیث: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یَبْصُرُبِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ.

(صحیح بخاری ۹۶۳/۲، کتاب الرقاق حدیث: ۶۵۰۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میں نے اس سے اعلان جنگ کردیا۔ میرا بندہ میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا کسی ایسی چیز کے ذریعہ جو مجھے میرے فرض کئے ہوئے احکام سے زیادہ محبوب ہو۔ میرا بندہ نفل عبادتوں کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے ''محبوب'' بنالیتا ہوں۔ تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس

سے دیکھتا ہے۔اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے پکڑتا ہے۔اس کا قدم بن جاتا ہوں جس سے چلتا ہے۔اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور عطا کروں گا اور اگر میری پناہ طلب کرے تو اسے ضرور پناہ دوں گا۔

شارح بخاری شریف علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی (۸۵۲ھ) نے تحریر فرمایا:

لَمَّا كَانَ وَلِيُّ اللّٰهِ مَنْ تَوَلَّى اللّٰهَ بِالطَّاعَةِ وَالتَّقْوٰى تَوَلَّاهُ اللّٰهُ بِالْحِفْظِ وَالنُّصْرَةِ وَقَدْ اَجْرَى اللّٰهُ الْعَادَةَ بِاَنَّ عُدُوَّ الْعَدُوِّ صَدِيْقٌ وَصَدِيْقَ الْعَدُوِّ عَدُوٌّ فَعَدُوُّ وَلِيِّ اللّٰهِ عَدُوُّ اللّٰهِ فَمَنْ عَادَاهُ كَانَ كَمَنْ حَارَبَهُ وَمَنْ حَارَبَهُ فَكَاَنَّمَا حَارَبَ اللّٰهَ. (فتح الباری ۱۱/۳۸۶)

ترجمہ: جب اللہ کے ولی نے اللہ کی اطاعت اور تقویٰ کے ذریعہ اللہ کو اپنا مددگار بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اور مدد کو اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا۔اور اللہ نے یہ عادت جاری فرمادی ہے کہ آدمی کے دشمن کا دشمن اس کا دوست ہوتا ہے اور دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے۔تو اللہ کے ولی (دوست) کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔جس نے اللہ کے ولی سے دشمنی کی گویا اس نے ولی سے جنگ کی اور جس نے ولی سے جنگ کی گویا اس نے اللہ سے جنگ کی (اور جس نے اللہ سے جنگ کی اس کا نتیجہ ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔)

حدیث مذکور کو ذکر کرنے کے بعد امام فخر الدین رازی نے تحریر فرمایا:

وَهٰذَا الْخَبَرُ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ لَمْ يَبْقَ فِيْ سَمْعِهِمْ نَصِيْبٌ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَا فِيْ بَصَرِهِمْ وَلَا فِيْ سَائِرِ اَعْضَائِهِمْ اِذْ لَوْبَقِيَ هُنَاكَ نَصِيْبٌ لِغَيْرِ اللّٰهِ لَمَا قَالَ اَنَا سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ، اِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُوْلُ: لَاشَكَّ اَنَّ هٰذَا الْمَقَامَ اَشْرَفُ مِنْ تَسْخِيْرِ الْحَيَّةِ وَالسَّبُعِ وَاِعْطَاءِ الرَّغِيْفِ وَعُنْقُوْدٍ مِنَ الْعِنَبِ اَوْشُرْبَةِ مَاءٍ فِيْ مَفَازَةٍ.

(تفسیر کبیر ج۷ جزء ۲۱ ص۸۳ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: یہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ اللہ کے ولیوں کے کان، آنکھ اور ان کے تمام اعضاء میں اللہ کے غیر کا حصہ نہیں۔ کیوں کہ اگر غیر کا حصہ باقی ہوتا تو اللہ نہ فرماتا کہ میں ان کا کان اور ان کی آنکھ ہوں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بے شک اولیاء کو اتنا اونچا مقام حاصل ہے تو ان کے لئے سانپ، درندوں کا تابع ہو جانا، صحراء میں کھانے کو غیب سے روٹی، انگور یا

جانا یا پیاس بجھانے کو پانی ملنا کوئی بڑی بات نہیں۔

فائدہ: اس حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وَفُؤَادَهُ الَّذِيْ يَعْقِلُ بِهٖ وَ لِسَانَهُ الَّذِيْ يَتَكَلَّمَ بِهٖ. اللہ فرماتا ہے کہ میں اپنے محبوب بندے کا دل ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے (فتح الباری ۱۱/۳۸۶)۔

اس حدیث قدسی کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ فرائض و نوافل کی ادائیگی اور اس کی پابندی کے ذریعہ اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے تو وہ عام بندوں کی طرح نہیں رہتا بلکہ اس کے سارے اعضاء ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان سے وہی اعمال و افعال صادر ہوتے ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اس کے اعضاء عام بندوں کے اعضاء کی طرح ہونے کے باوجود ان کی قوت و طاقت عام بندوں کی قوت سے زیادہ ہوتی ہے۔ بندہ وہی کہتا ہے جو اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ اللہ کے فرمان کے خلاف کوئی بات نہیں کہتا۔ اس کے پیر، ہاتھ سے وہی کام ہوتے ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ نیز ان کے اعضاء سے غیر معمولی افعال صادر ہوتے ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں ان کا ثبوت موجود ہے۔ حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ بندے کے اعضا میں حلول کر جاتا ہے یا اس کی قدرت و علم کی صفت بندے کے اعضاء میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جب بندہ مقام محبوبیت پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اگر وہ بندہ مجھ سے مانگے تو اسے ضرور دوں گا۔ جب اللہ کے محبوب بندوں (اولیاء) کی دعا کو اللہ نے رد نہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے تو ان سے لگاؤ رکھنا، انہیں اپنی حاجتوں کے لئے اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا، ان سے دعا کروانا جائز ہے۔ ان سے مدد مانگنے کا یہی مطلب ہے۔

اللہ کے ولی سے دشمنی ایمان پر خاتمہ نہ ہونے کا سبب

حدیث مذکور کی شرح میں علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ الْاَئِمَّةُ :لَيْسَ فِيْ الْمَعَاصِيْ مَنْ تَوَعَّدَ اللّٰهُ اَرْبَابَهَا مُحَارَبَتَهُ اِلَّاهٰذا وَاٰكِلَ الرِّبَا،

قَالَ تَعَالىٰ : فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.(البقرہ ۲۷۹)

هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى مَافِي هَاتَيْنِ الْخَصْلَتَيْنِ مِنْ عَظْمِ الْخَطَرِ، اِذْمُحَارَبَةُ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ تَدُلُّ عَلٰى سُوْءِ خَاتِمَتِهٖ، لِاَنَّ مَنْ حَارَبَهُ اللّٰهُ لَايُفْلِحُ اَبَدًا. (مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۴۳ فیصل بکڈپو دھلی)

ترجمہ: علم وعمل کے اماموں نے فرمایا ہے کہ صرف دو قسم کے گناہ کرنے والے ایسے ہیں جن کو اللہ نے یہ وعید سنائی ہے کہ وہ اللہ سے جنگ کا اعلان کرنے والے ہیں۔ ایک تو ولی سے دشمنی کرنے والے، دوسرے سود خور۔ اللہ تعالیٰ نے سود خور کے بارے میں فرمایا: تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان سن لو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں خصلتوں میں بڑا خطرہ ہے۔ کیوں کہ بندے کا اللہ سے جنگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خاتمہ برا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ سے جنگ کرنے والا کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

حدیث: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ، لَوْاَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ. (صحیح مسلم: ۲۶۸۲،۱۹۰۰/۷) وفی البخاری: اِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ. (حدیث: ۲۷۰۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کتنے ایسے الجھے ہوئے، گرد و غبار آلود بال والے بندے ہیں جو دروازوں سے دور کردئے جاتے ہیں، اگر وہ اللہ کی بارگاہ میں قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم ٹوٹنے نہیں دیتا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ کے ولیوں سے دعا کی درخواست کرنی چاہئے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی دعا کورد نہیں فرمائے گا۔ اولیاء سے دعا کی درخواست کرنا بھی ان سے ایک قسم کی مدد طلب کرنا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں اور اولیاء کرام سے انکی زندگی میں مدد طلب کرنا، ان سے دعائیں کروانا جائز ہے، لیکن بعد وفات ان سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔ کیوں

کہ انہیں موت آچکی ہے۔اب وہ نہ ہماری فریاد سن سکتے ہیں نہ ہماری مدد کرسکتے ہیں۔غیر اللہ سے غائبانہ طور پر مدد مانگنا شرک ہے۔

یہ غلط فہمی دراصل دو غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے۔ایک غلط فہمی یہ کہ اولیاء کرام کی برزخی زندگی کو عام لوگوں کی برزخی زندگی کی طرح سمجھ لیا گیا ہے اور دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی غائب سے مدد طلب کرنا شرک ہے اگر دلائل شرعیہ کی روشنی میں دونوں غلط فہمیوں کو دور کردیا جائے تو ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تیسری غلط فہمی دور ہوجائے گی۔لہٰذا ذیل میں ہم دونوں غلط فہمیوں کو شرعی دلائل سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اولیاء کرام کی قبر کی زندگی عام لوگوں کی زندگی سے اعلیٰ ہے

یہ بات دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ عام مومن بندوں کی قبر کی زندگی کافروں کی قبر کی زندگی سے افضل واعلیٰ ہوتی ہے۔

من عمل صالحا من ذکر أو انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ،ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون.(۱۶،نحل،۹۷)

ترجمہ: جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے اور ضرور انہیں ان کا نیکی دیں گے جو ان کے سب سے بہتر کام کے لائق ہو۔

مومن بندے اپنی برزخی زندگی میں آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور بات چیت بھی کرتے ہیں۔

اس تعلق سے امام محمد بن یوسف صالحی متوفی ۹۴۲ھ نے ابن حبان کی ''کتاب الوصایا'' کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنْ قَیْسِ ابْنِ قَبِیْصَۃَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ لَمْ یُوْصِ لَمْ یُؤْذَنْ لَہٗ فِیْ الْکَلَامِ مَعَ الْمَوْتٰی قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَھَلْ تُکَلِّمُ الْمَوْتٰی ؟ قَالَ ''نَعَمْ.(سبل الھدیٰ والرشاد ۱۲/ ۳۶۵)

ترجمہ: حضرت قیس بن قبیصہ ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے (اپنی وفات کے وقت) کسی خیر کی وصیت نہیں کی اُسے مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا مردے بات کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں!۔

حدیث: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَحَدٍ یَمُرُّ قَبْرَ اَخِیْهِ الْمُؤْمِنِ کَانَ یَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ اِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ.

(الوفاء لابن الجوزی ج ۴ ص ۱۳۶۳، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے، جسے وہ پہچانتا تھا، اور اسے سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

حدیث: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: اِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ یَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهُ وَاِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَایَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ.

(شعب الایمان حدیث: ۹۲۹۶ فصل زیارۃ القبور ج ۷ ص ۲۱۵۹، دارالفکر بیروت)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے صاحب قبر پہچانتا تھا، پھر وہ اسے سلام کرتا ہے تو صاحب قبر سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان لیتا ہے۔ اور اگر اسے نہیں پہچانتا تھا تو بھی سلام کا جواب دیتا ہے۔

حدیث: عن انس بن مالک قال: قال رسول اللہ ﷺ "اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ اَنَّهُ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ اِذَا انْصَرَفُوْا". (صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار علیه حدیث: ۸ ۷۲۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بے شک میت کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو یقیناً وہ لوگوں کی جوتیوں کی آوازوں کو سنتا ہے، جب کہ لوگ واپس ہوتے ہیں۔

حدیث: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ رَجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ وَیَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ بِهٖ وَرَدَّ عَلَیْهِ حَتّٰی یَقُوْمَ.

(احیاء علوم الدین ج ۷ ص ۲۱۹۵، اخرجه ابن عبدالبر فی التمهید)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے (مومن) بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اس سے صاحب قبر کو ضرور انسیت حاصل ہوتی ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ واپس چلا جائے۔

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مومن بندے اپنی برزخی زندگی میں ایک دوسرے سے آپس میں ملاقات بھی کرتے ہیں انہیں سلام پیش کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں، انہیں پہچانتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ کیوں کہ اس پر تمام عقلا اور اصحاب شریعت کا اتفاق ہے کہ روح کو موت نہیں آتی اور در حقیقت تصرف و علم روح کی صفت ہے، جسم کے اعضاء دنیا میں صرف واسطے ہوتے ہیں۔ اعضا کے ختم ہو جانے کے بعد بھی روح کا تصرف باقی رہتا ہے، ایک مومن کامل کی روحانی قوت کے تعلق سے خود وہابیوں کے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے یہ لکھا کہ بندہ مراقبہ اور ذکر و شغل کے ذریعہ اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اس کی روح کے سامنے سے حجابات ختم ہو جاتے ہیں اور اس کی روح، ارواح انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کے ساتھ ملاقات کرتی ہے، ان سے ہم کلام ہوتی ہے۔ جنت، دوزخ، سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور حتی کہ لوح محفوظ کی بھی سیر کرتی ہے اور وہاں کے واقعات و عجائبات اس پر حسب استعداد منکشف ہوتے ہیں اور مراقبہ و شغل کی بدولت سالک کو ایک قسم کی لطافت اور ذات پاک الٰہی کے ساتھ قرب اور انس میسر ہو جاتا ہے اور جسم سے بے گانگی سی حاصل ہو جاتی ہے اور ایک قسم کی نورانیت بہم پہنچتی ہے جو کہ شغل نفی میں اعانت و امداد کرتی ہے اور ہر چند روحِ بشری عالم قدسی اور سمٰوٰت میں عروج کرنے (چڑھنے) کے قابل نہیں لیکن ذکرِ الٰہی اس کا بدرقہ ہو گیا ہے۔ پس (روح) جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ (مراقبہ و ذکر و شغل) کی معاونت سے پہنچ جاتی ہے۔ حتی کہ طالب کے ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف انتقال کرنے کے لئے سبب عادی یہ ہے کہ ان انوار (جو سالک کو حاصل ہوئے) میں سے ہر ایک کو اپنی قوت خیالیہ سے اس قدر وسیع کرے کہ تمام جہاں کا احاطہ کر کے قید مکان سے فضائے لامکان کی

طرف تجاوز کرے۔ (صراط مستقیم، اقسام فکر کا بیان ص ۲۰۲ تا ص ۲۱۴ ملخصا)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے اسمٰعیل دہلوی صاحب کے کہنے کے مطابق ذکر و مراقبہ و شغل ذات وصفات کے ذریعہ مومن سالک بندے کی روح کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ اس کے سامنے سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور زمین و آسمان حتی کہ جنت، دوزخ، سدرۃ المنتہیٰ، لوح محفوظ کے بہت سے واقعات روشن ہو جاتے ہیں، بلکہ وہ تمام جہاں کا احاطہ کر کے قید مکان سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ باوجود اس کے وہابی، دیوبندی و تبلیغی جماعت کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام و اولیاء اللہ سے روحانی طور پر مانگنا شرک و بدعت ہے۔ ان کے اندر مدد کرنے کی کچھ بھی طاقت نہیں۔

مومن بندوں کی روحوں کی قوت اور ان کا تصرف ان کے ایمان و عمل کے اعتبار سے کم اور زیادہ ہوتا ہے۔

بعد موت ان کے جسمانی اعضا ہاتھ پاؤں، آنکھ وغیرہ کی حرکات اور تصرفات دنیاوی لحاظ سے بند ہوتے ہیں لیکن روح نہیں مرتی اور جسم میں در حقیقت روح ہی حاکم و متصرف ہوتی ہے اس لئے جسم کی موت کے بعد بھی روح کے تصرفات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

موت کی حقیقت کے تعلق سے حجۃ الاسلام امام غزالی نے تحریر فرمایا:

اَلَّذِیْ تَشْهَدُ لَهٗ طُرُقُ الْاِعْتِبَارِ وَتَنْطِقُ بِهِ الْاٰیَاتُ وَالْاَخْبَارُ اَنَّ الْمَوْتَ مَعْنَاهُ تَغَیُّرُ حَالٍ فَقَطْ وَاَنَّ الرُّوْحَ بَاقِیَةٌ بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْجَسَدِ (وبعد سطرین) وَالرُّوْحُ تَعْلَمُ الْاَشْیَاءَ بِنَفْسِهَا مِنْ غَیْرِ اٰلَةٍ وَلِذَالِکَ قَدْ یَتَاَلَّمُ بِنَفْسِهٖ بِاَنْوَاعِ الْحُزْنِ وَالْغَمِّ وَالْکَمْدِ وَیَتَنَعَّمُ بِاَنْوَاعِ الْفَرْحِ وَالسُّرُوْرِ وَکُلُّ ذَالِکَ لَا یَتَعَلَّقُ بِالْاَعْضَاءِ فَکُلُّ مَاهُوَ وَصْفٌ لِلرُّوْحِ بِنَفْسِهَا فَیَبْقٰی مَعَهَا بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْجَسَدِ، وَمَاهُوَ لَهَا بِوَاسِطَةِ الْاَعْضَاءِ فَیَتَعَطَّلُ بِمَوْتِ الْجَسَدِ اِلٰی اَنْ تُعَادَ الرُّوْحُ اِلَی الْجَسَدِ وَلَا یَبْعُدُ اَنْ تُعَادَ الرُّوْحُ اِلَی الْجَسَدِ فِی الْقَبْرِ۔ (احیاء علوم الدین ج ۷، ص ۲۱۹)

ترجمہ: قابل اعتبار دلائل، ایات قرآنیہ اور اخبار و احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ موت کا معنی صرف انسان کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے۔ جسم سے روح کے جدا ہونے کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے۔

اور روح بغیر واسطہ کے خود چیزوں کو جان سکتی ہے۔ اسی وجہ سے کبھی روح مختلف قسم کے حزن وغم واندوہ سے بلاواسطہ، از خود متاثر ہوتی ہے اور مختلف قسم کی خوشی اور سرور سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور ان تمام چیزوں کا تعلق اعضاء سے نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ روح کے جو اوصاف ہیں، روح کے ساتھ ہوتے ہیں وہ جسم سے روح کے جدا ہونے کے بعد بھی روح کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔ ہاں وہ صفت جو روح سے اعضاء کے واسطے سے صادر ہوتی ہے وہ جسم کی موت کے بعد معطل وبے کار ہو جاتی ہے۔ مگر جب روح کو جسم میں لوٹا دیا جائے تو وہ صفت معطل نہیں ہوتی اور یہ بات شرعی طور پر کچھ بعید بھی نہیں کہ قبر میں روح کو جسم میں دوبارہ لوٹا دیا جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اب ذرا اولیاء کرام کی قبر کی زندگی سے متعلق کچھ احوال، کتب احادیث وآثار واقوال اسلاف کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عمر فاروق ﷺ کا جسم ان کی قبر میں صحیح سالم دیکھا گیا

حدیث: بخاری کی یہ حدیث پڑھئے: عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ لَمَّا سَقَطَ عَلَيْهِمُ الْحَائِطُ فِيْ زَمَانِ الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ اَخَذُوْا فِيْ بِنَاءِهٖ فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ ﷺ فَمَا وَجَدُوْا اَحَدًا يَعْلَمُ ذَالِكَ حَتّٰى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا، وَاللّٰهِ اَمَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ ﷺ، مَاهِيَ اِلَّاقَدَمَ عُمَرَ. (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث: ۱۳۹۰ شعب الایمان حدیث: ۴۱۷۲)

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے اپنے والد حضرت عروہ سے روایت کی کہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مسجد نبوی کی دیوار منہدم ہوگئی۔ لوگوں نے دوبارہ دیوار کی تعمیر شروع کی تو بنیاد کھودنے کے وقت ایک قدم ظاہر ہوا۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ گھبرا گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ نبی پاک ﷺ کا قدم مبارک ہے۔ وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا جو یہ جانتا کہ یہ قدم کس کا ہے؟ یہاں تک کہ حضرت عروہ نے آکر بتایا کہ واللہ! یہ قدم نبی پاک ﷺ کا نہیں، بلکہ حضرت عمر ﷺ کا قدم ہے۔

حضرت زید بن خارجہ انصاری ﷜ نے موت کے بعد کلام فرمایا

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں تحریر فرمایا ہے:

حدیث: زَیْدُ بْنُ خَارِجَةَ الْخَزْرَجِیُّ الْاَنْصَارِیُّ شَھِدَ بَدْرًا تُوُفِّیَ زَمَنَ عُثْمَانَ وَھُوَالَّذِیْ تَکَلَّمَ بَعْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: زید بن خارجہ خزرجی انصاری ﷜ جو بدر میں شریک تھے، ان کی وفات حضرت عثمان ﷜ کے زمانے میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی موت کے بعد بات چیت کی۔

امام ابن کثیر نے امام بیہقی کے حوالے سے لکھا:

وَقَدْ رُوِیَ فِیْ التَّکَلُّمِ بَعْدَ الْمَوْتِ عَنْ جَمَاعَةٍ بِاَسَانِیْدَ صَحِیْحَةٍ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ترجمہ: موت کے بعد بات کرنے کی روایت ایک جماعت کے بارے میں مروی ہے، صحیح سندوں کے ساتھ۔ (دلائل النبوۃ ص ۲۵۳، برکات رضا پور بندر گجرات)

فائدہ: دلائل مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مومنینِ صالحین (اولیاء کاملین) کی موت کے بعد کی زندگی عام بندوں کی زندگی کی طرح نہیں۔ اولیاء کاملین بعد موت بھی روحانی طور پر تصرف اور مدد کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

اللہ کے ولی سے غائبانہ طور پر مدد مانگنا شرک و بدعت نہیں

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابراہیم ﷺ، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل ﷺ کے تعلق سے ایک طویل حدیث درج کی ہے۔ حدیث مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

حضرت ابراہیم ﷺ جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکہ کی غیر آباد وادی میں رکھ کر واپس آئے تو چند دنوں میں حضرت ہاجرہ کا توشہ پانی ختم ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ بھوک اور پیاس سے بے تاب ہو گئیں اور اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل ﷺ کی بھوک و پیاس کی وجہ سے بے چین

ہو گئیں تو پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا سات چکر دوڑیں۔ بار بار ادھر ادھر نگاہ دوڑاتیں کہ کوئی اللہ کا بندہ نظر آجائے جو اس پریشانی میں ان کی مدد کرے۔ کہیں کوئی نظر نہ آیا۔ اچانک غیب سے ایک نامعلوم آواز آئی۔ پہلے تو انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، لیکن بار بار جب آواز آئی تو بولیں:

اَغِثْ اِنْ کَانَ عِنْدَکَ خَیْرٌ . میری مدد کرو، اگر تمہارے پاس مدد کے لئے کوئی خیر ہے۔

پھر اچانک دیکھا کہ حضرت جبرئیل ہیں۔ انہوں نے اپنی ایڑی زمین پہ مار کر زمزم کی صورت میں پانی کا چشمہ جاری کیا۔ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث: ۳۳۵۶)

فائدہ: حدیث مذکورہ سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ہاجرہ نے جس غائب سے مدد طلب کی تھی اُسے اللہ کا صاحب خیر بندہ سمجھا۔ کیوں کہ اسے اگر اللہ سمجھتیں تو اِنْ کَانَ عِنْدَکَ خَیْرٌ ۔(اگر تیرے پاس خیر ہے؟) نہ کہتیں۔ کیوں کہ اللہ کے پاس خیر ہونے میں کیا شک ہے؟ پھر بخاری ہی میں حدیث: ۳۳۶۴ میں ہے: اِنْ کَانَ عِنْکَ غَوَاثٌ اگر تیرے پاس مدد ہے تو میری مدد کر۔ اللہ کے پاس مدد ہونے میں کیا شبہ ہے؟ بہر حال حضرت ہاجرہ نے جس غائب سے مدد مانگی اسے اللہ کا مقرب بندہ سمجھیں، اللہ نہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اللہ کے صالح بندوں سے غائبانہ طور پر مدد طلب کرنا شرک نہیں۔ اگر یہ شرک ہوتا حضرت امام بخاری اسے اپنی کتاب بخاری شریف میں درج نہ فرماتے اس سے پتہ چلا کہ غائب سے مدد طلب کرنا مطلقاً شرک نہیں۔ یہ امام بخاری کا بھی عقیدہ تھا۔

آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت

صحیح مسلم شریف میں ہے:

حدیث: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ فَمَا يُؤْتٰى بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهِ وَرُبَّمَا جَاءَ فِي الْغَدَاةِ

الْبَارِدَةِ فَيَغْمَسُ يَدَهُ فِيهَا. (صحيح مسلم باب قربه ﷺ من الناس وتبركهم به حديث: ۶۰۴۲)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب فجر کی نماز ادا کر کے فارغ ہوتے تھے تو مدینہ کے خدام برتنوں میں پانی لے کر حاضر رہتے تھے۔ آپ کے سامنے ایک ایک برتن لایا جاتا تھا اور آپ اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے تھے۔ کبھی کبھی سردی کے موسم میں صبح کے وقت آپ کے پاس برتن آتا تھا تو بھی آپ اس میں اپنا مبارک ہاتھ ڈبوتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث کی شرح میں امام نووی متوفی ۶۷۶ھ نے تحریر فرمایا:

وَفِيهِ التَّبَرُّكُ بِآثَارِ الصَّالِحِينَ وَبَيَانُ مَا كَانَتْ الصَّحَابَةُ عَلَيْهِ مِنَ التَّبَرُّكِ بِآثَارِهِ ﷺ وَتَبَرُّكِهِمْ بِشَعْرِهِ الْكَرِيمِ وَإِكْرَامِهِمْ إِيَّاهُ أَنْ يَقَعَ شَيْءٌ مِنْهُ إِلَّا فِي يَدِ رَجُلٍ سَبَقَ إِلَيْهِ .

ترجمہ: اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ اور اس بات کا بھی واضح بیان ہے کہ صحابۂ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کے آثار مبارکہ سے اور آپ کے موئے مبارک سے برکت حاصل کرتے تھے اور اس کی اتنی زیادہ تعظیم کرتے تھے کہ ہر شخص اسے اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ تا کہ کوئی بال نیچے نہ گر جائے۔

مسلم شریف میں ہے:

حدیث: عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِي يَدِ رَجُلٍ . (صحيح مسلم حديث: ۶۰۴۳)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کا سر مونڈتا تھا اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اردگرد گھومتے رہتے تھے، اس ارادے سے کہ آپ کا کوئی موئے مبارک زمین پر نہ گرے بلکہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ پہ گرے۔

امام مسلم نے مسلم شریف میں ایک عنوان یہ قائم فرمایا ہے کہ: نومولود کو کسی نیک آدمی کے پاس لے جانا اور حصول برکت کیلئے نیک آدمی کی چبائی ہوئی کھجور یا کوئی میٹھی چیز نومولود کے تالو میں ملنا

مستحب ہے۔

اس کے تحت چند احادیث ذکر کی ہیں،ان میں سے ایک حدیث ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

حدیث: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ. (صحیح مسلم حدیث:۵۶۱۹)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا۔آپ ان کے حق میں برکت کی دعا فرماتے اور کھجور یا کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کا عرق بچوں کے منہ میں ڈالتے تھے۔

شارح مسلم امام نووی نے حدیث باب کے فوائد میں یہ لکھا:

وَمِنْهَا اَنْ يُحَنِّكَهُ صَالِحٌ مِنْ رَجُلٍ اَوِ امْرَاَةٍ وَمِنْهَا التَّبَرُّكُ بِاٰثَارِ الصَّالِحِيْنَ وَرِيْقِهِمْ وَكُلِّ شَيْءٍ مِنْهُمْ.

ترجمہ: حدیث مذکور سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی نیک مرد یا عورت کی چبائی ہوئی کھجور بچے کے منہ میں رکھنا مستحب ہے اور نیک لوگوں کے آثار اور ان کے لعاب وغیرہ سے برکت حاصل کرنا بھی مستحب ہے۔

متبرک مقامات میں دعا کرنا مستحب ہے

شارح صحیح مسلم امام نووی نے اپنی کتاب ''اَلْاَذْكَار'' میں ایک عنوان قائم کیا ہے کہ''اہل فضل سے دعا کروانا اور مقامات شریفہ میں دعا کرنا اور کروانا مستحب ہے''اس کے تحت انہوں نے یہ حدیث درج فرمائی ہے۔

حدیث: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ قَالَ: اِسْتَاْذَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ لِيْ وَقَالَ: لَا تَنْسَنَا اُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ. فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّ اَنَّ لِيْ بِهَا الدُّنْيَا.

(الاذکار ص ۴۰۰، بحوالہ ترمذی و ابو داؤد، حدیث:۱۴۹۸ بسند حسن صحیح)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی پاک

ﷺ سے عمرہ میں جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے مجھے اجازت دی اور فرمایا: میرے بھائی اپنی دعا میں مجھے نہ بھولنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور کی اس بات سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اس کی جگہ پوری دنیا مل جائے تو اتنی خوشی نہیں ہوگی۔

فائدہ: اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مقامات متبرکہ میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے کیوں کہ حضرت عمر، عمرہ کے لئے جا رہے تھے اور مقامات متبرکہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے والے تھے، اس لئے حضور نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی دعا میں مجھے بھی یاد رکھنا اس سے ایک دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بڑا اپنے چھوٹے سے بھی دعا کروا سکتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے تحریر فرمایا: وَزِيَارَةُ قُبُوْرِ الصَّالِحِيْنَ مُسْتَحَبَّةٌ لِاَجْلِ التَّبَرُّكِ مَعَ الْاِعْتِبَارِ. (احیاء علوم الدین جلد ۷ ص ۲۱۹۳)

ترجمہ: صالحین کی قبور کی زیارت حصول برکت ونصیحت کے لئے مستحب ہے۔

صالحین کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا اور دعا کرنا

امام غزالی نے نقل فرمایا:

عَنْ جَعْفَرَبْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تَزُوْرُ قَبْرَ عَمِّهَا حَمْزَةَ فِيْ الْاَيَّامِ فَتُصَلِّيْ وَتَبْكِيْ عِنْدَهُ. (احیاء علوم الدین جلد ۷ ص ۲۱۹۴)

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی کہ نبی پاک ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مختلف دنوں میں اپنے چچا حمزہ کی قبر کی زیارت کو جاتی تھیں اور وہاں نماز پڑھتی تھیں اور رو رو کر دعائیں کرتی تھیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قیام بغداد کے زمانے کا اپنا یہ عمل ذکر کیا:

اِنِّيْ لَاَتَبَرَّكُ بِاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَجِيْءُ اِلٰى قَبْرِهٖ فَاِذَا عَرَضَتْ لِيْ حَاجَةٌ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَجِئْتُ اِلٰى قَبْرِهٖ وَسَاَلْتُ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَتُقْضٰى سَرِيْعًا.

(الخيرات الحسان ص ۱۲۹، اتحاد بكڈپو ديوبند، اخبار ابی حنيفة وصاحبه ص ۸۹، جامع المسانيد ۱/۱۲۰، تاريخ بغداد للخطيب ۱/۱۲۳)

ترجمہ: میں (امام شافعی) ابوحنیفہ کی قبر پر آتا ہوں اور ان سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعت پڑھتا ہوں پھر ابوحنیفہ کی قبر پہ آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری ہوجاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے نقل فرمایا:

صَلّٰی الشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ الصُّبْحَ قَرِیْبًامِنْ مَقْبَرَةِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَلَمْ یَقْنُتْ تَاَدُّبًا مَعَهُ. (الخيرات الحسان ص ۱۳۰، حجة الله البالغة ۱/۱۵۹)

ترجمہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے قریب فجر کی نماز ادا کی تو امام ابوحنیفہ کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے قنوت نازلہ نہیں پڑھی۔ (حالانکہ امام شافعی کے نزدیک فجر کی نماز میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنی مسنون ہے)۔

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ صالحین کی قبروں کی زیارت کرنا اور ان کے قریب نماز پڑھنا اور ان کی قبر پر جا کر ان کے وسیلے سے اللہ سے اپنی حاجتوں کے لئے دعائیں کرنا شرک و بدعت نہیں، بلکہ یہ اہل سنت و جماعت کے اسلاف کا طریقہ ہے۔ البتہ وہاں خلاف شرع کام کرنا سخت ناجائز اور صاحب قبر کے فیوض سے محرومی اور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے جو صالحین کی قبروں کی زیارت اور وہاں سے حصول برکت کو شرک و بدعت اور قبر پرستی کہتے ہیں۔ نیز ایسے لوگوں کے عمل کی اصلاح فرمائے جو بزرگوں کے مزارات پر خلاف شرع امور کا ارتکاب کر کے خود گناہ گار ہوتے ہیں اور اہل سنت کو بدنام کرنے کا غیروں کو موقع فراہم کرتے ہیں۔

وہابیوں کے امام مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب سے وسیلہ اولیاء کا ثبوت

دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھا:

''طالب کو چاہئے کہ پہلے باوضو دوزانو بطور نماز بیٹھ کر اس طریقہ (چشتیہ) کے بزرگوں، یعنی حضرت معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی وغیرہ حضرات کے نام کا ''فاتحہ'' پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور ''وسیلہ'' سے التجا کرے اور نیاز بے انداز اور زاری بے شماری کے ساتھ اپنے کام کے فتحیاب کے لئے دعا کر کے ذکر دوضربی شروع کرے''۔ (صراط مستقیم ص ۲۱۵ مکتبہ تھانوی دیوبند طبع ۱۹۹۸ء)

وہابی گروہ کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی کی مذکورہ بالا عبارت کے مطابق اولیاء اللہ کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرنا جائز ہے لیکن وہابیت کے بانی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے تو یہاں تک لکھ دیا:

''اولیاء اور صالحین سے فریاد کرنا اور ان کا وسیلہ پکڑنا شرک ہے''۔

(اسلام کے بنیادی اصول ص ۶۵ مترجم مطبع ادارۂ طباعت واشاعت وترجمہ ریاست عامہ برائے علمی تحقیقات وافتاء ریاض سعودی عرب ۱۹۸۸ء)

وہابی عالم ڈاکٹر صالح بن فوزان پروفیسر المعہد العالی للقضاء ریاض، نے لکھا:

''کوئی کہنے والا یہ کہے'' میں فلاں کے واسطہ سے یا اس کے حق سے یا اس کی عظمت وشان کے واسطہ سے آپ (اللہ) سے سوال کرتا ہوں'' قطع نظر اس سے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جارہا ہو وہ زندہ ہے یا مردہ اس طرح سوال کرنا بدعت حرام اور شرک کے وسیلوں میں سے ایک وسیلہ ہے۔ (حقیقت توحید ص ۵۵،۵۶)

اب فیصلہ کیجئے کہ محمد عبدالوہاب نجدی اور وہابی عالم ڈاکٹر صالح فوزان ریاض کے مطابق امام الوہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کیا ہوئے؟

فرشتوں کا بیان

فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے

فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حدیث: خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزهد حدیث: ۷۴۹۵)

ترجمہ: فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جن آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سے اور آدم اس چیز سے پیدا کیے گئے جس کو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے۔ (یعنی مٹی سے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ۔ (البقرہ: ۲۵۸)

ترجمہ: ایمان لائے رسول، اس پر جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا (یعنی قرآن) اور ایمان والے بھی، ہر ایک ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر۔

حضرت ابن عمر ﷛ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

حدیث: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

(بخاری ومسلم کتاب الایمان، والبیهقی فی شعب الایمان، الترغیب و الترهیب ۲/۱۲۵)

ترجمہ: ایمان یہ ہے کہ تم مانو اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں اور رسولوں کو۔

فرشتے بہت ہیں، ان کی تعداد کا علم اللہ کو ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ (سورہ المدثر آیت ۳۱)

تیرے رب کے لشکروں (فرشتوں) کو تیرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فرشتے اللہ کے حکم کو بجالانے میں مصروف رہتے ہیں، وہ حکم الٰہی کے خلاف کچھ بھی نہیں کرتے۔ نہ قصداً، نہ سہواً، نہ خطأً۔ وہ اللہ کے معصوم بندے ہیں (سورۂ تحریم:٦) وہ مختلف قسم کی عبادتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ کچھ قیام، کچھ رکوع میں، کچھ سجدے میں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

حدیث: اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَامِنْهَا مَوْضَعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَعَلَيْهِ مَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ. (ترمذی کتاب الزھد ابن ماجہ کتاب الزھد)

ترجمہ: آسمان چرچرایا اور اس کا چرچرانا حق ہے۔ اس میں چار انگل جگہ ایسی نہیں جس میں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی نہ رکھے ہوئے ہو۔

حدیث شریف: حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَالِی السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ مَوْضَعُ قَدَمٍ وَّلَاشِبْرٍ وَلَا كَفٍّ اِلَّا وَفِيْهِ مَلَکٌ قَائِمٌ اَوْ مَلَکٌ سَاجِدٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوْا جَمِيْعًا، سُبْحَانَکَ مَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ اِلَّا اَنَّا لَمْ نُشْرِکْ بِکَ شَيْئًا. (تفسیر ابن کثیر ٢٩٥/٨، کنزالعمال حدیث:٢٩٨٢٥)

ترجمہ: ساتوں آسمانوں میں ایک قدم، ایک بالشت، ایک ہتھیلی کے برابر جگہ نہیں مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی حالت میں ہے یا سجدہ کی حالت میں ہے۔ پھر بھی جب قیامت کا دن آئے گا تو سب فرشتے عرض کریں گے۔ اے اللہ! پاک ہے تیری ذات۔ ہم نے تیری عبادت نہیں کی اس طرح، جس طرح تیری عبادت کرنے کا حق ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم نے کسی کو تیرا شریک نہیں ٹھہرایا۔

کچھ فرشتوں کو اللہ نے مختلف خدمتیں سپرد کی ہیں۔ جیسے انبیاء کے پاس وحی لانا، پانی برسانا، ہوا چلانا، روزی پہنچانا، رحم مادر میں بچہ کی صورت بنانا، دشمنوں سے انسان کی حفاظت کرنا، نامۂ اعمال لکھنا، حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں درود پہنچانا، بندوں کی روح قبض کرنا، صور پھونکنا، ان کے علاوہ اور بھی امور ہیں جن کی انجام دہی کی ذمہ داری مختلف فرشتوں کو دی گئی ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی ١٩/١، دار الفکر بیروت، الحبائک فی اخبار الملائک للسیوطی فرید بکڈپو دہلی)

چار مشہور فرشتے

﴿۱﴾ حضرت جبرائیل ﴿۲﴾ حضرت میکائیل ﴿۳﴾ حضرت اسرافیل ﴿۴﴾ حضرت عزرائیل (ملک الموت) علیہم السلام۔

یہ چاروں فرشتے سارے فرشتوں میں سب سے افضل ہیں ان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام ہواؤں اور دشمنوں سے حفاظت پر مامور ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام بارش برسانے اور سبزے اگانے پر مامور ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے پر مامور ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام، تینوں فرشتوں کو ان کے کام اور انتظامات کی اطلاع دیتے ہیں (الحبائک فی اخبار الملائک ص ۲۷، شعب الایمان ۱/۴۸ درّ منثور ۶/۳۱۱)۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام قرب قیامت صور پھونکیں گے۔

ھاروت وماروت کے تعلق سے ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ بات مشہور ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر ان کے اندر انسانوں کی طرح نفسانی خواہش پیدا کردی جائے تو بھی وہ انسانوں کی طرح گناہوں میں ملوث نہیں ہوں گے۔ اللہ نے ان میں نفسانی خواہش ڈال دی تو انہوں نے گناہ کیا اور کفر کے مرتکب ہوگئے۔ یہ بات قطعاً غلط ہے، کیوں کہ ملائکہ گناہوں سے معصوم ہیں۔

ہاروت وماروت کو جو اللہ کا عتاب ہوا تھا وہ سہو ولغزش کی بنیاد پر ہوا تھا۔ لیکن ان کی لغزش بھی عام انسانوں کی طرح گناہ نہیں بلکہ خلاف افضل ہے جیسا کہ انبیاء کا حال ہے۔ لیکن انبیاء وملائکہ کے اعلیٰ مقام ومرتبہ کی وجہ سے اللہ نے بعض مواقع پر ان سے خلاف افضل امور کے صدور پر بھی عتاب فرمایا ہے اور یہ ان کے کمال قرب خداوندی کی دلیل ہے۔ لہٰذا بغرض تنقیص

وتوہین اس عتاب کا ذکر کرنا نبی اور فرشتہ کی شان میں گستاخی ہے، جو کفر ہے۔

علامہ علی قاری نے تحریر فرمایا:

وَاَمَّا هَارُوْتُ مَارُوْتُ فَالْاَصَحُّ اَنَّهُمَا مَلَكَانِ لَمْ يَصْدُرْ عنهما كُفْرٌ وَلَا كَبِيْرَةٌ وَتعذيبهما انّما هو على وجه المعاتبة كما يعاتب الانبياء عليهم السلام على السهو والزلة.

ترجمہ: ہاروت وماروت کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ دونوں فرشتے ہیں، ان سے کفر یا کوئی گناہ کبیرہ صادر نہیں ہوا۔ اللہ کی طرف سے دونوں کو (ان کے شایانِ شان جو سزا ملی وہ بطور عتاب تھا۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام پر عتاب ہوا ان کے سہو ولغزش پر (جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے اور جو ان کے بلند مرتبہ کی دلیل ہے۔)

(شرح فقہ اکبر ص ۲۰۴)

انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں

جمہور اہل سنت کے نزدیک انبیاء کرام تمام فرشتوں سے افضل ہیں (شعب الایمان حدیث:۱۵۱)۔ اسی کو امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب الاربعین میں پسندیدہ مذہب قرار دیا ہے۔ اور باتفاق اہل سنت رسول اکرم ﷺ تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حدیث: مَامِنْ شَیْءٍ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنِ ابْنِ اٰدَمَ، قَالَ: قِیْلَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَا الْمَلَائِکَۃُ؟ قَالَ: اَلْمَلَائِکَۃُ مَجْبُوْرُوْنَ بِمَنْزِلَۃِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ. (شعب الایمان حدث:۱۵۳)

ترجمہ: کوئی بھی شئی ابن ادم (مومن) سے زیادہ باکرامت اللہ کے نزدیک نہیں۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ فرشتے بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: فرشتے، سورج اور چاند کی طرح اللہ کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ (انہیں اختیار نہیں دیا گیا)۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ حدیث مذکور کا راوی عبیداللہ بن تمام اپنی روایت میں متفرد ہے۔ امام بخاری نے فرمایا۔ اس کے پاس کچھ عجیب روایات بھی ہیں۔

لیکن حدیث مذکور کو اس کے علاوہ اور راویوں نے خالد الحذاء سے روایت کی ہے۔ اور اسے عبداللہ ابن عمرو پر موقوف قرار دیا ہے۔ اور صحیح کہا ہے۔ (شعب الایمان ۱/۱۳۸)

علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا:

اَلْمُخْتَارُ اَنَّ خَوَاصَّ بَنِیْ اٰدَمَ وَھُمُ الْاَنْبِیَاءُ اَفْضَلُ مِنْ کُلِّ الْمَلَائِکَۃِ وَعَوَامُّ بَنِیْ اٰدَمَ وَھُمُ الْاَتْقِیَاءُ اَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْمَلَائِکَۃِ وَالْمُرَادُ بِالْاَتْقِیَاءِ مَنِ اتَّقَی الشِّرْکَ فَقَطْ.

(در مختار مع ردالمحتار ۱/۵۲۸)

ترجمہ: پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ اولادِ آدم میں سے خواص یعنی انبیاء کرام علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور اولادِ آدم میں عام لوگ یعنی اتقیاء عام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور یہاں اتقیاء سے مراد وہ ہیں شرک سے بچنے والے ہوں۔

بعض علماء نے عام ملائکہ کو عام مومنین سے افضل قرار دیا ہے لیکن انبیاء کو تمام ملائکہ سے افضل نہیں کہا۔ اس مسئلے میں معتزلہ اور بعض اشاعرہ کا اختلاف ہے اور بعض نے اس مسئلے میں توقف کیا ہے۔ امام اعظم بھی توقف کرنے والوں میں سے ہیں۔ علامہ علی قاری نے اس مسئلے کے تعلق سے لکھا:

فَلْتَكُنِ الْمَسْئَلَةُ ظَنِّيَّةً لَا قَطْعِيَّةً وَهُوَ كَذَالِكَ بِلَا شُبْهَةٍ. (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۴)

ترجمہ: اس مسئلے کو ظنی ہونا چاہئے، قطعی نہیں اور یقیناً یہ ایسا ہی ہے۔

یعنی اس مسئلے میں اختلاف کی وجہ سے کسی کو گمراہ یا کافر نہیں کہا جا سکتا۔

کسی فرشتے کو گالی دینا، اس کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ حضرت ابوالحسن قابی فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی کو دیکھ کر کہے کہ اس کا چہرہ مالک (جہنم کے داروغہ) کی طرح غصہ والا ہے۔ اگر اس نے فرشتے کی مذمت کے ارادے سے یہ کہا تو وہ واجب القتل ہے۔

(الحبائک فی اخبار الملائک للسیوطی: ۳۱۵)

بعض جاہل لوگ کسی دشمن کو دیکھ کر یا کسی ناپسندیدہ آدمی کو دیکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ "ملک الموت آ گیا۔ یا عزرائیل آ گیا۔ یہ بات کفر کے قریب ہے" کہنے والے پر توبہ واجب ہے۔

فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

معراج النبی ﷺ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو رات کے تھوڑے حصے میں عالم بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک اور وہاں سے ساتوں آسمان اور عرش وکرسی اور جہاں تک چاہا، سیر کرائی۔ وہاں آپ کو رب تبارک وتعالیٰ سے وہ قرب خاص حاصل ہوا جو کسی نبی یا فرشتہ کو کبھی حاصل نہ ہوا۔ جمال الٰہی کا آپ ﷺ نے آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔ اللہ کا کلام بلا واسطہ سنا۔

امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے تحریر فرمایا:

وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ وَقَدْ أُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ ﷺ وَعُرِجَ بِشَخْصِهٖ فِی الْیَقْظَةِ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ اِلٰی حَیْثُ شَاءَ مِنَ الْعُلَا وَاَکْرَمَهُ اللّٰهُ بِمَا شَاءَ وَاَوْحٰی اِلَیْهِ مَا اَوْحٰی مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی. (العقیدہ الطحاویۃ مع شرحہ لابن ابی العزص: ۱۶۰)

ترجمہ: معراج حق ہے۔ نبی ﷺ کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا گیا اور حالت بیداری میں جسم کے ساتھ آپ کو آسمان تک لے جایا گیا، پھر وہاں سے جتنی بلندی تک اللہ نے چاہا سیر کرائی اور اللہ نے جو چاہا آپ کو کرامت بخشی اور جو چاہا وحی کی۔ آنکھوں نے جو دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی۔

شارح بخاری امام قسطلانی نے لکھا:

وَقَرَأَ الْجُمْهُوْرُ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ بِالتَّخْفِیْفِ وَهُوَ مُتَعَدٍّ وَمَا رَاٰی مَفْعُوْلُهٗ اَیْ مَا کَذَبَ قَلْبُهٗ مَا رَاَتْ عَیْنَاهُ بَلْ وَاطَأَهٗ وَوَافَقَهٗ. (المواهب اللدنیه ۸/۲۱۱)

ترجمہ: جمہور نے "مَا کَذَبَ" ذال کی تشدید کے بغیر پڑھا ہے۔ کذب کا مفعول مارأی ہے۔ معنی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آنکھوں نے جو دیکھا دل نے اسے غلط نہیں کہا بلکہ اس کی

موافقت کی مطلب یہ ہے کہ نہ نگاہ ادھر ادھر بہکی اور نہ ہی توجہ الی اللہ سے دل ایک لمحہ کے لئے ہٹا۔

سفر معراج کے تین مرحلے تھے۔ پہلا مرحلہ، مسجد حرام سے بیت المقدس تک۔ اسے اسراء کہتے ہیں۔ یہ قرآن پاک سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ اس کے ثبوت میں قرآن پاک میں سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آیت: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۭ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

ترجمہ: پاک ہے (ہر عیب سے) وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے تھوڑے حصے میں۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے اردگرد کو ہم نے برکت والا بنایا، تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں۔ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا۔

معراج کا دوسرا مرحلہ ہے، بیت المقدس سے آسمان تک۔ اس کا ثبوت احادیث مشہورہ سے ہے، اس کا انکار کرنا گمراہی ہے۔ تیسرا مرحلہ، آسمان سے جنت، عرش وغیرہ تک۔ اس کا ثبوت اخبار آحاد و احادیث صحیحہ جو معناً حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں، سے ہے۔ ان کا انکار بھی گمراہی ہے۔

ذیل میں ہم سفر معراج کے متعلق صرف اس طویل حدیث کو ذکر کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے:

حدیث: حضرت انس ابن مالک ﷛ نے حضرت مالک ابن صعصعہ ﷛ سے روایت کی کہ اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں اس رات کے بارے میں خبر دی جس میں آپ کو معراج ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں حطیم، یا فرمایا، حجر میں لیٹا ہوا تھا (حطیم کعبہ اور حجر ایک ہی چیز ہے) میرے پاس ایک آنے والا (فرشتہ) آیا۔ اس نے میرے جسم کے اس حصے سے اس حصے تک یعنی گلے کی گھنڈی سے ناف تک (پورے پیٹ کو) چیرا اور میرے دل کو نکالا۔ پھر ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت میرے پاس لایا گیا اور میرے دل کو دھو کر اس میں دوبارہ رکھ دیا

گیا۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر میرے پیٹ (دل) کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور اس میں ایمان وحکمت کو انڈیل دیا گیا۔ پھر سفید رنگ کا ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ اسے ''براق'' کہا جاتا ہے۔اس کا ہر قدم حدنگاہ پر پڑتا تھا۔اس پر مجھے سوار کیا گیا۔ پھر مجھے جبرئیل اپنے ساتھ لے کر چلے، یہاں تک کہ آسمان دنیا میں پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جبرئیل نے فرمایا میں جبرئیل ہوں، پوچھا گیا، آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ہاں! کہا گیا: ان کا آنا مبارک ہو۔خوب آئے۔ دروازہ کھولا گیا۔ جب میں اندر پہنچا تو دیکھا کہ وہاں آدم علیہ السلام موجود ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں۔انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا! مرحبا اے فرزند صالح، نبی صالح! پھر مجھے ساتھ لے کر جبرئیل علیہ السلام اوپر چڑھے اور دوسرے آسمان میں پہنچے۔ دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، میں جبرئیل علیہ السلام ہوں۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں! کہا گیا: مرحبا، ان کا آنا مبارک۔ دروازہ کھولا گیا: میں اندر داخل ہوا۔ دیکھا تو (حضرت) یحییٰ وعیسیٰ (علیہما السلام) دونوں خالہ زاد بھائی موجود ہیں۔ جبرئیل (علیہ السلام) نے کہا: یہ یحییٰ اور یہ عیسیٰ (علیہما السلام) ہیں دونوں کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔دونوں نے جواب دیا اور فرمایا: مرحبا اے برادر صالح، نبی صالح! پھر جبرئیل مجھے تیسرے آسمان میں لے گئے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبرئیل علیہ السلام۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے! کہا: محمد ﷺ کہا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا: ہاں! کہا گیا: مرحبا! ان کا آنا مبارک ہو۔ پھر دروازہ کھولا گیا۔ جب میں اندر گیا تو دیکھا کہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔انہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔انہوں نے سلام کا جواب دیا ۔ پھر فرمایا: مرحبا اے برادر صالح، نبی صالح! پھر جبرئیل میرے ساتھ اوپر چڑھے۔ چوتھے آسمان میں آئے۔ دروازہ کھولنے کو کہا تو کہا گیا: کون ہے؟ کہا جبرائیل علیہ السلام۔ کہا گیا: آپ

کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد ﷺ ہیں کہا گیا: انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! کہا گیا: مرحبا! آپ کا آنا مبارک۔ دروازہ کھولا گیا اور میں اندر داخل ہوا۔ دیکھا تو ادریس علیہ السلام ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ انہیں سلام کیجئے، میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا: مرحبا اے برادر صالح، نبی صالح! پھر مجھے جبرئیل پانچویں آسمان میں لے گئے۔ دروازہ کھلوایا۔ کہا گیا کون ہے؟ کہا: جبرئیل علیہ السلام۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد ﷺ کہا گیا: انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! کہا گیا: مرحبا خوش آمدید! پھر دروازہ کھولا گیا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو دیکھا ہارون علیہ السلام ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا۔ پھر فرمایا: مرحبا اے برادر صالح و نبی صالح! پھر جبرئیل مجھے اوپر لے گئے۔ چھٹے آسمان میں پہنچے۔ دروازہ کھلوایا تو کہا گیا: کون؟ کہا: جبرئیل۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد ﷺ کہا گیا: کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ کہا ہاں! کہا گیا: مرحبا ان کی آمد مبارک! دروازہ کھولا گیا، میں اندر گیا۔ دیکھا وہاں موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ پھر فرمایا: مرحبا اے برادر صالح و نبی صالح! جب میں وہاں سے گزرنے لگا تو وہ رونے لگے۔ پوچھا گیا آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میرے بعد جو یہ جوان (حضور ﷺ) نبی بن کر آئے، ان کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔ پھر مجھے ساتویں آسمان میں لے جایا گیا۔ جبرئیل نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا: جبرئیل۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد ﷺ۔ کہا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! کہا گیا: مرحبا خوش آمدید! دروازہ کھولا گیا۔ جب میں اندر گیا تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے باپ ابراہیم ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا: مرحبا اے فرزند صالح و نبی صالح! پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ پہ لے جایا گیا۔ دیکھا کہ اس کے بیر (پھل) ہجر (یمن کا ایک شہر) کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں چار

نہریں تھیں۔ دو نیچے اور دو اوپر۔ میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ دونوں باطنی نہریں جنت کی ہیں اور دو ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔ پھر میرے سامنے بیت المعمور (فرشتوں کا قبلہ) آیا پھر ایک پیالہ شراب کا، ایک دودھ کا اور ایک شہد کا پیش کیا گیا۔ میں نے دودھ کا پیالہ لیا۔ جبرئیل نے کہا یہ فطرت (کے مطابق) ہے، جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔ پھر رات و دن میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔

میں واپس لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا: آپ کو کیا حکم ملا؟ میں نے کہا ہر دن پچاس وقت کی نمازوں کا حکم ملا۔ فرمایا آپ کی امت ہر دن پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ واللہ میں نے آپ سے پہلے، لوگوں کا تجربہ کر کے دیکھا ہے اور بنی اسرائیل کو تو خوب آزمایا ہے۔ اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنی امت کے لئے کچھ کم کروائیے۔ میں واپس آیا تو اللہ نے دس وقت کی نمازیں کم کر دیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس لوٹا تو موسیٰ علیہ السلام نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ میں اپنے رب کی بارگاہ میں واپس لوٹا تو دس اور کم کر دیں۔ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا تو انہوں نے پھر وہی فرمایا: پھر میں اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچا تو دس اور کم کر دیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر واپس ہونے کو کہا۔ میں اللہ تعالیٰ کے پاس واپس آیا، اللہ نے دس اور کم کر دیں اور مجھے دس وقت کی نماز کا حکم دیا۔ میں موسیٰ کے پاس واپس لوٹا تو انہوں نے پھر واپس ہونے کو کہا۔ میں پھر اللہ کی بارگاہ میں آیا تو پچاس نمازوں کی جگہ پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: کتنے وقت کی نماز کا حکم ملا؟ میں نے کہا ہر دن پانچ نمازوں کا۔ انہوں نے فرمایا: آپ کی امت پانچ نمازوں کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ میں نے آپ سے، پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کو خوب آزمایا ہے۔ آپ اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنی امت کیلئے اور کم کروائیے۔ میں نے کہا کہ میں نے اپنے رب سے بار بار سوال کیا، اب مجھے حیا آتی ہے۔ میں راضی ہوں اور رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں گزرا تو پکارنے والے نے پکارا۔ میں نے اپنا فرض لازم کر دیا اور بندوں کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ (مشکوٰۃ متفق علیہ)۔

معراج حالت بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی

جمہور صحابہ، محدثین و متکلمین و فقہاء کا یہی موقف ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو معراج جسم اور روح کے ساتھ ہوئی۔

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ (الاسراء: ۶۰) قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهِ. (صحيح بخارى كتاب التفسير ۲/۶۸۶)

ترجمہ: اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھایا، اس کو صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا۔

اس آیت کریمہ میں الرؤیا کا معنیٰ آنکھ سے دیکھنا ہے۔ یعنی شب اسراء، اللہ نے آپ کو جو منظر دکھایا (وہ مراد ہے)۔

مفسر قرآن ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

والصواب من القول فی ذَالِکَ عِنْدَنَا اَنْ يقال ان الله اسرٰی بِعَبْدِهٖ محمد ﷺ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ كما اخبر الله عباده و كما تظاهرت به الاخبار عن رسول الله ﷺ ان الله حَمَلَهُ على البراق حين اتاه به وصلى هنالك بمن صلى من الانبياء والرسل فاراه ماأراه من الأيات ولا معنى لقول من قال اُسْرِيَ بروحه دون جسده. (جامع البيان ج ۹ ص ۲۱ دارالفكر بيروت)

ترجمہ: اور اس سلسلے میں صحیح بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی، جیسا کہ اللہ نے اپنے بندوں کو خبر دی اور جیسا کہ اس پر رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں دلیل ہیں کہ اللہ نے آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا جب کہ آپ کو مسجد اقصیٰ لے آیا اور وہاں آپ ﷺ نے انبیاء اور رسولوں کو نماز پڑھائی پھر اللہ نے آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں اور جس شخص نے کہا کہ آپ ﷺ کو روح کے ساتھ بغیر جسم کے سیر کرائی گئی اس کی بات بے معنیٰ ہے۔

مفسر قرآن امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے تحریر فرمایا:

والاکثرون علی انہ اُسرِیَ بِجَسَدِہٖ فِیْ الیقظۃِ وتواتَرَتِ الاَخبَارُ الصحیحۃ علی ذالک .(معالم التنزیل فی ھامش الخازن ج ۳ ص ۱۲۸، دارالفکر بیروت)

ترجمہ اکثر اسلاف امت کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حالت بیداری میں جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔اس پر اخبار صحیحہ متواترہ موجود ہیں۔

مفسر قرآن امام خازن متوفی ۷۲۵ھ نے تحریر فرمایا:

والحق الَّذِیْ عَلَیْہِ اَکْثَرُ النَّاسِ وَمُعْظَمُ السَّلَفِ وَعَامَّۃُ الْخَلَفِ مِنَ الْمُتَاخِّرِیْنَ مِنَ الْفُقَھَاءِ والمحدثین والمتکلمین انّہ اُسْرِیَ بِرُوْحِہٖ وَجَسَدِہٖ ﷺ وَیَدُلُّ عَلَیْہِ قَوْلُہٗ سُبْحَانَہٗ وتعالی "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا" وَلَفْظُ الْعَبْدِ عِبَارَۃٌ عَنْ مَجْمُوْعِ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ وَالْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَۃُ الَّتِیْ تَقَدَّمَتْ عَلٰی صِحَّۃِ ھٰذَا الْقَوْلِ لِمَنْ طَالعھما وبحث عنھا.(لباب التاویل فی معانی التنزیل مع تفسیر البغوی ج ۳ ص ۱۳۵)

ترجمہ: برحق موقف جس پر اکثر لوگ اور جمہور سلف وخلف، متاخرین فقہاء، محدثین اور متکلمین ہیں وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو روح اور جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔اس پر دلیل خود ارشادِ باری سبحانہ وتعالیٰ ہے:

"سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا"

لفظ عَبْد سے روح اور جسم کا مجموعہ مراد ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ جو پہلے ذکر ہوئیں وہ بھی اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہیں اس کے لئے، جس نے احادیث کا مطالعہ کیا ہے اور ان میں غور وخوض کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۴ھ نے تو معراج جسمانی کے مخالف قول کو ضعیف بلکہ باطل قرار دیا ہے:

وَقَالَ الْاَقَلُّوْنَ : ھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ قِصَّۃَ الْاَسْرَاءِ اِنَّمَا حَصَلَتْ فِیْ الْمَنَامِ ، وَھٰذَا الْقَوْلُ ضَعِیْفٌ بَاطِلٌ عَلٰی مَا قَرَّرْنَاہُ فِیْ اَوَّلِ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ.(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۹۹، دارالفکر بیروت)

ترجمہ: تھوڑے لوگوں نے کہا کہ یہ (وما جعلنا الرویا التی اریناک) دلیل ہے کہ

واقعہ "اسراء خواب" میں پیش آیا۔ یہ قول ضعیف باطل ہے۔ جیسا کہ میں نے اس سورہ کی ابتداء میں اس کو ثابت کیا ہے۔

مفسر قرآن علامہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ نے معراج جسمانی کے ثبوت پر دلائل پیش کرنے کے بعد مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی دئے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

ذَهَبَ معظَمُ السَّلَفِ وَالْمُسْلِمِيْنَ اِلٰی اَنَّهٗ كَانَ اِسْرَاءً بالجسد وفي اليقظةِ وَاَنَّهٗ رَكِبَ الْبُرَاقَ بِمَكَّةَ وَوَصَلَ اِلٰی بَيْتِ الْمَقْدِسِ وصلى فيه ثم اسرى بجسده وعلى هٰذا تدلُّ الاخبارُ الَّتِیْ اشرنا اليها والأية وليس في الاسراء بجسده وحالِ يَقْظَتِهٖ استحالة ولا يُعْدَلُ عَنِ الظّاهر والحقيقة الى التاويل الاعند الاستحالة.

(تفسير القرطبي ج ۱۰ ص ۱۳۷ زکریا بکڈپو سہارنپور)

ترجمہ: جمہور سلف اور مسلمانوں کا موقف یہ ہے کہ معراج جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ مکہ میں براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لے گئے، وہاں نماز ادا فرمائی پھر جسم کے ساتھ رات ہی کو سیر فرمائی۔ اس پر وہ احادیث وآثار اور قرآنی آیت بھی دلیل ہیں جن کی طرف میں نے اشارہ کیا۔ حالت بیداری میں جسم کے ساتھ معراج ماننے میں کوئی استحالہ نہیں اور نصوص کو ان کے ظاہر معنی سے اس وقت پھیرا جائے گا جب کہ حقیقی معنی مراد لینا محال ہو۔

علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے واقعہ معراج کی تفصیلات سے متعلق مختلف احادیث وآثار کو یکجا کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ معراج جسمانی تھی، حق یہی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

والحق انه ﷺ اُسْرِیَ بِهٖ يَقْظَةً لَا مَنَامًا فَالْاَكْثَرُوْنَ مِنَ العلماء على انه اُسْرِیَ ببدنه وروحه يقظةً لامَنَامًا. (تفسير ابن كثير ج ۳ ص ۱۱۳، ۱۱۴، مکتبہ زکریا بکڈپو، دیوبند)

مفسر قرآن علامہ حسن بن محمد نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ نے معراج جسمانی کے ثبوت پر دلائل ذکر کئے ہیں اور مخالفین کے دلائل کے جوابات بھی دیئے ہیں اور جمہور سلف وخلف کے موقف کے مطابق اپنا موقف ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

واعلم ان الاكثرين من علماء الاسلام اتفقوا على انه اسرى بجسد رسول الله

ﷺ. (تفسیر غرائب القرآن، مکتبہ دار الباز، مکۃ المکرمہ ۴/۳۲۳)

ترجمہ: جان لو! کہ اکثر علماء اسلام کا اتفاق ہے اس بات پر کہ رسول اللہ ﷺ کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ مظہری متوفی ۱۲۲۵ھ نے معراج جسمانی کے ثبوت پر دلائل ذکر کرنے کے بعد یہ تحریر فرمایا کہ اس پر احادیث وا ثار متواتر ہیں اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

والاکثرون علی ان اللہ تعالی اُسرِیَ بعبدہ محمد ﷺ لیلۃ المعراج بجسدہٖ فی الیقظۃِ وتواترت الاخبارُ الصحیحۃ بذالک وعلیہ انعقد الاجماعُ.

(تفسیر المظھری ج ۵، ۲۵۱، مکتبہ زکریا سہارنپور)

ترجمہ: اکثر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندے محمد ﷺ کو شبِ معراج حالتِ بیداری میں جسم کے ساتھ سیر کرائی۔ اس پر صحیح اخبار متواتر ہیں اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

علامہ احمد صاوی متوفی ۱۲۴۱ھ نے تحریر فرمایا:

وقولہ بعبدہٖ ای بروحہ وجسمہ علی الصحیح خلافا لمن قال: ان الاسراء بالروح فقط ونقل عن عائشۃ وھو مردود لانھا کانت حدیثۃ السن اذ ذاک ولم تکن فی عصمتہ ﷺ. (حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج۳ ص ۳۰۱)

ترجمہ: اللہ کا ارشاد بعبدہ کا معنی یہ ہے کہ نبی ﷺ کو روح اور جسم کے ساتھ معراج ہوئی صحیح قول یہی ہے۔ برخلاف اس کے جس نے کہا ہے کہ معراج صرف روح کے ساتھ ہوئی اور حضرت عائشہ سے جو بات (روح کے ساتھ معراج ہونا) منقول ہے وہ قابل قبول نہیں کیونکہ واقعہ معراج کے وقت وہ کمسن تھیں اور نبی پاک ﷺ کے نکاح میں نہیں آئی تھیں۔

قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، جنہیں خصوصاً اہل حدیث معتبر مانتے ہیں، انہوں نے بھی معراج جسمانی کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کا رد کیا ہے۔ وہ جمہور کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالَّذِیْ دَلَّتْ عَلَیْہِ الْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَۃُ الکثیرۃ ھو ماذھب الیہ معظمُ السلفِ

والخلفِ منْ اَنَّ الاسراء بجسدهٖ ورُوْحِهٖ يقظةً اِلٰی بيت المقدس ثم الی السمٰوٰت ولاحاجةَ الی التاويل وصرف النَّظْمِ القُرْاٰنِیْ وَمَا يُما ثِلُهٗ مِنَ اَلْفَاظِ الْاَحَادِيْثِ اِلٰی مَا يُخَالِفُ الْحَقِيْقَةَ وَلَا مُقْتَضِیْ لِذَالِکَ اِلَّا مُجَرَّدَ الْاِسْتِبْعَادِوَتَحْکِيْمِ مَحْضِ الْعُقُوْلِ الْقاصرَةِ عَنْ فَهْمِ مَاهُوَ مَعْلُوْمٌ مِنْ اَنَّهٗ لَا يَسْتَحِيْلُ عَلَيْهِ سُبْحَانَهٗ شَیْءٌ وَلَوْ کَانَ ذَالِکَ مُجَرَّدَ رُؤْيَا کَمَا يَقُوْ لُهٗ مَنْ زَعَمَ اَنَّ الْاِسْرَاءَ کَانَ بِا لرُّوْحِ فَقَطْ وَاَنَّ رُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ حَقٌّ لَمْ يَقَعِ التَّکْذِيْبُ مِنَ الْکَفَرَةِ لِلنَّبِیِّ ﷺ عند اخبار هم لهم بذالک حتیٰ ارْتَدَّ مَنْ ارْتَدَّ مِمَّنْ لَمْ يَشْرَحْ بِالْاِيْمَانِ صَدْرًافَان الانسان قَدْيَریٰ فی نَوْمِهٖ مَاهُوَ مُسْتَبْعَدٌ ، بل ما هومُحَالٌ وَلَا يُنْکِرُ ذَالِکَ اَحَدٌ. (فتح القدیر ج ۳ص ۲۹۷، دارالفکر بیروت)

ترجمہ: احادیث صحیحہ کثیرہ سے جو مذہب ثابت ہوتا ہے وہ جمہور سلف وخلف کا مذہب ہے کہ حالت بیداری میں جسم اور روح کے ساتھ بیت المقدس تک پھر آسمانوں تک آنحضرت ﷺ کو معراج ہوئی۔ قرآنی آیت اور اس کے مماثل الفاظ حدیث میں تاویل کر کے ان کے حقیقی معانی سے انہیں پھیرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ سوا اس کے کہ محض عقل ناقص کو حاکم مان کر اس قسم کے محیر العقول واقعہ کو عقلی طور پر بعید مانا جائے۔ عقل ناقص اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ اللہ سبحانہ پر کوئی شئی محال نہیں۔ اگر یہ واقعہ خواب ہوتا، جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ معراج صرف روح کی ہوئی۔ حالانکہ انبیاء کے خواب حق ہیں۔ تو جب نبی ﷺ نے کافروں کے سامنے یہ واقعہ بیان فرمایا تھا اس وقت وہ آپ کو نہ جھٹلاتے۔ حتی کہ بعض کمزور ایمان والے تو یہ سن کر مرتد ہو گئے تھے۔ حالانکہ انسان تو کبھی خواب میں ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو عقل سے بعید ہوتی ہیں بلکہ محال ہوتی ہیں لیکن ایسے خواب کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔

دیوبندیوں کے مقتدا مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ نے لکھا:

''جمہور اہل سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری میں جسد (جسم) کے ساتھ ہوئی اور دلیل اس کی اجماع ہے'' (بیان القرآن ج ۲ص ۲۶۰ تا ۳۶۲) اس کے بعد تھانوی صاحب نے اجماع کے ثبوت پر پانچ دلائل پیش کئے ہیں اور معراج جسمانی کے منکرین کے پانچ اشکالات کے جوابات بھی ذکر کئے ہیں۔

امام نسفی متوفی ۵۳۷ھ وعلامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

اَلْمِعْرَاجُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِیْ الْيَقْظَةِ بِشَخْصِهٖ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ اِلٰی مَاشَاءَ اللّٰهُ

تَعَالٰی مِنَ الْعُلٰی حَقٌّ ثَابِتٌ بِالْخَبَرِ الْمَشْهُوْرِ حَتّٰی اَنَّ مُنْكِرَهٗ يَكُوْنُ مُبْتَدِعًا.

(شرح العقائد ص:۱۴۲)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ کو حالت بیداری میں جسم کے ساتھ آسمان تک معراج ہوئی پھر وہاں سے اللہ نے جتنی بلندی تک چاہا معراج کرائی۔ یہ حق ہے، خبر مشہور سے ثابت ہے۔ اس کا انکار کرنے والا گمراہ ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

فَالْاِسْرَاءُ وَهُوَ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْبَيْتِ الْمَقْدِسِ قَطْعِيٌّ ثَبَتَ بِالْكِتَابِ وَالْمِعْرَاجُ مِنَ الْاَرْضِ اِلَى السَّمَاءِ مَشْهُوْرٌ وَمِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْجَنَّةِ اَوْاِلَى الْعَرْشِ اَوْغَيْرِ ذَالِكَ اٰحَادٌ. (شرح العقائد:۱۴۳)

ترجمہ: اسراء یعنی مسجد حرام سے بیت المقدس کا سفر قطعی طور پر معلوم ہے، کتاب اللہ سے ثابت ہے اور زمین سے آسمان تک معراج، احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور آسمان سے جنت یا عرش یا اس کے علاوہ تک کا سفر اخبار احاد سے ثابت ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

وَخَبَرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ فَمَنْ رَدَّهٗ فَهُوَ ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ.

ترجمہ: معراج کی خبر حق ہے جو اسے نہ مانے گمراہ، بدعتی ہے۔

علامہ علی قاری نے خلاصہ کے حوالے سے تحریر فرمایا:

مَنْ اَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ يُنْظَرُ اِنْ اَنْكَرَ الْاِسْرَاءَ مِنْ مَكَّةَ اِلٰی بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَهُوَ كَافِرٌ.

ترجمہ: کوئی معراج کا انکار کرے تو دیکھا جائے گا، اگر مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کی سیر کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔ (اور اگر بیت المقدس سے آسمان کی سیر کا انکار کرے تو گمراہ بدعتی ہے)۔

(الفقہ الاکبر مع شرحہ ملا علی قاری ص۱۸۹)

جنات اللہ کی مخلوق ہیں

جن آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ. (الرحمن: ۱۵) اللہ نے جن کو آگ کی لو سے پیدا فرمایا:

اللہ نے جنات کو یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں اپنالیں۔ ان کی عمریں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ یہ سب بھی روح والے، جسم والے، عقل والے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ناری جسم والے ہیں۔ یہ کھاتے پیتے، جیتے مرتے ہیں۔ ان میں نسل کا سلسلہ بھی چلتا ہے۔ ان میں مسلمان بھی ہیں، کافر بھی (الانعام ۱۱۲)۔ لیکن انسان کے مقابلے میں جنات مسلمان تھوڑے اور کافر زیادہ ہیں۔ مسلمانوں کی طرح ان میں نیک بھی ہیں اور برے بھی۔ سنی صحیح العقیدہ بھی ہیں اور بدعقیدہ و بدمذہب و فاسق بھی۔ بدمذہب و فاسق زیادہ ہوتے ہیں۔

امام قرطبی متوفی ۶۷۱ھ نے تحریر فرمایا ہے:

عن ابن عباس ان الجن هم ولد الجانّ وليسو بشياطين وهم يومنون، ومنهم المؤمن ومنهم الكافر والشياطينُ هم ولدابليس لايموتون الا مع ابليس.

(تفسیر القرطبی، سورۃ الجن ج ۱۹ ص ۵)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن ''جان'' کی اولاد ہیں، وہ شیاطین نہیں۔ وہ ایمان والے ہوتے ہیں اور ان میں سے مومن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی اور شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں انہیں ابلیس ہی کے ساتھ موت آئے گی۔

امام قرطبی نے حضرت حسن بصری کے حوالے سے تحریر فرمایا:

ان الجن ولد ابليس والانس ولد آدم ومن هؤلاء وهولاء مومنون و كافرون وهم شركاء في الثواب والعقاب ، فمن كان من هؤلاء وهؤلاء مومنا فهو ولى الله ومن

كان من هؤلاء وهؤلاء كافرًا فهو شيطان. (ایضا)

ترجمہ: جن ابلیس کی اولاد ہیں اور انسان حضرت ادم علیہ السلام کی۔ دونوں فریق میں سے کچھ مومن ہیں اور کچھ کافر۔ دونوں ثواب اور عقاب میں شریک ہیں۔ دونوں میں سے جو مومن ہیں وہ اللہ کے دوست ہیں اور ان میں سے جو کافر ہیں وہ شیطان ہیں۔

جنات کے وجود کا انکار کفر ہے۔ یا یہ کہنا کہ جن نیکی کی قوت کا نام ہے اور شیطان گناہ کا نام ہے، کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنِ. (الذاریات ۵۶)

ترجمہ: میں نے جن اور انسان کو نہیں بنایا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

تقدیر کا بیان

تقدیر پر ایمان رکھنا بھی مومن ہونے کے لئے ضروری ہے۔اس کا انکار کفر ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ، قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ. (النساء ۷۸)

ترجمہ:اور اگر انہیں کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو (منافقین) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے۔(ان سے) کہو ہر ایک اللہ کی طرف سے ہے۔

وَكُلَّ شَىْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِىْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ. (یٰسٓ ۱۲)

ترجمہ:اور ہر چیز کو ہم نے لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے۔

مَااَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا.

(الحدید ۲۲)

ترجمہ:زمین میں اور تمہارے جانوں کو جو بھی مصیبت آتی ہے،قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں۔وہ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔

حدیث:عن عمران بن حصین عن النبی ﷺ قال: كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَىْءٌ غَيْرُهٗ وَكَتَبَ فِى الذِّكْرِ كُلَّ شَىْءٍ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ. (صحیح بخاری، بدء الخلق: ۳۱۹۱)

ترجمہ:حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، "اللہ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا جبھی اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا۔پھر آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے تقدیر کے حق ہونے پر قرآنی ایات واحادیث ذکر کرنے کے بعد

تحریر فرمایا:

فَإِذَا ثَبَتَ اَنَّ الْإِيْمَانَ بِالْقَدْرِ شُعْبَةٌ مِنْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ فَقَدْ دَلَّ الْكِتَابُ ثُمَّ السُّنَّةُ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلِمَ مَايَكُوْنُ مِنْ عِبَادِهٖ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ، ثُمَّ اَمَرَ الْقَلَمَ فَجَرٰى فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ بِمَا علم. (شعب الایمان ج ۱ ص ۱۵۱ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: جب یہ ثابت ہو گیا کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے تو کتاب وسنت (حدیث) اس پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم ہے کہ اس کے بندوں سے کیا کیا خیر اور شر ہونے والے ہیں۔ پھر اللہ نے قلم کو حکم دیا (کہ لکھو) تو اللہ کے علم کے موافق لوح محفوظ میں قلم چل گیا۔

تنبیہ: تقدیر کا یہ معنیٰ نہیں کہ اللہ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے کرنے پر بندہ مجبور ہے اس لئے بندہ اگر گناہ کرتا ہے تو اس کو اللہ کی طرف سے کچھ سزا نہیں ملنی چاہئے۔ اور یہ سوچنا بھی غلط ہے کہ جو کچھ تقدیر میں ہے وہ تو ہونا ہی ہے اس لئے جہد وعمل چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ بندوں کو اللہ نے ارادہ وقدرت دی ہے وہ خیر وشر کر سکتا ہے۔ اللہ کی عادت جاریہ ہے کہ بندہ اللہ کے عطا کردہ ارادہ وقدرت کو اگر خیر میں لگاتا ہے تو اللہ اس کے لئے خیر پیدا فرما دیتا ہے اور اگر شر میں لگاتا ہے تو اللہ شر پیدا فرما دیتا ہے۔

بندہ جیسی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ویسا ہی پھل دیتا ہے۔ کبھی دنیا ہی میں دیتا ہے اور کبھی آخرت کے لئے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ نے خیر وشر دونوں کے راستے پیدا فرما دیئے ہیں اور بیان بھی فرمایا ہے کہ کون سا راستہ خیر کا ہے اور کون سا شر کا ہے۔ اب یہ بندے کا کام ہے کہ وہ خیر کے راستے کو اختیار کرے یا شر کے راستے کو۔ بندہ خیر کے راستے کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے اس عمل پر اسے ثواب دے گا اور اگر شر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے عقاب وسزا دے گا۔ لیکن اللہ ازل سے علیم وخبیر ہے اسے پہلے ہی معلوم تھا کہ کون بندہ خیر کرنے والا ہوگا اور کون شر اختیار کرنے والا ہوگا۔ تو اس نے پہلے ہی اُسے لکھ دیا ہے۔

تقدیر کے معاملے میں بحث کرنا منع ہے۔ رسول پاک ﷺ نے اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ بندے پر صرف یہ لازم ہے کہ وہ تقدیر پر ایمان رکھے اس کی حقیقت سے بحث کرنے کی کوشش نہ کرے۔

عالم برزخ

مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے، مرنے والے انسانوں اور جنوں کو ایک عالم میں رہنا ہوتا ہے، اسے عالمِ برزخ کہتے ہیں، اُسے عرفِ عام میں قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں۔ میت کو خواہ قبر میں دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے، بہر صورت حسبِ مراتب، اسے عالمِ برزخ میں آرام یا تکلیف ہوتی ہے۔ (التوبہ:۱۰۱، غافر:۴۵، ۴۶، بخاری حدیث:۱۳۷۹)

ہر شخص کی زندگی کی مدت علمِ الٰہی میں مقرر ہے، نہ اس میں کچھ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی (الاعراف:۳۴)۔ جب زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے آتے ہیں۔ اس وقت مسلمان کے دائیں بائیں رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں اور کافر کے دائیں بائیں عذاب کے فرشتے۔ اس وقت ہر شخص کے نزدیک ایمان و اسلام کی حقانیت روشن ہو جاتی ہے، مگر اس وقت کا ایمان معتبر نہیں (النساء:۱۸)۔ کیوں کہ ایمان بالغیب معتبر ہے اور موت کے وقت عذاب دیکھ کر ایمان لانا غیب پر ایمان لانا نہیں، اس لئے معتبر نہیں۔

مرنے کے بعد روح بدن سے نکلنے کے باوجود روح کا تعلق جسم سے باقی رہتا ہے، لہٰذا دنیا میں جس طرح جسم کی راحت سے روح کو لذت اور جسم کی مصیبت سے روح کو لذت و تکلیف محسوس ہوتی تھی اسی طرح عالمِ برزخ میں بھی ہوگا۔ مرنے کے بعد مسلمانوں کی روحیں حسبِ مراتب مختلف جگہوں میں رہتی ہیں۔ بعض قبر میں، بعض آسمان و زمین کے درمیان، بعض آسمانوں میں، بعض آسمانوں کے اوپر، بعض عرش کی قندیلوں میں اور بعض اعلیٰ علیین میں، جیسا کہ نسائی شریف کتاب الجنائز میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی روح جنت کے درختوں پر اڑتی پھرے گی، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کے جسم میں ڈال دی جائے گی۔

(نسائی حدیث:۲۰۷۵، ابن ماجہ کتاب الزھد حدیث:۴۲۷۲)

روح کہیں بھی ہوتی ہے اس کا تعلق جسم سے باقی رہتا ہے۔میت کی قبر کے پاس کوئی آتا ہے تو میت اسے پہچانتی ہے۔اس کی آواز سنتی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ مردے، چلنے والوں کے قدموں کی آہٹ بھی سنتے ہیں (بخاری حدیث:۱۳۳۸)۔کافروں کی روحیں ان کے مرگھٹ یا قبر میں ہوتی ہیں۔بعض کی سجین میں۔کافروں کی روحیں قید میں ہوتی ہیں، انہیں کہیں آنے جانے کا اختیار نہیں۔ تناسخ (آواگون) کا عقیدہ رکھنا کہ روح کسی دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے۔خواہ آدمی کا بدن ہو یا جانور کا، یہ باطل محض ہے، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔روح جسم سے جدا ہوتی ہے، مرتی نہیں۔جو یہ مانے کے روح بھی مر جاتی ہے وہ بدمذہب ہے۔مردے کلام بھی کرتے ہیں لیکن ان کے کلام کو جن اور انسان کے سوا تمام حیوانات سنتے ہیں۔مردے کو قبر میں دفن کیا جائے تو قبر اسے دباتی ہے (مسند احمد ۹۸،۵۵/۶)۔مسلمان کو ایسے جیسے ماں بچے کو گود میں لے کر دباتی ہے اور کافر کو ایسے کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔اگر کسی کو قبر میں دفن نہ کیا جائے اور وہ عذاب قبر کا مستحق ہے تو بھی عذاب قبر یعنی عالم برزخ کا عذاب اسے ہوگا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا: ہاں عذاب قبر حق ہے۔(رواہ البخاری و مسلم، الترغیب والترہیب، کتاب الجنائز)

سوال نکیرین حق ہے

جب لوگ مردے کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو دو فرشتے خوفناک شکل میں مردے کے پاس آتے ہیں۔ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔اور دونوں کو ایک ساتھ نکیرین بھی بولتے ہیں۔ مردے کو جھنجھوڑ کر اٹھاتے ہیں اور کڑک آواز میں تین سوال کرتے ہیں۔پہلا سوال: مَنْ رَبُّکَ (تیرا رب کون ہے؟) دوسرا سوال: مَادِیْنُکَ (تیرا دین کیا ہے؟) تیسرا سوال: مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ؟ (تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا؟) اگر مردہ مسلمان ہے تو پہلے سوال کا جواب دیتا ہے رَبِّیَ اللّٰہُ (میرا رب اللہ ہے) دوسرے سوال کا جواب دیتا ہے دینی الاسلام

(میرا دین اسلام ہے) تیسرے سوال کا جواب دیتا ہے: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ فرشتے سوال کا جواب پا کر کہتے ہیں ہمیں معلوم تھا تو یہی کہے گا۔ اس وقت ندا آتی ہے۔ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھاؤ۔ اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ جنت کی ہوا اور خوشبو اس کی طرف آئے گی اور جہاں تک نگاہ جائے گی اس کی قبر کشادہ کر دی جائے گی۔ اس سے کہا جائے گا سو جا، جیسے دولہا سوتا ہے۔ اگر مردہ، منافق و کافر ہو گا تو سب سوالوں کے جواب میں کہے گا: هَاهْ، هَاهْ، لَا اَدْرِیْ ہائے، ہائے مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ كُنْتُ اَسْمَعُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَاَقُوْلُ (میں لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنتا تھا تو وہی کہتا تھا) اس وقت آسمان سے ندا آئے گی: یہ جھوٹا ہے۔ اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ، اسے آگ کا لباس پہناؤ اور اس کی طرف جہنم کا ایک دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھولا جائے گا تو جہنم کی گرمی اور لپٹ اس کو پہنچے گی اور اس پر عذاب دینے والے دو فرشتے مقرر ہوں گے، ان کے ساتھ لوہے کا گرز ہو گا کہ پہاڑ پر مارا جائے تو ٹکڑا ٹکڑا ہو جائے، اس سے اسے مارتے رہیں گے۔ سانپ بچھو اسے عذاب پہنچاتے رہیں گے اور اس کے برے اعمال برے موذی جانوروں کی شکل میں اس کو عذاب پہنچاتے رہیں گے۔ (شعب الایمان ۱/۳۰۱، وعامۃ کتب احادیث)

مردہ دفن نہ کیا جائے، شیر کھا جائے، جلا کر ہوا میں اڑا دیا جائے پھر بھی اس سے سوالات ہوں گے اور اسے ثواب یا عذاب پہنچے گا کہ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔

قیامت کا بیان

دنیا ایک دن فنا ہو جائے گی۔ دنیا کے فنا ہونے سے پہلے کچھ نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ تین جگہوں میں زمین دھنس جائے گی۔ مشرق میں، مغرب میں، اور جزیرۂ عرب میں۔ (کنز العمال حدیث: ۳۸۶۴۷، ۳۸۶۳۶)

ایک ایک کر کے علماء دین رخصت ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ دینی قیادت، جاہلوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ لوگ جاہلوں سے شرعی احکام پوچھیں گے۔ بغیر علم کے وہ احکام بیان کریں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ زنا کاری عام ہوگی (بخاری حدیث: ۸۰، ۸۱)۔ اس بے حیائی کے ساتھ کھلے عام زنا ہوگا جیسے جانور آپس میں جفتی کھاتے ہیں۔ مرد کم ہوں گے، عورتیں زیادہ۔ ایک مرد کی نگرانی میں پچاس عورتیں ہوں گی (مرجع سابق)۔ بڑے دجال کے علاوہ تیس دجال ہوں گے جو نبوت کا دعوی کریں گے (ترمذی حدیث: ۲۲۱۸) حالانکہ ہمارے آخری نبی سرکار مدینہ ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ بعض دجال (نبوت کے مدعی) گزر چکے ہیں۔ جیسے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہم۔ باقی جو ہیں ضرور ہوں گے۔ مال کی کثرت ہوگی۔ زمین اپنے خزانے کھول دے گی، (ترمذی حدیث: ۲۲۰۸) سونے کے پہاڑ ہوں گے۔ ملک عرب میں کھیتی اور باغ اور نہریں جاری ہوں گی۔ دین پہ قائم رہنا اتنا دشوار ہوگا جیسے مٹھی میں انگارا لینا۔ یہاں تک کہ دین دار آدمی قبرستان میں جا کر تمنا کرے گا کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا۔ وقت میں برکت نہ ہوگی، یہاں تک کہ سال مہینہ، مہینہ مثل ہفتہ اور ہفتہ مثل دن گزرے گا اور دن ایسا جیسے آگ لگی اور بھڑک کر ختم ہو گئی۔ یعنی وقت جلد جلد گزرتا محسوس ہوگا۔ زکاۃ دینا لوگوں پر بوجھ ہوگا۔ اس کو کسی چیز کا تاوان سمجھیں گے۔ علم دین پڑھیں گے لیکن دین کی تبلیغ کی نیت سے نہیں بلکہ طلب دنیا کے لئے۔ مرد اپنی بیوی کا فرماں بردار ہوگا اور ماں باپ کا نافرمان۔ مسجدوں میں لوگ چلائیں گے۔ ناچ گانے باجے کی کثرت ہوگی۔ ذلیل لوگ جنہیں جسم چھپانے کو کپڑا اور پیر میں پہننے کو جوتیاں نصیب نہیں تھیں وہ بڑی بڑی بلڈنگوں میں فخر کرتے ہوں گے۔ (بخاری کتاب الایمان)

دجال کا ظہور

دجال ظاہر ہوگا۔ وہ بائیں آنکھ کا کانا ہوگا اس کے بال اون کی طرح ہوں گے (ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث: ۴۰۷۱) چالیس دن میں، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا پوری زمین میں گھوم جائے گا۔ ان چالیس دنوں میں پہلا دن آج کے سال کے برابر ہوگا اور دوسرا دن مہینے بھر کا اور تیسرا دن ہفتہ کے برابر اور باقی دن چوبیس گھنٹے کے ہوں گے۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث: ۴۰۷۵) اس کا فتنہ بڑا ہوگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک باغ ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں آگ۔ وہ باغ کو جنت اور آگ کو جہنم کہے گا۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کو جو مانے گا اسے اپنی جنت میں ڈالے گا اور جو انکار کرے گا اسے اپنی جہنم میں ڈالے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی جنت جہنم اور اس کی جہنم جنت ہوگی۔ (ابن ماجہ حدیث: ۴۰۷۱) مردے کو جلائے گا اور زمین اس کے حکم سے سبزے اگائے گی۔ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا تو وہ پانی برسائے گا۔ زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے باہر نکال تو خزانے باہر نکالے گی اور اس کے ساتھ خزانے چلنے لگیں گے۔ (ابن ماجہ حدیث: ۴۰۷۵) یہ سب اس کے فتنے اور شعبدے ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دجال زمینِ مشرق سے نکلے گا، جسے خراسان کہا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ حدیث: ۴۰۷۲)

دجال مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل ہونا چاہے گا تو فرشتے اس کا منہ موڑ دیں گے۔

البتہ مدینہ میں تین زلزلے ہوں گے۔ جو لوگ بظاہر مسلمان ہوں گے اور دل سے کافر ہوں گے اور جو لوگ علم الٰہی کے مطابق دجال پر ایمان لا کر کافر ہونے والے ہیں وہ سب زلزلوں کے خوف سے شہر سے بھاگ جائیں گے اور دجال کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ دجال کے ساتھ یہودیوں کی فوجیں ہوں گی۔ دجال کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا۔ ہر مسلمان کو وہ نظر آئے گا اور دجال کا کافر ہونا معلوم ہو جائے گا۔ لیکن دجال پر ایمان لانے والے کو دکھائی نہ دے گا۔

(کنز العمال جلد ۱۴ کتاب القیامۃ ص: ۲۵۳ تا ۲۶۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام مہدی کا ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

دجال جب پوری دنیا میں گشت کر کے ملک شام پہنچے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ (ابن ماجہ حدیث: ۴۰۷۵) صبح کا وقت ہوگا، نماز فجر کے لئے اقامت ہو چکی ہوگی، حضرت امام مہدی جو اس جماعت میں موجود ہوں گے ان کو امامت کا حکم دیں گے۔ حضرت امام مہدی امامت فرمائیں گے۔ دجال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خوف سے بھاگے گا، آپ اس کا پیچھا کریں گے۔ باب لُد کے پاس اسے پکڑ لیں گے اور اس کو نیزہ مار کر واصل جہنم کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کا صلیب توڑیں گے اور پوری دنیا میں صرف ایک دین، دین اسلام ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک زمین میں اقامت فرمائیں گے۔ اس درمیان پوری زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی۔ ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہوگا۔ چالیس سال کے بعد آپ کی وفات ہوگی اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ انور میں دفن ہوں گے (کنز العمال ص ۲۶۱ تا ۲۶۳)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے، جب ہر طرف کفر کا تسلط ہوگا اس وقت تمام اولیاء روئے زمین سمٹ کر حرمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے۔ رمضان کا مہینہ ہوگا، تمام اولیاء کرام طواف کعبہ میں مصروف ہوں گے حضرت امام مہدی بھی وہاں ہوں گے۔ اولیاء کرام انہیں پہچان لیں گے اور ان سے بیعت کی درخواست کریں گے۔ وہ انکار کریں گے۔ اچانک غیب سے آواز آئے گی هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِىْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا۔ یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کا کہنا مانو۔ تمام لوگ حضرت امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ترمذی: ۲۲۳۰، ۲۲۳۱)۔ سب کو لے کر آپ ملک شام جائیں گے اور وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ نماز پڑھیں گے۔ آپ امامت فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر چکے ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم الٰہی ہوگا کہ مسلمانوں کو کوہ طور پر لے

جاؤ، اس لئے کہ ایسے لوگ ظاہر ہونے والے ہیں، جن سے لڑنے کی میں طاقت نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے۔ یہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ (جس کی لمبائی دس میل ہوگی) پہ گزرے گی تو اس کا پورا پانی پی کر اس طرح سکھادے گی کہ ان کی دوسری جماعت آئے گی تو یہ کہے گی کہ یہاں کبھی پانی نہ تھا۔ (ابن ماجہ حدیث: ۴۰۷۵) روئے زمین کی گھاس بھوس اور سارے انسانوں کو کھا جانے کے بعد اب وہ لوگ کہیں گے کہ زمین والوں کو ختم کر دیا، اب آسمان والوں کو ختم کریں گے۔ یہ کہہ کر اپنے تیر کو آسمان کی طرف پھینکیں گے۔ خدا کی قدرت یہ ہوگی کہ ان کے تیر آسمان سے خون آلود گریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ طور پہاڑ میں ہوں گے۔ وہاں پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ دعا فرمائیں گے تو یاجوج ماجوج کی قوم کی گردنوں میں کیڑے پیدا ہو جائیں گے اور وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بارش ہوگی، زمین میں پھل اور سبزے پیدا ہوں گے۔ زمین اپنے خزانے اگل دے گی اور ہر طرف خوش حالی اور برکت ہی برکت ہوگی۔ پھر ایک دھواں ظاہر ہوگا جس سے زمین و آسمان تک اندھیرا ہو جائے گا۔

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا

پھر آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس نشانی کے ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت اسلام لانا معتبر نہ ہوگا۔ (ابن ماجہ حدیث:۴۰۶۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب قیامت قائم ہونے کو چالیس برس رہ جائیں گے تو ایک خوشبودار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کے بغلوں کے نیچے سے گزر جائے گی، جس کا یہ اثر ہوگا کہ مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی اور کافر ہی کافر رہ جائیں گے، پھر چالیس برس تک کسی کو اولاد نہ ہوگی، یعنی چالیس برس سے کم عمر کسی کی نہ ہوگی اور دنیا میں کافر ہی کافر ہوں گے۔ کوئی اللہ کہنے والا نہ ہوگا تو قیامت قائم ہوگی۔ (ابن ماجہ حدیث:۴۰۷۵) لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، اتنے میں حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا (ترمذی حدیث:۲۲۰۷)۔ وہ صور پھونکیں گے جس سے سارے لوگ مر جائیں گے۔ آسمان زمین، پہاڑ صور اور حضرت اسرافیل علیہ السلام اور تمام ملائکہ فنا ہو جائیں گے۔ اللہ واحد کے سوا کوئی نہ رہے گا۔ اللہ فرمائے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (سورہ۴۰۔آیت۱۶) آج کس کی بادشاہت ہے؟ کہاں ہیں جبارین؟ کہاں ہیں متکبرین؟ مگر کون ہوگا جو جواب دے؟ پھر خود ہی اللہ فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورہ۴۰۔آیت۱۶) صرف اللہ واحد قہار کی سلطنت ہے۔

حشر کا بیان

پھر جب اللہ چاہے گا، حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا اور صور کو پیدا کر کے دوبارہ پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور پھونکتے ہی تمام اولین و آخرین، ملائکہ وانس وجن وحیوانات موجود ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے اور تمام مسلمانوں کو لے کر میدان حشر میں تشریف لے جائیں گے۔ میدان حشر شام کی زمین پہ قائم ہوگا۔

اس دن زمین تانبے کی ہوگی آفتاب ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔ حدیث کے راوی نے فرمایا کہ نہیں معلوم کہ میل سے مسافت مراد ہے یا سرمہ کی سلائی۔ سخت گرمی ودھوپ کی وجہ سے بھیجے کھولتے ہوں گے، کثرت سے پسینہ نکلے گا، پسینہ کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کے کمر تک، کسی کے سینے تک، کسی کے گلے تک اور کافر کے منہ تک پہنچ جائے گا اور ڈبکیاں کھائے گا۔ زبانیں سوکھ کر کانٹا ہو جائیں گی۔ بعض کی زبانیں باہر آ جائیں گی الغرض آدمی گناہ کے مطابق تکلیف میں مبتلا ہوگا۔

قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا۔ اس حال میں لوگ اپنا سفارشی ڈھونڈھیں گے، جو رب کی بارگاہ میں ان کی سفارش کر کے اس مصیبت سے انہیں نجات دلائے۔ سب لوگ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے وہ ان کی شفاعت کرنے سے معذرت کر لیں گے اور بالآخر ہم گنہگاروں کے شفیع، رحمت عالم ﷺ اپنے مسلمان گنہگار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی (اس کی تفصیل شفاعت کے بیان میں گزر چکی۔)۔

قیامت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ حشر، روح وجسم دونوں کا ہوگا، جو کہے کہ حشر صرف روح کا ہوگا وہ بھی کافر ہے۔ جسم کے اجزاء اگرچہ مرنے کے بعد متفرق ہو جائیں یا جانوروں کی غذا بن جائیں، اللہ تعالیٰ تمام اجزاء کو جمع فرما کر قیامت کے دن اٹھائے گا۔

اعمال کا حساب ہونا حق ہے

قیامت میں اعمال کا حساب ہوگا۔ حساب کا انکار کرنے والا کافر ہے (النباء: ۲۷، الحاقۃ ۲۶)۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بعض بندوں کا حساب آسان فرمائے گا اور بعض کا سخت، جس کا حساب آسان لیا جائے گا وہ اللہ کی پکڑ سے بچ جائے گا اور جس کا حساب سخت لیا جائے گا اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا (الانشقاق: ۷، ۸) اور بعض خوش نصیب بندے بے حساب جنت میں جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ بے حساب جنت میں جائیں گے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے (بخاری حدیث: ۶۵۵۴)۔ قیامت کے روز ہر شخص کو اس کے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ نیک لوگوں کے داہنے ہاتھ میں اور بدکاروں کے بائیں ہاتھ میں اور کافروں کے بائیں ہاتھ کو پیٹھ کے پیچھے نکال کر نامۂ اعمال دیا جائے گا۔

جنت اور جہنم

جنت آخرت کا محل ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے بنایا ہے۔ اس میں ایسی نعمتیں رکھی ہیں کہ نہ کبھی آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی آدمی نے اس کا تصور کیا۔ (السجدہ ۱۷، ۱۹، کنز العمال حدیث: ۳۹۷۶۴، ابن ماجہ کتاب الزھد حدیث: ۴۳۲۸) اس کی نعمتوں کے تعلق سے جو کچھ بھی تعارف پیش کیا گیا وہ محض تمثیل کے طور پر ہے۔ دنیا کی کوئی بھی نعمت جنت کی کسی نعمت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ وہاں کی کوئی حور اگر زمین کی طرف جھانک لے تو زمین سے آسمان تک روشنی ہی روشنی ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے۔ جنت کتنی وسیع ہے اس کو اللہ اور اس کے رسول جانیں۔ لیکن روایتوں میں جو بیان ہوا ہے اس کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ (ابن ماجہ

حدیث:۴۳۳۱) ہر دو درجوں کے درمیان کی مسافت زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت کے برابر ہے ۔ہر درجہ کی مسافت کتنی ہے؟ ترمذی شریف کی ایک حدیث سے تھوڑا اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم اس میں جمع کر دیا جائے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔قرآن حکیم میں ہے کہ اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔(ال عمران:۱۳۳) اور بخاری شریف میں ہے کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اگر کوئی تیز رفتار سوار اس کے سائے سے گزرنا چاہے تو ایک مہینہ میں اس کی مسافت طے نہ کر سکے۔(حدیث:۶۵۵۳) جنت میں قسم قسم کے جواہر کے محل ہیں۔ایسے صاف و شفاف کہ اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے دکھائی دے۔(بخاری حدیث:۶۵۵۵) جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہیں۔اس میں ہر طرح کی نعمتیں ہیں۔باغات، قسم قسم کے میوے، عمدہ سے عمدہ لباس، جو کبھی دنیا میں نصیب نہ ہوئے، موجود ہیں۔خدمت کے لئے نہایت صاف ستھرے غلمان و خدام۔(الواقعہ۲۲،۲۳،۲۴) جنت میں نہ بیماری نہ کبھی ڈر ہوگا نہ کبھی موت آئے گی۔(بخاری حدیث:۶۵۴۷) نہ کسی قسم کی تکلیف ہوگی۔ہر طرح کا آرام ہوگا، ہر خواہش پوری ہوگی اور سب سے بڑی نعمت اللہ کا دیدار ہوگا (القیامہ۲۲،۲۳) جو کہ ہر مومن صادق کا مطلوب و مقصود ہے۔

جہنم: یہ آخرت کا ایک گھر ہے۔نہایت گھپ اندھیرا، جس میں روشنی کا نام نہیں۔یہ بدکاروں اور کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔کافر اس میں ہمیشہ رہیں گے (البینہ:۶) اور بدکار مومن اس میں جلنے اور عذاب پانے کے بعد جنت میں داخل کئے جائیں گے (بخاری ومسلم)۔جہنم کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر سوئی کی نوک برابر کھول دیا جائے تو سارے اہل زمین اس کی گرمی سے مر جائیں۔جہنم کا داروغہ اگر دنیا میں آجائے تو مارے خوف کے لوگوں کا دم نکل جائے اور کوئی زندہ نہ بچے۔جہنمیوں کو طرح طرح کا عذاب دیا جائے گا۔بڑے بڑے سانپ بچھو کاٹیں گے۔(کنزالعمال:۳۹۷۹۰) بھاری بھاری ہتھوڑے سے سر کچلا جائے گا۔پیاس کی شدت میں کھولتا ہوا پانی اور پیپ پینے کو دیا جائے گا۔(الکھف ۲۹) بھوک کی شدت میں کانٹے دار زہریلا پھل کھانے کو دیا جائے گا۔جب وہ پھل کھائیں گے تو گلے میں پھنس جائے گا۔گلے سے اتارنے کے لئے جب پانی مانگیں گے تو کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا۔جب اسے پئیں گے تو آنتیں باہر آجائیں گی۔(الدخان:۴۳،۴۸) کفار عذاب

سے پریشان ہو کر موت کی تمنا کریں گے، لیکن موت نہیں آئے گی۔ کفار جہنم میں طرح طرح کے عذاب کو ہمیشہ کے لئے سہتے رہیں گے ان کو جہنم سے نہیں نکالا جائے گا۔

جنت و جہنم دونوں موجود ہیں۔ ان کے وجود کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ کوئی شخص جنت اور جہنم کا قائل ہو لیکن ان کا معنی اپنی طرف سے گڑھ کر یہ بتائے کہ جنت کا معنی ہے اپنے نیک اعمال کو دیکھ کر خوش ہونا اور جہنم کا معنی اپنے برے اعمال کو دیکھ کر رنجیدہ اور غمگین ہونا، تو وہ شخص دراصل جنت اور دوزخ کا انکار کرنے والا ہے، ایسا شخص کافر ہے۔

حوض کوثر و میزان

حوض کوثر نبی کریم ﷺ کو عطا ہوا، یہ حق ہے (الکوثر)۔ اس کی مسافت ایک مہینہ کی راہ ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرے حوض کی وسعت کعبہ سے بیت المقدس تک کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس سے حضور نبی اکرم ﷺ اپنے ماننے والوں کو پلائیں گے۔ اس سے پینے کے برتن گنتی میں ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جو اس کا پانی پئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

(کنز العمال ۱۴/۱۷۱،۱۷۲۔ ابن ماجہ کتاب الزھد حدیث: ۴۳۰۱ تا ۴۳۰۶)

میزان عمل حق ہے (الاعراف ۸،۹)۔ اس میں بندوں کے نیک اور برے اعمال تولے جائیں گے۔ نیکی کا پلہ بھاری ہو کر اوپر جائے گا اور گناہوں کا پلہ ہلکا ہوگا اور نیچے ہوگا۔ کافروں کے نیک اعمال بے وزن ہوں گے۔ اللہ کے نزدیک ان کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ ایک کفر کے مقابلے میں ان کی ساری بھلائیاں میزان عمل میں ہلکی ہو جائیں گی۔ (الکھف ۱۰۵) اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

صراط

صراط حق ہے۔ یہ ایک راستہ ہے جو جہنم کے اوپر ہے (مریم: ۷۱)۔ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ یہی جنت کا راستہ ہے۔ اس پر کافر نہ چل سکے گا۔ جہنم میں گرے گا اور مسلمان اس پر چل کر پار ہو جائیں گے۔ بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض دھیرے دھیرے، بعض گرتے پڑتے، لرزتے کانپتے، جس کا جتنا اچھا عمل ہوگا اتنی ہی تیزی سے پار ہوگا۔

(کنز العمال حدیث: ۳۹۷۵۹،۳۹۷۶۰)

تحقیق وتصنیف تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کا ایک جامع اور منفرد ادارہ

سنّی سنٹر حیدرآباد

کے

اغراض ومقاصد

۱ ان پڑھ اور ناواقف عوام کیلئے مکمل ایک ہفتہ تربیتی کلاسیز (سال میں چھ مہینے)
۲ مختصر مدتی عالم کورس (مدرسے کی تعلیم سے نامکمل افراد، حفاظ کرام، اسکول، مجسٹریس اور کالجز کے طلبہ کے لیے)
۳ اسکولوں میں ماہانہ سیرت کلاس۔
۴ شہر حیدرآباد کے مرکزی علاقوں میں اسٹیڈی سنٹر قائم کرنا۔
۵ سنٹر میں ہفتہ وار درس قرآن وحدیث اور اخلاقیات۔
۶ نوجوانوں کیلئے درس عقائد اہلِ سنّت کا اہتمام اور ہر عقیدے پر دلائل اور جوابی دلائل پر ایک نوٹ اُردو اور انگلش میں ان کے حوالے کرنا۔
۷ ائمۂ مساجد کو عقائد اہلِ سنّت پر ان کے موقف اور دلائل کی روشنی میں تربیت دینا۔
۸ کالجوں کے طلبہ کیلئے مختلف عنوانات پر سالانہ ورکشاپ کا اہتمام کرنا۔
۹ عقائد اہلِ سنّت پر سلسلہ وار خطاب اور اس کی سی ڈیز تیار کرنا۔
۱۰ ضروری کتابوں اور کتابچوں کی تیاری۔
۱۱ ضرورت کے تحت کتابوں کے ترجمے کروانا (مختلف زبانوں میں)
۱۲ سال میں تین معیاری سیمنار

بانی وڈائرکٹر:

مولانا قمر احمد اشرفی

قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے مسائل وعقائد کی الجھنوں کو دور کرنے اور مکمل اطمینان حاصل کرنے کیلئے بعد نماز ظہر تا عشاء شخصی طور پر سنّی سنٹر پر تشریف لائیے۔

₹200/-